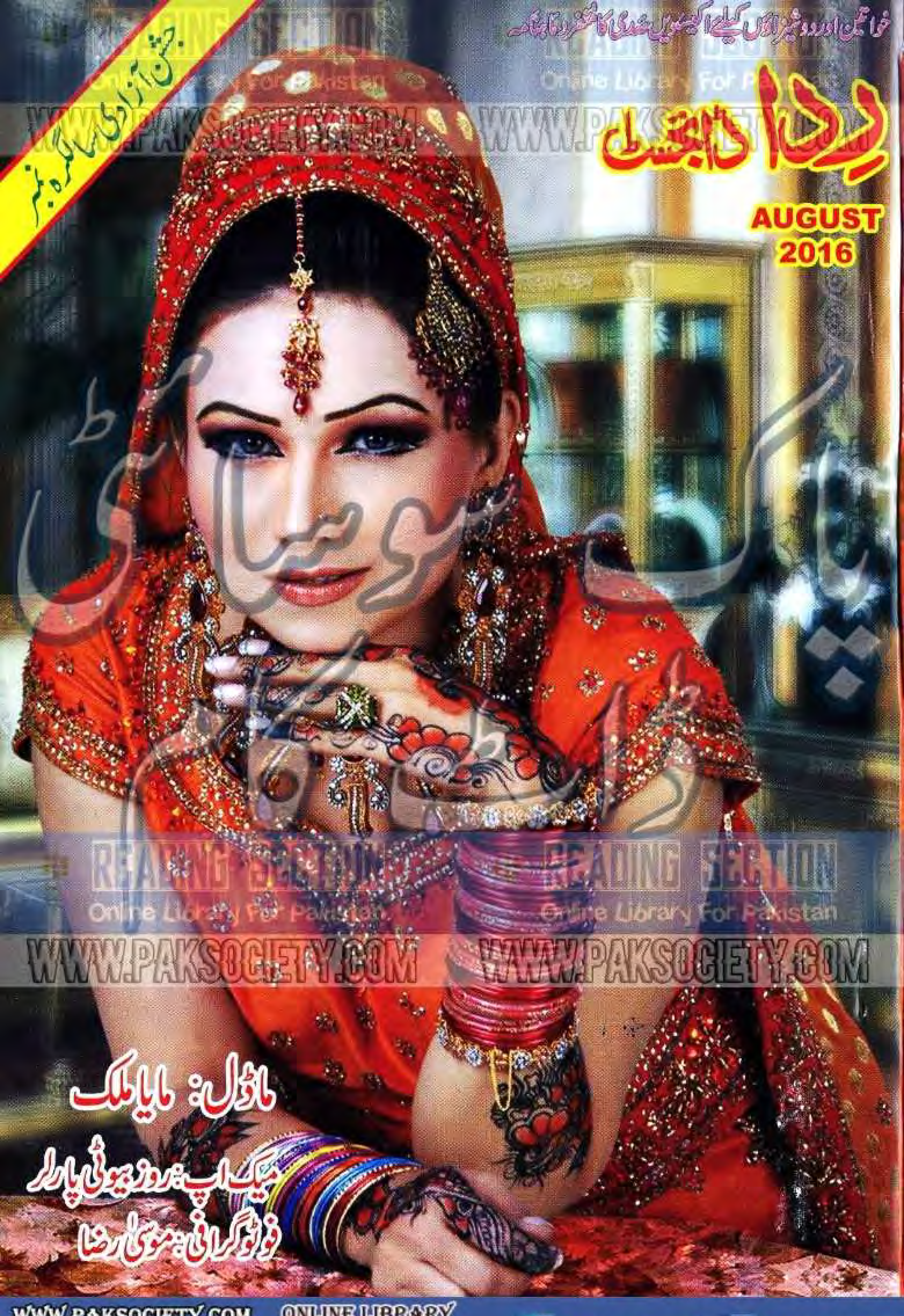


خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ
ردا ڈائجسٹ
AUGUST
2016
جشن آزادی سالگرہ نمبر
ماڈل: مایا ملک
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

انٹرویو

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

اگست 2016ء
جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 8
قیمت 60 روپے

ناولٹ

افسانے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 رُوپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ١٢٩/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے





صالحہ محمود

انٹرویو

گوشہ گل

نورین ملک

تاروں بھری جھلملاتی شب لیکن اس دن بھی جس بھری رات تھی جب میں پہلا اداریہ 17 سال پہلے لکھ رہی تھی' بس ایک جوش وجنون تھا' میرے عشق کا وہ پہلا لمحہ جب صبح کاپی جارہی تھی اس کے لئے اداریہ لکھنا میرے لئے بڑے اعزاز کی بات تھی کہ میں چیف ایڈیٹر بننے جارہی ہوں میرا یہ سفر مشکل ضرور تھا مگر میں پر امید تھی' میں عزم ویقین کے ساتھ اپنے رب کی شکر گزار تھی کہ ہمیں اس نے ہماری اوقات سے زیادہ نواز دیا۔ میری سرشت میں جو خمار تھا بتاؤں کیا؟ روشن جگنو کی طرح دہک رہے تھے لفظ پاؤں زمین پر دھروں تو یوں لگے کہ ہواؤں میں ہوں۔

زندگی کی رفتار رکتی نہیں ہے کوئی کسی کے لئے نہیں رکتا سب لمحے گزر جاتے ہیں' میرا عزم و یقین آج بھی ساتھ ساتھ ہے' میں نے کئی اچھے رائٹرز بنادیئے جو مختلف رسائل میں آج بھی لکھ رہے ہیں۔

آج پھر چودہ اگست کے لئے میں ایک بار پھر اسی ٹیبل پر بیٹھی لکھ رہی ہوں ۔ ہاں آج یہ ضرور ہے کہ آج شبینہ ملک نہیں' نورین ملک ہم سے سوال کررہی ہیں۔

کیا جواب دوں؟ سوچ رہی ہوں اردگرد بکھرے ہوئے حالات کشمیریوں کی جدوجہد' آخری نہج پر پہنچ چکی ہے' چودہ اگست کا دن خواب ادھورا ادھورا لگتا ہے کشمیریوں کی بناء دعا ہے کہ آزادی انہیں بھی نصیب ہو۔

دوسری طرف اپنے اردگرد افراتفری کا عالم ' کرپشن اور چور دروازوں کی دستک' احتجاج اور دھرنے کی آمد' کون کہاں جائے گا یہ نہیں معلوم' زندگی ایک خواب کی مانند ہے جو کسی لمحے کسی کی بھی بکھر جائے گی' دائمی تو کوئی بھی نہیں ابد سے ازل تک پھیلی ہوئی ذات صرف باری تعالیٰ کی ہے۔ خوش رنگ بہاروں کے جھونکے سبز ہلالی پرچم سدا ہماری زمین پر رہے۔ سرزمین پاک کی خاطر لاکھوں انسانوں کی قربانیوں کا ایک دن چودہ اگست جو ہماری تاریخ رقم کرتا ہے ہمارے آباؤاجداد کی لہو سے رقم کی ہوئی کہانیاں یادرکھنی چاہئیں کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے ہمت اور جذبے کی ضرورت ہوتی ہے' سرزمین پاک کی طرح کسی ایک لمحے کو بھی فوکس کرسکتے ہیں' ایک افسانہ' ناول' ناولٹ کو فوکس کرسکتے ہیں۔ اس میں لئے گئے سبجیکٹ پر آپ بہتر کام کرکے خود کو منواسکتی ہیں۔

ہمارے اردگرد آج بھی ستاروں کی مانند وہ سارے رائٹرز جو آئے چلے گئے اور جو آج بھی ہیں۔ جن کی محبتوں نے مجھے بہت معتبر بنادیا' میں آج جو کچھ ہوں وہ سب آپ کی محبتوں اور چاہتوں کی بدولت ہوں میرے ہر لفظ ہر کاوش کو سراہا گیا اور مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں خواتین رسالے کی پہلی چیف ایڈیٹر ہوں۔

یہ موسم یہ رت ایک ایک لمحے کو اجاگر کررہے ہیں میری محنت میری لگن میری جدوجہد ایک طویل داستان ہے جو میں لکھ نہیں سکتی اور لکھنا چاہوں تو آپ سب سامنے آجاتے ہیں آپ کے چہرے آپ کی آوازیں' مجھے محبتوں سے ہمکنار کرتی ہیں' سمندر کی وہ بے قرار لہریں جنہوں نے مجھے پہلی بار لکھنے کا احساس دلایا تھا۔

زیادہ تر سوالات آپ لوگ لکھنے لکھانے سے متعلق پوچھتے ہیں۔ خالقِ حقیقی جسے چاہتا ہے اسے وہ عطا کرتا ہے گھر کا ماحول بھی ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

میرے قلمی اور ادبی سفر کے بارے میں نورین ملک جو مجھ سے سوال کررہی ہیں میں ان کے جواب دے رہی ہوں۔

ہمارے ناولز کے بارے میں اکثر آپ لوگ پوچھتے رہتے ہیں۔ دیا میر سیاسی پس منظر پر' بھیگی رت' افسانوں کا مجموعہ' کچی کلیاں آنگن کی' تم میرے ہو کے رہو' رگ و جاں سے جو قریب تھے' سلسلے وار ناولز تھے نظموں کا مجموعہ' اشاعت کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے لیکن فرصت نہیں ملتی' یوں لبالب دریا تو بھرا ہے اور ایک پیاسا قریب نہ آئے' وہی صورت میری ہے میں لکھنا چاہتی ہوں لیکن آپ لوگوں کا خیال آجاتا ہے' میں اپنی جگہ آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں' بس یہی خواہش ہے میری' آپ کا تعاون آپ کی محبتیں ساتھ ساتھ اور میں ہوں' نورین ملک کے سوالوں کی بوچھاڑ میں تو پڑھیئے اور دیکھئے سوالات جو مجھ سے پوچھے جارہے ہیں۔

(آپی)

قارئین بے شمار خطوں میں صرف یہی سوال ہوتا ہے کہ میڈم کا مکمل انٹرویو دیں۔ سو اس بار ہم نے 14 اگست کی خوشی میں ان سے کچھ ذاتی نوعیت کے سوالات جو آپ جاننا چاہتے تھے وہ کئے ہیں خاص طور پر ''ردا'' کی سالگرہ پر اسپیشل ردا کے بارے میں ہی کچھ سوالات ہیں' جو میں نے ان سے کئے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی پڑھیئے۔

☆ آپ ردا کے بارے میں بتایئے کہ ردا کا خیال آپ کو کیسے آیا؟

❁ جیسا کہ کئی بار بتا چکی ہوں کہ ردا God Gifted ہے اور خدا نے ہر لمحے اس میں رہنمائی کی اور اللہ کی ذات اتنی انوالو رہی میرے ساتھ کہ یقین کی حد تک۔ جب خدا کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے تمام رستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ نظریاتی بنیاد پر جب ہماری اشاعت روک دی گئی' ایڈیٹر خود مجھ سے شرمندہ تھی کہ پہلی بار ہمارے ساتھ ایسا ہوا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ جون 1992ء سے لے کر 1993ء تک سندھ فوجی آپریشن کی زد میں تھا' ایسے دور میں مزاحمتی کالم لکھتی تھی' ظلم دیکھنا میری سرزشت میں نہیں ہے۔ میں انسان پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی اور میرا قلم ہیرٹ کی طرح اس ظلم کے خلاف مزاحمتی کالم لکھتا رہا۔ جب تک سندھ آپریشن ختم نہیں ہوا یہ میرے ضمیر کی آواز تھی کہ میں نے ظلم کے خلاف جدوجہد کی اس کی پاداش میں نظریاتی تعصب کی بنیاد پر میرا ناول ''کچی کلیاں آنگن کی'' ایڈیٹ کرنے کہ بعد روک دیا گیا اور میری جگہ رفعت سراج کو موقع دیا گیا' حالانکہ وہ حق میرا تھا' ایڈیٹ کرتے وقت تمام میٹریل کمپوزنگ کے لئے تیار تھا جس کو کسی بھی ادارے میں نہیں لیا جاسکتا۔ ایڈیٹر نے مجھ سے خود کہا کہ میں ایک لڑکی رکھ کر آپ کا ناول پھر لکھوادیتی ہوں بس شاید وہی لمحہ کاتب تقدیر نے ردا کے لئے منتخب کرلیا تھا اور ردا میں چلنے والا ناول تمام ایڈیٹنگ کے ساتھ موجود تھا ورنہ شاید ردا نکالنا اتنا آسان نہ ہوتا' کیونکہ کسی بھی رسالے کے لئے سلسلے وار مکمل ناول اس کی گارنٹی ہوتا ہے' سو بس ردا کے قدم اسی ناول پر جم گئے۔ کچھ ہماری پچھلی شناخت بھی موجود تھی اور جن بھی بڑی بڑی پروڈکٹ والوں کے پاس میں لانچنگ کرتے وقت گئی ان کا بھرپور تعاون ہمارے ساتھ رہا ہے۔

☆ ''ردا'' میں سب سے بڑا تعاون کس کا تھا؟

❁ میرے شوہر کا۔

☆ شعبہ اشتہارات میں آپ نے کس طرح کامیابی حاصل کی؟

❁ ہمارے برادران لاء محمد علی جو کہ ایک کامیاب بزنس مین ہیں انہوں نے مجھے گائیڈ کیا اور آج تک میں اسی گائیڈ لائن پر عمل کرتی ہوں اور شکر اللہ کا کہ تمام بڑی بڑی پروڈکٹ ابتداء سے آج تک ردا سے منسلک ہیں اور دوسری کمپنیاں مجھے خود فون کرتی ہیں' اشتہارات کے لئے۔ اشتہارات کے لئے ایک خاص نظریہ رکھا ہے میں نے تہذیب کے دائرے میں رہ کر اشتہار لیا جاتا ہے جسے میری بھی بیٹی پڑھ اور دیکھ سکے' میں کسی بھی الٹے سیدھے جادو منتر بابا جی کے اشتہارات نہیں لیتی ہوں اور نہ ہی اس میں کوئی ایسا سلسلہ رکھا ہے جس میں لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹا جاتا ہے۔

☆ آپ نے ''ردا'' کی جدوجہد میں کس کس کو شامل کیا؟

❁ ابتداء میں اسٹاف بہت کم تھا' ڈرائیور' ایک لڑکی میں خود تھی۔ دس انسانوں کے برابر میں رات دن کام کرتی تھی۔ صبح دس بجے ہم نکلتے تھے اور سات بجے واپسی ہوتی تھی۔ ابتدائی دنوں کی یاد مت دلائیں بڑا دشوار اور کٹھن سفر تھا جس پر میں نے قدم رکھ دیا تھا لیکن میں لیو ہوں اس لئے ویری اسٹرونگ اور اپنی کامیابی پر یقین رکھتی ہوں۔

☆ آپ کی اتنی جدوجہد میں آپ کا گھر اور

بچے تو متاثر نہیں ہوئے؟

❁ میڈم نورین صاحبہ! کبھی نہیں نہ کل نہ آج' میں ہر کام کو وقت پر کرنے کی عادی ہوں اس لئے کبھی دشواری نہیں ہوئی۔

☆ ردا کے حوالے سے مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی کہ یہ ''ردا گائیڈ کارنر'' کیا ہے؟

❁ نورین! میں نے سنگاپور میں ایک گائیڈ کارنر جوائن کیا تھا جہاں پر لکھنے کے حوالے سے یہ بتایا جاتا تھا کہ آپ ایک ناول ڈرامہ یا افسانہ کیسے لکھ سکتے ہیں۔ سنگاپور انسٹی ٹیوٹ سے میں نے سیکھا How to write story? بس مجھے ایک تجسس تھا کہ میں دیکھوں کہ مغربی رائٹر کیسے اور کیا لکھتے ہیں لہٰذا میں نے کچھ چیزیں سیکھیں جن سے میں متاثر ہوئی اور وہی طریقہ کار میں نے ردا میں نئے لکھنے والوں کو گائیڈ کرتے ہوئے اپنایا۔ لہٰذا جن کے اندر لکھنے کے جراثیم موجود ہوتے ہیں وہ ابھر کر سامنے آجاتے ہیں اور اپنی حیثیت منوا کر رہتے ہیں دوسری صورت میں وہ دو ایک کہانیاں لکھ کر غائب ہو جاتے ہیں لیکن میں پھر بھی انہیں موقع دیتی ہوں مگر وہ دو چار قدم چل کر ساتھ چھوڑ جاتے ہیں' بہت سے ایسے رائٹرز ہیں جن کو میں نے گائیڈ کیا اور آج کل وہ دوسری جگہ پر لکھ رہے ہیں مجھے خوشی ہوتی ہے یہ دیکھ کر۔

☆ آپ کو خود ردا کیسا لگتا ہے؟

❁ آخری کاپی جانے تک میں اس کے عشق کے جنون میں گرفتار رہتی ہوں اور جب ہاتھ میں آتا ہے تو بے یقینی کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ بار بار اس کا ایک ایک صفحہ پلٹ کر پڑھتی اور دیکھتی رہتی ہوں اور مجھے اس میں ہر بار کوئی نہ کوئی کمی محسوس ہوتی ہے اور خوشی اس بات کی ہے کہ میں پہلی چیف ایڈیٹر ہوں جس کی ایڈیٹوریل سے لے کر آخری کاپی تک میری نظر میں ہوتی ہے اور یہی میری کامیابی کا راز ہے' ردا کے لئے تو اتنے جوابات ہیں میرے پاس کہ شاید آپ کے پاس اتنے سوالات بھی نہ ہوں مگر پھر وہی بات کہ ردا میں دوسروں کا بھی حصہ ہے تو آپ چند سوالات اور کریئے اور یہ سلسلہ ختم کریئے۔

☆ لکھنے کا شوق کس طرح پیدا ہوا؟

❁ لکھنے کا شوق شاید قدرت نے میری گھٹی میں ڈال دیا تھا' زمانہ طالب علمی میں بچوں کی کہانیاں لکھا کرتی یا پھر گھر میں بیٹھ کر کسی ضعیف خاتون سے یا کام کرنے والوں کے گھروں میں جاکر ان سے پریوں اور جنوں کی کہانیاں سنا کرتی۔ اکثر مجھے اس بات پر ڈانٹ بھی پڑتی مگر سرشت میں خمار گندم شامل تھا پھر اچانک زندگی میں پہلی بار ایک انقلاب آیا۔ ٹیچر نے مجھے بلا کر پوچھا ''کیا تم سلیم باسط کی بہن ہو؟'' میں نے کہا۔ ''نہیں''۔ پھر میرے مضمون ''سمندر'' کی بے حد تعریف کی اور کہا ''میں اس کو میگزین کے لئے سلیکٹ کر چکی ہوں میڈم نے آپ کو بلایا ہے''۔ وہاں جواب طلبی تھی کیا واقعی یہ آپ نے لکھا ہے؟ کہیں سے نقل تو نہیں کیا؟ اگر ایسا ہے تو اس کی سزا ملے گی' وہاں پر مجھے پہلی بار یقین ملا میں لکھ سکتی ہوں۔

☆ لکھنے کی ابتداء کہاں سے کی؟

❁ میں نے ابتداء اخبار جنگ میں بچوں کے صفحے سے کی' سلسلے وار کہانی لکھتے لکھتے بیچ میں ایک بار غائب بھی ہوگئی۔ ظفر بھائی جان مجھے ڈھونڈتے رہ گئے اور یوں میں اس کہانی کا انجام

نہ لکھ سکی۔ بس لکھنے کا ایک سلسلہ تھا جو چلتا چلا گیا۔ ہم سفر ساتھیوں میں پروین شاکر، شاہدہ حسن، تابندہ لاری اور میں ہم تینوں اکثر کالجز میں ایک ساتھ مشاعروں میں جاتیں۔ یہ زندگی کا بہت خوبصورت دور تھا۔ ایک عالم علم جلیل سلاسل کسی کالج یونین کے صدر تھے۔ انہوں نے ایک ادبی تنظیم بنائی تھی۔ تنظیم کی طرف سے ہونے والے فنکشنز میں لکھنے والوں میں سب سے زیادہ نمبر لے کر میں سر فہرست تھی۔ میرا نام پکارا گیا تو میں غائب۔ گھر سے جانے کی اجازت نہ مل سکی تھی۔

☆ انسپائریشن کس سے ملی؟

◈ پڑھنے کا شوق اور انسپائریشن مجھے اپنے گھر سے ملی۔ ہمارے بڑے بھائی ڈاکٹر عزیز صدیقی بہت اونچا ادب پڑھنے والوں میں سے ہیں۔ ان کی لائبریری کی کوئی بھی کتاب ایسی نہ تھی جو میں نے نہ پڑھی ہو۔ ابھی وقت کی رفتار تھمی نہ تھی کہ زندگی کا ایک دوسرا دور شروع ہو گیا اور میں صالحہ باسط سے صالحہ محمود بن چکی تھی۔ میرا زیادہ تر وقت پاکستان سے باہر رہ کر گزرنے لگا۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں دیار غیر میں رہتے ہوئے اشاعت کا سلسلہ تو بند ہو گیا تھا مگر لکھنے کا سلسلہ بند نہ ہو سکا اور آخر ایک دن تنگ آ کر میں نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا۔

"کیسا یہ میرا عشق تھا مرنے کے بعد بھی
کاندھوں کا بوجھ بن کے مجھے ڈھونڈتا رہا"

سو ہم تھے اور قلم تھا۔ کئی مسلسل ناول میں نے سنگاپور کے کسی چرچ میں یا بوٹانیکل گارڈن میں بیٹھ کر لکھے ہیں۔

☆ آج کی پاکستانی عورت کا کیا مقام ہے آپ کی نظر میں؟

◈ میں ہر لکھنے والے کی طرح ایک عام سی لکھنے والی عورت ہوں۔ ہمارے ادارے میں صرف خواتین کام کرتی ہیں۔ مجھے محنت کرنے والی عورت بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔ خواہ وہ گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی عورت ہو یا کھیتوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے والی عورت۔ جدوجہد کرنے والی عورت میری آئیڈیل ہے۔

☆ آپ کا پسندیدہ شعبہ؟

◈ مجھے تدریسی شعبے نے متاثر کیا ہے۔ اساتذہ کو ہر لڑکی کے لئے انسپائریشن ہونا چاہئے۔ ٹیچر بن کر ماحول اور معاشرے کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ معاشی مسائل ٹیوشن پڑھا کر بھی حل کئے جا سکتے ہیں۔ حسن اور خوب صورتی میرے قلم کے اہم جز نہیں۔ بلکہ ایک اہم کردار ادا کرنے والی وہ لڑکی ہے جو اپنی فکر و عمل سے معاشرے میں بہت ساری تبدیلیاں لائی ہیں۔

☆ کیا کہانیوں کے کردار آپ کے تخیل کی پیداوار ہوتے ہیں یا جیتے جاگتے انسان؟

◈ میری کوئی بھی کہانی خیالی نہیں ہوتی ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک بننے والے خیالات بھی خود بخود ایک کردار کری ایٹ کرتے ہیں۔ مجھے کبھی خیالی کہانی لکھنے کا خیال نہیں آیا۔ جب لکھنے بیٹھتی ہوں تو بہت سے کردار خود بخود میرے اردگرد آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر قلم کی رفتار یا میرا ذہنی لگاؤ اس طرف مائل ہو جاتا ہے۔

☆ آپ کی آئیڈیل شخصیت؟

◈ آئیڈیلائزیشن میں مجھے میری ماں سب سے زیادہ پسند تھیں۔ مجھے ان سے عشق تھا۔ میں آج بھی ان کے بغیر خود کو کمزور محسوس کرتی ہوں۔

☆ تعلیمی سلسلہ کیا رہا؟

◈ گریجویشن میں نے ویمنز کالج فریئر روڈ سے کیا۔ گریجویشن سے پہلے ہی میری منگنی اور پھر شادی کر دی گئی مگر تعلیمی سلسلہ میں نے جاری رکھا۔ شادی کے بعد انگلش لٹریچر میں ایم اے کر رہی تھی مگر کمپلیٹ نہ کر سکی۔

☆ آپ کی زندگی کا یادگار لمحہ؟

◈ ردا کی بھرپور کامیابی جس کا مجھے یقین بھی نہیں تھا کہ اس تیز رفتاری سے اس کی سرکولیشن میں اضافہ ہوگا اور بیرون ممالک بھی اس کی ڈیمانڈ بڑھے گی۔

☆ آپ کا پسندیدہ مصنف؟

◈ ایم سلطانہ فخر کو پڑھ کر میں نے لکھنا سیکھا۔ ان کی ہر تحریر مجھے بے حد پسند تھی اور آج بھی میں ان کی پرانی تحریریں نکال کر پڑھتی ہوں، ان کے علاوہ بشریٰ رحمٰن، بانو قدسیہ، شفیق الرحمٰن۔

☆ تقدیر پر بھروسہ کرتی ہیں یا تدبیر پر؟

◈ تقدیر پر ہی بھروسہ کرتی ہوں اور یہیں پر مجھے صبر اور یقین آ گیا ورنہ شاید میرا زندہ رہنا بہت مشکل ہو جاتا۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک سانس انسان کا، اس کی تقدیر کے ہر پل سے منسلک ہے۔ تاہم تدبیر کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔

☆ محبت کیا ہے آپ کی نظر میں؟

◈ محبت کے بغیر زندگی نامکمل ہے۔ کسی بھی شے میں کوئی تسلسل ہی نہیں مل سکتا جب تک محبت نہ ہو۔ محبت کا ایک وسیع لامحدود سلسلہ ہے جو ازل سے لے کر ابد تک پھیلا ہوا ہے۔ محبت پوری کائنات پر محیط ایک الوہی جذبہ ہے جس میں یہ کائنات سانس لے رہی ہے۔

☆ آپ مستقل مزاج ہیں یا موڈی؟

◈ میں مستقل مزاج ہوں۔ جب تک ایک کام ختم نہ کرلوں درمیان میں کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتی۔ یہ مستقل مزاجوں کی اہم خصوصیت ہے۔

☆ خوابوں پر یقین رکھتی ہیں؟ کوئی خواب جو سچ ثابت ہوا ہو؟

◈ ہمیشہ میرے خواب سچ ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کو اپنا خواب نہیں بتانا چاہئے کیونکہ بتانے والا جو بھی تعبیر دے گا وہی خواب کی تعبیر ہو جائے گی۔ اس لئے بہت محتاط رہنا چاہئے۔

☆ غصہ کن باتوں پر آتا ہے؟ غصے کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟

◈ غصہ مجھے بہت کم آتا ہے مگر جب آتا ہے تو سامنے والے کا بھگوان بھلا کرے۔

☆ پہلی ملاقات میں سامنے والے کی شخصیت کے کس پہلو کا جائزہ لیتی ہیں؟

◈ میں خاموشی سے بیٹھ کر اسے بولنے کا موقع دیتی ہوں۔ پوری شخصیت خود ہی سامنے آ جاتی ہے۔ بقول کنفیوشس "شیریں زبانیں اور خوبصورت چہرے دھوکہ دیتے ہیں"۔ سو میں انسان کو سمجھنے کی تھوڑی بہت صلاحیت رکھتی ہوں۔

☆ خوبصورتی متاثر کن ہے یا خوب سیرتی؟

◈ خوب سیرتی۔

☆ کوئی شعر یا نغمہ جو آپ کو بے حد پسند ہو؟

◈ ایک شعر جو مجھے بے حد پسند ہے۔

"برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی"

☆ پسندیدہ کتاب اور مصنف؟

❀ پسندیدہ کتاب تو قرآن پاک ہے۔ مصنف اللہ میاں جنہوں نے یہ ہدایت نامہ انسان کے لیے تحریر کروایا۔ بہ زبان حضرت محمد ﷺ جن پر ہزاروں بار درود وسلام۔

☆ کیا انٹرنیٹ ایج میں کتاب کی افادیت باقی رہے گی؟

❀ کتاب کی اہمیت کسی دور میں کم نہیں رہی کتابی شکل میں کچھ بھی ہو وہ موجود رہتا ہے۔

☆ کیا ڈائجسٹ معیاری ادب کے تقاضے پورے کررہے ہیں؟

❀ یقیناً ردا تو کررہا ہے۔

☆ اپنی پسند ناپسند کے بارے میں کچھ بتائیں؟

❀ لباس میں مجھے ساڑھی پسند ہے۔ خوشبو میں Versace woman پسند ہے۔ مجھے بارش، پھول اور خوشبو بہت اچھے لگتے ہیں، میرے پسندیدہ پھول ہار سنگھار کے ہیں۔ کھانے میں، میں خود تو سادہ غذا کھا لیتی ہوں لیکن کوکنگ کا مجھے بہت شوق ہے۔ گارڈننگ کا بھی شوق ہے۔ میں ہر کام کرنا جانتی ہوں۔ کوکنگ، اسٹیچنگ بھی خود ہی کرتی ہوں۔ میں گھر میں بھی ہر سال کچھ نہ کچھ تبدیلی پسند کرتی ہوں۔ بلیو کلر ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔

☆ سال کا سب سے پسندیدہ مہینہ کون سا لگتا ہے؟

❀ اگست کا۔

☆ چوبیس گھنٹوں میں پسندیدہ وقت؟

❀ صبح کا وقت۔

☆ زمانہ طالب علمی کا کوئی یادگار لمحہ؟

❀ جب میں اپنے کالج کی وائس پریزیڈنٹ بنی تھی۔

☆ پسندیدہ اخبار؟

❀ جنگ۔ The dawn۔

☆ پسندیدہ رشتہ؟

❀ ماں۔

☆ صبح سویرے بیدار ہوتے ہی کس کو دیکھنا چاہتی ہیں؟

❀ صبح سویرے میں سب سے پہلے اپنے پودوں کو دیکھ کر ہنس پڑتی ہوں۔

☆ چودھویں کا چاند دیکھ کر کیا سوچتی ہیں؟

❀ کاش میں بادل کا ایک ٹکڑا ہوتی اور یوں ہی ہواؤں میں اڑتی رہتی۔

☆ پسندیدہ مضمون؟

❀ میری ابتدائی تعلیم Convent میں ہوئی اس لئے مجھے اردو سے زیادہ انگریزی پر عبور تھا۔ 9th تک یہ عالم تھا کہ میں اردو لکھ سکتی تھی، پڑھ سکتی مگر معنی نہیں آتے تھے۔ مثلاً لفظ تشریح کیا ہے مجھے نہیں معلوم تھا۔ جب میں نے اس کا مطلب انگریزی میں معلوم کیا تو اس کے بعد میں نے سب سے اچھا شعر Explain کیا۔ ٹیچر نے چونک کر مجھ سے کئی سوال کئے تھے آپ کو اردو نہیں آتی آپ نے اتنی اچھی تشریح کیسے لکھ لی؟

☆ کن لوگوں سے نفرت ہے؟

❀ دھوکہ دینے والوں سے۔

☆ کون سی چیز آپ کے ساتھ رہتی ہے؟

❀ ڈائمنڈ کی رنگ اور میرے لکی اسٹون پیری ڈوٹ کی رنگ۔

☆ آپ کی تاریخ پیدائش اور اسٹار؟

❀ میری تاریخ پیدائش 14 اگست ہے۔ بہن

بھائیوں اور دوستوں کو یاد رہتی ہے۔ گویا پورا پاکستان میرے ساتھ جشن آزادی مناتا ہے۔ میرا اسٹار LEO ہے اس کی تمام خصوصیات مجھ میں ہیں۔ میں چیلنجز پر یقین کرتی ہوں۔ LEO پیدائشی حکمران ہوتے ہیں۔

☆ چودہ اگست آپ کی سالگرہ کا دن ہے۔ کبھی کسی نے کوئی خاص تحفہ دیا؟

❀ ہاں ہم چودہ اگست کے دن دوپہر میں نرسری جاتے ہیں۔ سنگاپور میں پیراڈائز برڈ کے پودے اس لئے خریدے گئے تھے کہ اگست میں ان پر برڈز کھلتی ہیں۔ سو آج بھی سرخ رنگ کی شاخیں ان میں لٹک رہی ہیں یہ پودا خاص آسٹریلیا نے روشناس کرایا تھا۔

☆ آپ بہت اچھی شاعرہ بھی ہیں اپنا کوئی پسندیدہ شعر سنائیے۔

❀ "شب کے تاروں سے کہو موندلیں آنکھیں اپنی
چاندنی آج تو اتری نہیں آنگن میں مرے"

☆ جب آپ انگریزی ادب میں ایم اے کررہی تھیں تب کیا آپ نے مغربی ادب کا مطالعہ کیا؟

❀ جی ہاں میں Old Classics پہلے بھی پڑھتی تھی آج بھی پڑھتی ہوں، گون ودھ دی ونڈ، جمیکا ان، ربیکا، جین آئر اور روٹس میرے آل ٹائم فیورٹس ہیں، خاص طور پر روٹس سے میں بے حد انسپائر ہوئی تھی کہ انسان کس طرح ظلم کرتا ہے۔ مغربی مصنفین میں ہمنگوے، چالس ڈکنز، سڈنی شیلڈن، سمرسٹ ماہم، شیورلٹ برونٹے، پرل ایس بک، ڈیفن ڈی مریر کو میں نے بہت پڑھا ہے۔ بچپن میں والد صاحب نے ہمیں گولڈن ٹریژری لاکر دی تھی، بچوں کی نظمیں اور شیلے شیکسپیئر، کیٹس، ورڈز ورتھ سب آج بھی یاد ہیں۔

☆ اردو کے کلاسیکی ادب سے کتنا فیض یاب ہوئیں؟

❀ اردو ادب میں غالب کو بہت زیادہ پڑھا، ان کے بعد فیض، ناصر کاظمی، احمد فراز اور محسن نقوی کو پڑھا۔ فرصت کے لمحات میں دیوان غالب، بانگ درا اور بال جبریل کا مطالعہ بار بار کرتی ہوں۔ ان کو جتنا پڑھتی ہوں ایک نیا احساس اور نئی امنگ محسوس ہوتی ہے۔ کوئی بھی تحریر لکھنے سے قبل میں ضرور کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتی ہوں۔

☆ آپ کے دن کا آغاز کس طرح ہوتا ہے اور دن بھر کی روٹین کیا ہوتی ہے؟

❀ نماز پڑھنے کے بعد میں واک کرنے جاتی ہوں، نو بجے ڈرائیور پک کرتا ہے پھر میں گھر کے لئے گروسری صبح ہی کرتی ہوں، جونہی گھر میں داخل ہوتی ہوں فوراً پائپ اٹھا کر پودوں کو پانی دیتی ہوں ورنہ رہ جاتا ہے یہ کام مجھے خود کرنا اچھا لگتا ہے۔ اس کے بعد میرے لئے ناشتا آجاتا ہے۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں تھوڑا ریسٹ کرتی ہوں پھر بتاؤں کیا ہوتا ہے۔ پھر سلسلہ کام کا نکل پڑتا ہے۔ کہیں پینٹنگ کہیں فون کہیں کوئی ایجنٹ آن لائن آجاتا ہے، جان کھانے کے لئے۔ اور زیادہ تر وقت ہماری لکھاری بہنیں لیتی ہیں ہمارا افسانہ کب آئے گا کب دیں گی، پلیز جلدی دے دیں نا، اور یہ شعبہ زیادہ تر نورین نمٹاتی رہتی ہیں۔ لیکن میری انوالمنٹ ہر وقت رہتی ہے اور وقت کا پتہ بھی نہیں چلتا اور اسی دوران ہمارا لنچ ٹائم ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

صالحہ محمود

اسلام، ایمان اور احسان

امام مسلمؒ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ ہم ایک دن آنحضرتﷺ کی خدمتِ مبارکہ میں حاضر تھے کہ یکایک ایک اجنبی شخص سفید لباس میں ملبوس، سیاہ بالوں والا جس پر سفر کی تھکان کا کوئی اثر نہ تھا اور جسے ہم میں سے کوئی نہ جانتا تھا حاضرِ خدمت اقدس ہوا اور آنحضرتؐ سے اس قدر قریب ہو کر بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور آپ کی ران پر ہاتھ رکھ کر سوال کیا:

اے محمدؐ! مجھے بتایئے اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ ایک ہے حضرت محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ پھر نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھو بصورت استطاعت حج ادا کرو۔

سائل نے کہا۔ آپؐ نے سچ فرمایا۔ ہمیں تعجب ہو رہا تھا کہ سائل آپ سے سوال کرتا جاتا تھا اور ہر امر کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔

پھر اس نے سوال کیا۔ بتایئے ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں اس کی نازل کردہ کتابوں اس کے پیغمبروں، قیامت کے دن اور خدا کی تقدیر پر ایمان لاؤ اور ان پر یقین کامل رکھو۔

پھر اس نے سوال کیا۔ بتایئے احسان کسے کہتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تمہیں خدا کی عبادت میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ مقام میسر نہ ہو تم کو یقین کی یہ کیفیت حاصل ہو جائے کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر سائل نے سوال کیا: بتایئے قیامت کب برپا ہوگی؟

آپؐ نے فرمایا: اس مسئلے میں مسئول کو سائل سے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔

پھر اس نے سوال کیا قیامت کی علامات و آثار کیا ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: اول یہ کہ اس وقت حالات ہوں گے کہ ایک لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی۔ دوئم یہ کہ تم ایسے چرواہوں کو دیکھو گے جو سروپا برہنہ اور جھونپڑی نشین ہوں گے لیکن وہ اس فقر کے باوجود اپنے گھروں میں جمع ہو کر باہم تفاخر کریں گے اور بڑائیاں ماریں گے۔ اس سوال و جواب کے بعد وہ شخص واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپؐ نے فرمایا۔ اے عمرؓ! کچھ معلوم ہے یہ کون شخص تھا؟ میں نے عرض کیا خدا اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو اس مکالمہ کے ذریعے تمہیں دینی تعلیم دینے آئے تھے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے اس کی تصدیق کرنا اللہ ایک ہے، حضرت محمدؐ اس کے سچے رسول اور اس کے بندے ہیں، نماز کی پابندی کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، فریضۂ حج ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نعمان بن نوفلؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ کہ اگر میں فرض نمازیں پابندی سے ادا کرتا ہوں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا رہوں تو کیا اس عمل سے جنت میں داخل ہو سکوں گا؟ فرمایا بے شک۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے میرا اسلام پیغام جس کسی نے سنا خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی اور وہ اس پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ یقیناً دوزخ میں داخل ہوگا۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے خدا کو اپنا پروردگار، اپنا مذہب اسلام اور حضرت محمدؐ کو پیغمبر مان لیا اسے ایمان کی صحیح لذت حاصل ہو گئی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایمان کے ساٹھ ستر اجزاء ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ کلمۂ لاالٰہ الا اللہ ہے اور سب سے ادنیٰ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک جزو ہے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ کہتے ہیں میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اسلام کی وہ بات بتا دیں جس کے بعد مجھے اس بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔

آپؐ نے فرمایا دل سے اس کا پختہ اقرار کرو کہ میں اللہ پر ایمان لے آیا، پھر اس پر مضبوطی سے جمے رہو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جو بھی کسی برے عمل کو ہوتا ہوا دیکھے اسے چاہیے کہ ہو سکے تو اسے قوت سے روک دے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو زبان سے منع کر دے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل سے ہی اسے برا سمجھے اور یہ آخری اور کمزور ایمان کا درجہ ہے۔ حضرت تمیم داریؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: دین تمام تر اخلاص اور دعوتِ خیر و صلاح کا نام ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کس کے لیے فرمایا: اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، امت اور امت المسلمین کے لیے۔

مومن، کافر اور منافق کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا چار باتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں گی وہ پکا منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات پائی جائے گی اس میں نفاق کی صرف ایک ہی شق ہوگی تا آنکہ وہ اسے ترک کر دے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، کسی سے کوئی معاہدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ جب وہ کسی سے کوئی وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے جب اس کا کسی سے جھگڑا ہو جائے تو وہ گالی گلوچ پر اتر آئے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے انصارؓ سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔

......☆......



ملاقات

مایا علی

علشبہ نور

جس طرح ایک پینٹنگ کو مصور رنگوں سے خوبصورت بناتا ہے یا کوئی گلوکار کسی دھن کو اپنی آواز سے یادگار بناتا ہے بالکل اسی طرح کسی ڈرامے میں اپنی بہترین پرفارمنس دے کر کوئی اداکار اس کردار کو یادگار بنا دیتا ہے' آج ہم آپ کو ایسی ہی باصلاحیت اداکارہ سے ملاقات کروا رہے ہیں جنہوں نے بہت مختصر عرصے میں اپنی منفرد پہچان بنالی ہے' پھر بات ہو ''عون زارا'' کی یا ''دیار دل'' کی یا پھر ''من مائل'' کی اپنی خوبصورت اداکاری سے ہر کردار میں اتنے حقیقی رنگ بھرے کہ وہ کردار ان کی شناخت بنتا چلا گیا' ردا کی قارئین کی نظر ان سے ملاقات کا دلچسپ احوال۔

☆ جی تو مایا! کیسی ہیں آپ؟

الحمدللہ ٹھیک ٹھاک۔

☆ آپ کا ریئل نام بھی مایا ہے یا؟

نہیں' جی میرا ریئل نیم مریم تنویر ہے' مگر جب میں نے شوبز کو جوائن کیا تو اپنا نام چینج کرلیا مگر گھر میں مجھے اب بھی مریم ہی کہتے ہیں۔

☆ تاریخ پیدائش؟

27 جولائی 1989 لاہور میں۔

☆ آپ کی تعلیم؟

میں نے ماسٹرز کیا ہے۔

☆ شوبز کا آغاز؟

میں نے اپنے کیریئر کا آغاز ہوسٹنگ سے کیا پھر ماڈلنگ اور اداکاری کی طرف آئی مگر میرا شوق اور جنون اداکاری ہی تھا اور مجھے اپنا کام بہت پسند ہے۔

☆ آپ کی فیملی کا کیا ری ایکشن کہا تھا؟

جب میں نے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تو مما نے تو مجھے فل سپورٹ کیا مگر بابا تھوڑے ناراض تھے مگر پھر جب ہر طرف سے انہوں نے میری تعریف سنی تو اب وہ بھی میرے کام کو پسند کرتے اور سراہتے ہیں۔

☆ پہلا سیریل؟

درشہوار میرا پہلا سیریل تھا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔

☆ ایکٹنگ کا شوق کیسے ہوا؟

بچپن سے ایکٹنگ کا بہت شوق تھا اور میں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر پریکٹس کرتی تھی۔

☆ کھانے پینے کا شوق؟

میں زیادہ بہت زیادہ شوقین ہوں مگر اب ڈائٹ کی وجہ سے بہت احتیاط سے کھاتی ہوں۔

☆ کھیلوں سے دلچسپی؟

بہت زیادہ مجھے بیڈمنٹن' والی بال' کرکٹ وغیرہ بہت پسند ہے اور میں نے بیڈمنٹن کھیلا بھی بہت ہے کالج اور یونیورسٹی لائف میں' مجھے بہت ایوارڈز بھی ملے۔

☆ آپ کے مشہور ڈرامے؟

ویسے تو ماشاء اللہ میرے کام کو ہمیشہ پسند کیا گیا مگر چند مشہور سیریلز میں دیار دل' درشہوار' ایک تھی سنڈریلا' عون زارا اور آج کل من مائل تو آپ سب دیکھ ہی رہے ہیں اور اس میں میرے کردار کو بہت پسند کیا جارہا ہے۔

☆ کھانے کے لئے پسندیدہ جگہ؟

جی میں پکی لاہوری ہوں اور کھانے کی شوقین کہیں بھی بٹھا دیں بس کھانا مزے دار اور میری پسند کا ہونا چاہئے۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے)

☆ غصہ جلدی آتا ہے یا دھیمے مزاج کی ہیں؟

مجھے پہلے بہت غصہ آتا تھا اور کنٹرول کرنا مشکل ہوتا تھا مگر اب آہستہ آہستہ میں نے اپنی اس عادت پر کافی کنٹرول کرلیا ہے اور کافی ضبط سے کام لیتی ہوں۔

☆ شادی کا کب تک ارادہ ہے؟

فی الحال تو ابھی کام کر رہی ہوں اور شادی بھی ہوجائے گی۔

☆ سنجیدہ مزاج ہیں یا؟

میں بہت شرارتی ہوں مجھے ہنسنا مسکرانا اور شرارت کرنا اچھا لگتا ہے۔

☆ اس فیلڈ میں آکر پچھتاوا ہوا یا خوشی؟

مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے کہ میں اس فیلڈ میں ہوں اور لوگ میرے کام کو پسند کرتے ہیں تو پچھتاوا کیسا۔

☆ آئینہ دیکھتی ہیں تو کیا خیال آتا ہے؟

خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے ایک مکمل شخصیت سے نوازا' اس کا یہ خاص کرم ہے۔

☆ اپنی ہی کوئی بات جو آپ کو پسند ہو؟

مجھ میں نخرہ نہیں ہے میں سب سے خوش اخلاقی اور خوش دلی سے ملتی ہوں۔

☆ فیس بک سے لگاؤ؟

جی بہت زیادہ اور اب یہ ضروری بھی ہوگیا ہے میں تو اپنے سیریلز سے متعلق تمام معلومات اپ ڈیٹ کرتی رہتی ہوں اپنے فینز کو۔

☆ کون سے سین کرنے مشکل لگتے ہیں؟

مجھے رونے والے سین کرنے مشکل لگتے ہیں کیونکہ ریئل لائف میں میں کافی ہنس مکھ اور شرارتی سی ہوں تو رونے کا سین کرتے ہوئے مجھے اکثر ہنسی آجاتی ہے۔

☆ بہترین کواسٹار؟

میں نے تقریباً تمام لوگوں کے ساتھ کام کیا ہے مگر لوگ حمزہ عباسی اور عثمان بٹ کے ساتھ میری کیمسٹری کو پسند کرتے ہیں۔

☆ پسندیدہ ملک؟

☆ کیا اچھا پکا لیتی ہیں؟
◈ مجھے سیاحت کا بہت شوق ہے اور اپنے مختلف ڈرامہ سیریلز کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں کافی ممالک اب تک گھوم بھی چکی ہوں مگر رہنے کے لئے صرف اپنا ملک پاکستان پسند ہے کہ اسی سے میری شناخت ہے۔
☆ فیشن سے کتنا لگاؤ ہے؟
◈ دیکھیں جی جس فیلڈ سے میرا تعلق ہے تو ہمیں فیشن سے اپ ڈیٹ رہنا پڑتا ہے تو مجھے بھی لگاؤ ہے۔ مگر گھر پر میں سادہ لباس زیب تن کرتی ہوں۔
☆ تہوار کیسے مناتی ہیں؟
◈ میں بہت زندہ دل لڑکی ہوں اور عید تہوار بھرپور طریقے سے مناتی ہوں' ابھی گزری عید پر بھی لاہور اپنی فیملی اور فرینڈز کے ساتھ وقت بہت اچھا گزرا۔
☆ چاند کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟
◈ ہائے کتنا خوبصورت اور روشن ہے۔ (ہنستے ہوئے)
☆ تقدیر پر یقین رکھتی ہیں یا تدبیر پر؟
◈ بے شک تقدیر پر یقین رکھتی ہوں کہ انسان کو ملتا وہی ہے جو اس کے نصیب کا حصہ ہوتا ہے۔
☆ مہمانوں کی اچانک آمد کیسی لگتی ہے؟
◈ مجھے تو ہمیشہ اچھی لگتی ہے اور میں بہت اچھی میزبان بھی ہوں' بھرپور کمپنی دینے کی کوشش کرتی ہوں۔
☆ اچانک لائٹ چلی جائے تو آپ کا ردعمل؟
◈ وہی جو ہر پاکستانی کا ہوتا ہے۔ (شرارت سے ہنستے ہوئے)
☆ پسندیدہ سیاسی شخصیت؟
◈ عمران خان۔
☆ سیلفی کا شوق؟
◈ مجھے بہت شوق ہے سیلفی کا' میں تیار ہو کر بار بار سیلفی لیتی ہوں۔
☆ کیا اچھا پکا لیتی ہیں؟
◈ مجھے کوکنگ کا ٹائم نہیں ملتا مگر چکن کڑاہی اچھی بنا لیتی ہوں۔
☆ پسندیدہ دن؟
◈ اتوار یعنی چھٹی کا دن جب میں دیر تک سوتی ہوں۔ (ہنستے ہوئے)
☆ زندگی کب بری لگتی ہے؟
◈ ماشاء اللہ سے میں نے اب تک ایک بھرپور زندگی گزاری ہے تو مجھے تو کبھی بری نہیں لگتی۔
☆ فیصلے دل سے کرتی ہیں یا دماغ سے؟
◈ پہلے دل سے کرتی تھی مگر اب دماغ کی بھی سنتی ہوں۔
☆ اپنی پریشانیاں کس سے شیئر کرتی ہیں؟
◈ اپنی مما سے۔
☆ محبت' دولت اور شہرت میں میرا انتخاب؟
◈ محبت اور پھر باقی دونوں۔ محبت زندگی کا حسن ہے۔
☆ پیسہ خرچ کرتے وقت سوچتی ہیں؟
◈ ہاں کیوں کہ مجھے پتہ ہے کہ اسے کمانے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔
☆ تنقید کرنا کیسا لگتا ہے؟
◈ میں اپنی پوری کوشش کرتی ہوں بہتر سے بہتر پرفارم کرنے کی تنقید کریں مگر مثبت تنقید ہونی چاہئے۔
☆ ردا کے قارئین کے نام پیغام؟
◈ اپنی سوچ مثبت رکھیں اور محنت کرتے جائیں رب تعالیٰ ضرور آپ کو نوازے گا۔
اس کے ساتھ ہی یہ خوبصورت ملاقات اپنے اختتام کو پہنچی۔

☆☆☆☆

آسیہ مظہر چوہدری

افسانہ

یہ دھرتی ہمارا مان ہے

''پتا نہیں' اس سڑے' غریب ملک میں کیا رکھا ہے جو آپ برسوں سے چپکے بیٹھے ہیں دنیا کہاں کی کہاں پہنچ گئی مگر ہم وہی کنوئیں کے مینڈک کی مثال''۔ عیرہ آج صبح سے ہی بھری بیٹھی تھی' پورا دن گزرنے کے بعد بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔
''مجھے سمجھ نہیں آتی تم جب بھی صبیحہ بھابی کے



ہاں جاتی ہو ایسے ہی بھری آتی ہو آخر تمہیں مسئلہ کیا ہے"۔ نعیم بھی خلاف معمول بھڑک اٹھا تھا۔

"مسئلہ مجھے نہیں آپ کے اس پیارے پاکستان کو ہے جس کے باسی سسک سسک کر رو دھو کر اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں"۔ وہ طیش کے مارے اور زور سے چلانے لگی۔

"اچھا تم نے کب سسک کر رو دھو کر زندگی گزاری"۔ نعیم طنزیہ بولا تھا۔

"کیا ہے اس پاکستان میں غربت دہشت گردی بے روزگاری غریبوں کا سر عام قتل امیروں کی غنڈہ گردیاں ایسا کیا ہے جس کی بنیاد پر اس پاکستان کی تعریف کی جائے"۔ وہ بھی سخت لہجے میں بولی تھی۔

"ایک منٹ عبیرہ بیگم! تم ایک بات بھول رہی ہو"۔ نعیم نے اسے یک دم ٹوکا تھا۔

"جتنی خوبیاں تم نے گنوائی ہیں ناں پاکستان کی وجہ سے پیدا کردہ نہیں ہیں یہ اس کے رہنے والے لوگوں کی پیدا کردہ ہیں ہم اس سلسلے میں پاکستان کو قصوروار نہیں کہہ سکتے قائداعظم اور اس قوم نے یہ ملک اسلام کی خاطر حاصل کیا تھا اخوت مساوات محبت کے لئے ہمارے لئے حاصل کیا تھا دہشت گردی اور چور بازاری کے لئے نہیں یہ بات تو تم بھی جانتی ہو"۔ نعیم کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

"میں اس پاکستان کو تو برا بھلا نہیں کہہ رہی میں تو یہاں کے سسٹم کے خلاف ہو اس لئے چاہتی ہوں کہ ہم ابروڈ شفٹ ہو جائیں"۔ عبیرہ نے آخر کار وہ بات کہہ ڈالی جس کی وجہ سے یہ ساری بحث زیر عمل آئی تھی۔

"اوہ...... اچھا تو صبیحہ بھابی نے اب تمہیں یہ پٹی پڑھا کر بھیجا ہے"۔

"انہوں نے کچھ نہیں کہا میرا کافی عرصے سے ارادہ بن رہا تھا باہر شفٹ ہونے کا آپ کے دونوں بھائی بھی تو باہر سیٹل ہیں تو پھر ہم کیوں نہیں جا سکتے"۔ اس نے صبیحہ بھابی کا دفاع کیا۔

"عبیرہ بیگم! میں تو اپنے ملک کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانے والا تم نے جانا ہے تو جاؤ"۔ نعیم نے صاف انکار کر دیا تھا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا عبیرہ اس کے انکار پر دانت کچکچا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆

ہمارے لوگوں میں ایک بلیت انتہائی بری ہے یا خودغرض احسان فراموش سے تشبیح دیں لیں کہ یہ کماتے تو پاکستان کا ہیں اور گیت باہر کے ملکوں کے گاتے ہیں یہ تو وہ والی مثال ہوگئی جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا مگر کیا کیجئے ہمارے ملک کے لوگ ہزاروں کروڑوں بار اپنی تھالی میں چھید کرتے ہیں اور پھر خوش ہوتے ہیں جیسے انہوں نے بہت بڑا عظیم کام کیا ہو باہر کے ملک کا ویزہ حاصل کرنے کے لئے اگر انہیں گوروں کے پاؤں بھی پکڑنے پڑیں تو دریغ نہ کریں اور اگر انہی لوگوں کو پاکستان کی بقاء کے لئے کوئی کام کرنے کو کہو تو ایسے بھاگتے ہیں جیسے کسی نے دفعہ 302 کے کیس میں انہیں پھانسی کا آرڈر دیا ہو کام ہونے کے بعد ہم کیسے پاکستان کے سر اپنا الزام دھر سکتے ہیں ہم دوغلے ہیں ہم احسان فراموش ہیں جو پاکستان کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں اپنے لوگوں کی دی ہوئی قربانیوں کو بھول چکے ہیں پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں کیا کیا کچھ نہیں دیکھنا پڑا لاکھوں جانیں گئیں بچے یتیم ہوئے عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں لوگ بے گھر ہوئے اور آج جب اپنا ایک الگ ملک حاصل ہو گیا تو شکر ادا کرنے کے بجائے اس ملک میں سو سو کیڑے نکالتے ہیں اور تعریفیں بھی کن ملکوں کی کرتے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں جو ہمارے ملک کو تباہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں مگر ہم بھاگ بھاگ کر ان کی طرف جاتے ہیں اور جب وہاں جاتے ہیں تو گورے ہمیں اپنی اوقات یاد دلاتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے ملک کی قدر آتی ہے یہ سب خسارے کے سودے ہیں جن کا خسارہ پاکستان کے حصے میں تو نہیں ہمارے حصے میں ضرور آتا ہے۔

☆☆☆☆

"جی بھابی! میں تو اپنا مدعا بیان کر چکی ہوں مگر وہ تو ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے"۔ فون کی دوسری جانب صبیحہ بھابی تھیں۔

"حیرت ہے مجھے نعیم پر جو آسائشوں کی زندگی کو ٹھکرا رہا ہے لوگ تو باہر کے ملکوں میں جانے کے لئے دھکے کھاتے پھرتے ہیں"۔ صبیحہ بھابی افسوس بھری آہ بھر کر بولی تھیں۔

"کیا کروں بھابی! میں تو سمجھا سمجھا کر تھک چکی ہوں مگر وہ تو لگتا ہے محب وطن پاکستانی ہیں جن کی گھٹی میں ہی شاید کسی نے پاکستان کی محبت ڈال دی تھی"۔ یہ کہتے ہوئے عبیرہ بھول چکی تھی کہ وہ بھی ایک پاکستانی عورت تھی اور پیدا ہوتے ہی اس کی گھٹی میں بھی اس مٹی کی محبت ڈال دی گئی تھی مگر وہ شاید خود غرض ہو چکی تھی جو اپنا اصل بھلا چکی تھی۔

☆☆☆☆

نعیم کے دو ٹوک انکار کے بعد عبیرہ اور نعیم کے درمیان ایک ان دیکھی دیوار حائل ہو گئی تھی عبیرہ نے بھی خاموشی سادھ لی تھی اس بات کو گزرے ڈیڑھ ہفتہ ہو چکا تھا جب ایک دن (امینہ بھابی نعیم کے چھوٹے بھائی کی بیوی) کی امریکا سے کال آ گئی۔

"ہیلو عبیرہ کچھ سنا تم نے......؟" سلام کے بعد فوراً امینہ نے پوچھا۔

"کیا سنا بھابی......؟" وہ بولی تھی۔

"ارحم بھائی (بڑے بھائی) کو یہاں کے مقامی باشندے نے چاقو مار دیا ہے"۔ عبیرہ یہ سب سن کر ساکت رہ گئی۔

"کب بھابی......؟"

"دو دن ہو گئے بھائی اسپتال میں ہیں"۔ یہ سنتے ہی عبیرہ نے یکدم فون کریڈل پر رکھ دیا تھا اور یہی وہ لمحہ تھا کہ اس پر آگہی کے کئی در وا ہو گئے تھے وہ جو اپنے ملک کے سسٹم کے خلاف تھی یہاں کے سسٹم کو ان سیکیور سمجھتی تھی باہر کے ملکوں کے سسٹم کی تعریفوں کے پل باندھ دیتی تھی آج وہی تعریفیں اس پر قہقہہ لگا کر ہنس رہی تھیں۔

☆☆☆☆

مٹی کی گواہی خوں سے بڑھ کر
آئی ہے عجب گھڑی وفا پر
کسی خاک کی خو سے برسے
آئیں ہیں جو اپنے کھو کر
اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر
ہر عشق گواہ ڈھونڈتا ہے
جیسے کہ نہیں یقین خود پر
بس ان کے لئے نہیں جزیرہ
پیر آئے جو کھولتے سمندر

ہم جو اپنے ملک کے نظام سے بھاگ کر دوسرے ملکوں میں یہ سوچ کر جاتے ہیں کہ وہاں ہمیں سیکیورٹی ملے گی تحفظ ملے گا یہ دراصل ہماری خام خیالی ہے کوئی بھی ملک ایسی نقصان دہ بیماریوں سے پاک نہیں ہوتا مگر ہمارے پاکستان کو زیادہ ہائی لائٹ اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہاں کے لوگ خود پاکستان کی برائیوں میں پیش پیش ہوتے ہیں اور جب اپنے ہی اپنوں پر انگلی اٹھائیں گے تو باہر والوں کو تو بدنام کرنے کا موقع ملے گا ہی۔ بس اک ذرا سی سوچ کی ضرورت ہے اتحاد کی ضرورت ہے اگر امت مسلمہ اکٹھے ہو جائیں تو کوئی بری نظر سے پاکستان کو دیکھ ہی نہ سکے اپنا ملک جیسا بھی ہو اپنا ہوتا ہے اور یہ تو پھر ہمارا پیارا پاکستان ہے جو ہمیں بابائے قوم نے تحفہ میں دیا اور اس تحفے کی حفاظت ہم نے مرتے دم تک کرنی ہے یہ پاک دھرتی ہمارا مان ہے اور مان توڑا نہیں جاتا اسے ہمیشہ قائم رکھا جاتا ہے بس صرف ہمیں تھوڑی سی سوچ کی ضرورت ہے عقل کی ضرورت ہے جس دن یہ دونوں چیزیں ہم میں آ گئیں خوشحالی ہمارے قدم چومے گی۔

☆☆......☆☆......☆☆

فریدہ فرید

سلسلے وار ناول

میں ہار گئی تیری چاہ پیا

زین العابدین کا کمرے میں پاؤں رکھنا تھا کہ قہقہے اور بلند آوازیں سرگوشی میں ڈھل گئیں' آج ''النور حویلی'' کی تاریخ ایک نیا باب درج کرنے جارہی تھی جہاں امید کے دیئے روشن تھے وہیں خوف کی اک ہلکی سی جھلک



بھی تھی پورے ہال میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس معاملے میں شامل دلچسپی نہ ہو۔

حویلی کے بزرگ شا ہجہانی سے لے کر سب سے چھوٹے اویس بابا تک سب کی موجودگی نظر انداز کرنے لائق نہ تھی ان سب کی موجودگی کے باوجود حتمی فیصلے کا انحصار اس ذات پر تھا جو النور حویلی کا ہر دلعزیز ''لالہ'' تھا۔

''آؤ زیدین! بہت انتظار کرایا تم نے''۔ طویل خاموشی کے بعد شاہجہانی کی نرم آواز نے سکوت کا پردہ چاک کیا زیدین نے جو خاموشی سے صوفے پر براجمان تھا بھنوئیں ذرا کی ذرا اٹھائے توجہ کا عندیہ دیا۔

''زیدین! آج النور حویلی ایک بار پھر تمہارے ہاتھ میں ہے آج پھر ہم صرف تمہارے ہی آسرے پر ہیں حویلی کی بنیادوں کو بکھرنے سے بچالو''۔ تائی ماں کی شفقت سے پر آواز نے گفتگو کو چند قدم اور دیئے یہ وہ واحد ہستی تھیں جو زیدین سے کچھ بھی منوا سکتی تھیں' شاید اسی لئے شاہجہانی نے انہیں بولنے کا اشارہ کیا تھا' اب کی بار



زیدین کے کچھ کہنے کی خواہش رکھنے کے باوجود بند ہوتے لبوں نے تائی ماں کے نرم دل کو تڑپا دیا تھا' وہ ہی نہیں یہاں موجود ہر فرد زین کے کرب سے آشنا تھا' مگر قسمت کہ سب نا چاہتے ہوئے بھی اسے اذیت دینے پر مجبور تھے۔

''لالہ! میں نے ہوش سنبھالتے ہی تجھے اس گھر کا نگران دیکھا ہے آج یہ حویلی جو قائم ہے تو صرف تیرے دم سے' ورنہ اس حویلی نے کیا کیا طوفان نہیں دیکھے' اگر تیرا وجود نہ ہوتا تو یہ حویلی کب کی نابود ہو چکی ہوتی' لالہ آج پھر یہ حویلی تجھ سے قربانی مانگتی ہے اور مجھے یقین ہے تم اب کی بار بھی ہمیں مایوس نہیں کرو گے''۔ صہیب جاہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر زیدین کے برابر بیٹھتے ہوئے اس کے کندھے تھپتھپائے وہ زیدین سے عمر میں چھوٹا اور رتبہ میں بڑا تھا' اس لئے نوجوان نسل کی طرح اسے لالہ تو کہتا مگر انداز میں بے تکلفی ہوتی۔ زیدین نے اب کی بار بھی خاموش لبی کے ساتھ محض گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا اور پھر باقی تمام حضرات کو بھی جہاں ہر ایک کے چہرے پر سوال کے اندر آس کے باوجود حسب منشا اثباتی جواب کی امید قوی نظر آتی تھی۔

''تمہیں ہمارے فیصلے کا علم تو ہو ہی چکا ہے' اب ہم تمہارا عندیہ لینے کے منتظر ہیں''۔ شاہجہانی نے بات کو سمیٹتے ہوئے دو لفظوں میں کہا۔

''شاہجہانی! کیا میرا فیصلہ آپ سب کو منظور ہوگا؟'' زیدین کی بھاری مردانہ حزن و یاس سے بھرپور آواز اس کے لبوں پر قفل سکوت توڑتی ہر ایک کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ہاں کیوں نہیں زیدین! آج تک کیا ہم نے تیرے فیصلے کو رد کیا ہے' اس حویلی کے ہر فیصلے میں تمہارا خیال سرفہرست رہا ہے''۔

''تو شاہجہانی! آج مجھ سے پوچھے بناء فیصلہ کیوں کیا گیا کیا آپ کو نہیں لگتا کہ تمام تر معاملات طے کر کے مجھے اطلاعاً طلب کیا گیا ہے جبکہ آپ جانتے ہیں کہ میرے اصطبل کے گھوڑوں تک کے معاملات میری مرضی کے محتاج ہیں تو پھر میری زندگی کے اہم فیصلے کا اختیار کسی اور کو کیسے ہو سکتا ہے؟'' زیدین نے شاہجہانی کی بات جس تند زبانی سے کاٹی تھی وہ حاضرین محفل کو سانپ سنگھانے کے مترادف تھا' نرم دل اور فرمانبردار شخصیت کے پروردہ زیدین سے ایسے ردعمل کی توقع خلاف معمول تھی۔ اور پھر جہاں معاملہ حویلی کی عزت و ساکھ اور بنیادوں کی سلامتی کا ہو' وہاں زیدین جیسا شخص جس نے حویلی کی ذرے سے لے کر پہاڑ تک کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہو' کیسے اکھڑپن کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

''زیدین! ہم نے محض اپنی رائے کا اظہار کیا ہے' حتمی فیصلہ تو تم ہی نے کرنا ہے' اور یہ کام اب ہو جانا چاہئے معاملہ کی طوالت تکلیف دہ ہے''۔ تائی ماں نے اپنی محبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کلام کیا۔

''تو ٹھیک ہے تائی ماں! میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں حنا سے شادی نہیں کروں گا''۔ زیدین کا فیصلہ وہ غیر متوقع عمل تھا جس کے ردعمل میں ہر حاضر محفل کی سماعت و بصیرت بے حس و بے بس دکھائی دی' زیدین کے فیصلے کے سابق محرکات کو جاننے کے باوجود اس کے انکار کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی' کیونکہ ایک طرف تو یہ حویلی کی عزت کا معاملہ تھا جسے زیدین کسی صورت میں مٹی میں ملنے نہ دیتا اور دوسری طرف یہ اس کے مرحوم بھائی کی آخری خواہش بھی تھی جسے زیدین نے ماں باپ دونوں کا پیار دیا تھا' اس کی آخری خواہش وہ کیسے ٹال سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ زیدین کی معصوم بھتیجی دعا کا بھی معاملہ تھا جسے زیدین اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتا تھا سب ہی کا خیال تھا کہ وہ حنا سے شادی کرنے کو تیار ہو جائے گا' مگر اس کے فیصلے نے سب کو حیران کر دیا۔

''لیکن زیدین! حنا سے شادی کرنے میں حرج کیا ہے برائی کیا ہے اس میں؟'' چچی ماں نے تند لہجے

میں سوال داغا وہ سب سے زیادہ اس رشتے کی حامی تھیں۔

''میں یہاں برائیاں گنوانے نہیں آیا' فیصلہ سنانے آیا ہوں اور میرا فیصلہ یہی ہے''۔

''بیٹا! تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی تو کر سکتے ہو''۔ زیدین کے اٹل و اڑیل انداز کے باوجود سب اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے تھے۔

''شاہجہانی! میں اپنے فیصلے پر غور نہ آج کروں گا نہ کل' آپ جانتے ہیں مجھے بوسیدہ کھنڈرات کی از سر نو تعمیر سے کوئی لگاؤ نہیں اور عیبی گھوڑے تک کو میں اپنے اصطبل میں جگہ نہیں دیتا اجازت مرحمت فرمائیں''۔ زیدین تیز زنی کرتا ہوا جا چکا تھا' سب کے لب خاموش زدہ تھے لیکن ساتھ کے کمرے میں کھڑکی سے لگی سب باتوں کو سننے والی حنا کو تو کسی نے جلتے انگاروں پر دھکیل دیا تھا' اس کے چہار طرف بوسیدہ عمارت اور عیبی گھوڑے کی بازگشت ہونے لگی دوسرے لمحے وہ ہوش و حواس سے بیگانہ تھی۔

☆☆☆☆

''ماما! اب کی بار حویلی جائیں تو میرے لئے کڑھائی والا سوٹ ضرور لائیے گا' لاسٹ ٹائم بھی آپ بھول گئی تھیں''۔ عناس کھیرا کھاتے ہوئے ماں کے کندھے پر تقریباً لیٹ کر گویا ہوئی کھیرے کھانے کی پچڑ پچڑ آواز رانیہ کو ناگوار گزری' چھری کا پچھلا حصہ اس کے نازک ہاتھ پر مار کر تنبیہ کی۔

''میں کہاں بھولی تھی بس تمہاری خالہ زاد بہنوں نے لانے نہیں دیا' سب کا اصرار تھا کہ خود حویلی آؤ گی تو وہ بنا کر دیں گی''۔ رانیہ بیگم نے سبزی کاٹنے کا شغل جاری رکھا' یہ دیکھے بناء کہ شوخ سی عناس قدرے گھبرائی سی کیوں دکھائی دی۔ حویلی جانے کا ذکر اسے ہمیشہ یونہی بے چین کر دیتا تھا' وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر جانے سے انکار کر دیتی' حتیٰ کہ پچھلے سال عید پر تائی اماں خود اسے لینے آئی تھیں مگر وہ اصلی بخار کی آڑ لے کر نقلی بہانہ بنا کر رک گئی تھی' اس کے سب کزنز اس کے گریز سے حیرت زدہ تھے کیونکہ ''النور حویلی'' کی رونقیں اور سرمستیاں تو ان کے احباب کا آئیڈیل تھیں ان کے دوستوں اور متعلقین کا زیادہ وقت وسیع پیمانے پر سمائی حویلی میں گزرتا تھا' یہاں کی غم و خوشی کے اجتماعات سب کی توجہ کا مرکز رہتے' واحد عناس بی بی تھیں جو حویلی سے کنی کترا جاتی تھیں وجہ سے واقف کوئی نہ تھا وہ کوئی ٹھوس وجہ رکھتی بھی نہیں تھی کہ جس سے دوسروں کو مطمئن کر سکے' بس ایک خوف سا تھا جو اس کے کمسن ذہن میں بس گیا تھا۔

''زین العابدین کا خوف''۔

☆☆☆☆

حاجی شاہ میر جدی پشتی رئیس تھے' اگرچہ خود والدین کے واحد چشم و چراغ تھے مگر اللہ نے انہیں اولاد کے ضائم سے خوب نوازہ تھا چھ بیٹے اور تین بیٹیاں جن کی اولادیں حویلی کی زیب و زینت تھیں' سب سے بڑے سپوت شاہجہانی تھے جو شاہ جانی سے ملقب تھے ان کی بیگم نور بی بی مشفق ترین ہستی تھیں اگرچہ اپنے بطن سے کوئی اولاد نہ پیدا کر سکیں مگر اولاد پروری سے مالا مال تھیں زیدین نے بطور ممنونیت کے اپنی وراثتی حویلی کو ''النور حویلی'' کا نام دیا تھا۔ دوسرے سپوت ابوزر میر تھے جن کے تین صاحبزادے زین العابدین' ذوالنواس اور ذوالنون تھے۔ پھر عمر جاہ تھے جن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی تیمور' شہوار اور صفیرا۔ پھر تانیہ بیگم تھیں ان کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں' زوار' لیلیٰ' بیلا اور جھیر نا ان چاروں بہن بھائیوں کا زیادہ تر وقت حویلی میں ہی گزرتا پھر زوبیہ بیگم تھیں جن کی ایک ہی بیٹی حنا تھی زوبیہ کے شوہر شاہ میر کے مرحوم دوست کی نشانی تھے جنہیں شاہ میر نے

بیٹوں کی طرح محبت دی تھی اور حویلی میں رہائش کے ساتھ ساتھ وہ کاروباری اور زمینی معاملات میں بھی پیش پیش تھے زوبیہ عمر جاہ سے پہلے بیاہی گئی تھیں ان کی بیٹی حنا زیدین کی ہم عمر تھی' خضر جاہ چوتھے سپوت جن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے حمزہ اور حفصہ پھر اشعر جاہ تھے وہ پسند کی شادی کرنے کے باعث معتوب ٹھہرائے گئے تھے' ان کی بیٹی عدوبیہ کچھ تو باپ کی غلطی کی سزا اور کچھ پیدائش کے وقت اشعر جاہ کے ایک حادثے میں انتقال کے باعث حویلی کی ناپسندیدہ شخصیت بن گئی تھی حویلی کے ایک کونے میں مقید عدوبیہ کو حویلی میں زیادہ عمل دخل حاصل نہ تھا' اشعر جاہ کے بعد رانیہ بیگم تھیں جو جہانگیر بیگ سے شادی کے بعد دبئی میں مقیم تھیں ان کی اکلوتی صاحبزادی عناس تھی۔ سب سے چھوٹے سپوت صہیب جاہ تھے جو کہ زین العابدین سے بھی چند ماہ چھوٹے ہی تھے اور غیر شادی شدہ بھی تھے۔ النور حویلی کے ہر مکین متضاد کیفیات کا شکار تھے خوش ہوتے تو مسکراہٹ اور شوخی کا بہترین امتزاج تھے اداس ہوتے تو دیو داس کو پیچھے چھوڑ دیتے' حویلی طوفانات کا پیش خیمہ بھی تھی زیدین کی ذات تو ہر مصیبت کا گڑھ تھی عناس دبئی میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی تھی رنگ و روپ عربیوں کا سا پایا تھا پیرہن میں عرب لباس کی چھاپ اسے اور بھی دل آویز بنا دیتی عربی کوٹ اور اسکارف میں ایسا نادر نمونہ نظر آتی کہ بڑے چومتے نہ تھکتے اور چھوٹے دوست بنائے بغیر نہ ٹہلتے۔

☆☆☆☆

''النور حویلی'' میں عناس کا پہلا قدم جب پڑا تھا وہ سات سال کی تھی حویلی کے بلند و منقش در و دیوار کو حیرت سے تکتی وہ کبھی پینٹ شرٹ، نیکر، فراک اور شلوار قمیض میں ملبوس اپنے کزنز کو دیکھتی تو کبھی اپنے لانگ عبایا اسٹائل کوٹ اور سر پر لئے اسکارف کو دیکھتی وہ سب سے جلدی گھل مل گئی تھی بلکہ جب کوئی اسے ہاتھ ملاتا تو وہ اس کے ہاتھ پر بوسہ دیتی، عربیک اسٹائل میں، سب اس کی معصوم اداؤں پر فریفتہ تھے وہ سب کے ہاتھوں میں قیمتی تحفہ کی طرح منتقل ہو رہی تھی، ذوالنواس تو سرخ انار جیسے گالوں کے پیچھے پڑ گیا تھا جب وہ اسے چٹکی کاٹتا تو اس کے گال گھنٹوں لال رہتے بس وہ اسی منظر کو دیکھنے کے لئے آتے جاتے زور سے چٹکی کاٹ لیتا اور وہ معصوم خاموشی سے ایک آنسو گرا دیتی۔

عناس کی زیدین سے پہلی ملاقات بڑی دلچسپ تھی وہ سب بچوں کے ساتھ مل کر کرکٹ کھیل رہی تھی، حمزہ کے شاٹ لگانے پر بال چھت پر جا گری سب کو آئیں بائیں شائیں کرتے دیکھ کر وہ یہ فریضہ انجام دینے کے لئے آگے بڑھ گئی یہ سوچے بناء کہ دو دن ہوئے حویلی آئے وہ حویلی کے راستوں سے واقف کہاں تھی، بناء سمت کا تعین کئے سیڑھیوں پر سیڑھیاں چڑھے جا رہی تھی اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور اسکارف سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر اسکارف درست کرنے لگی جو مزید الجھتا ہی جا رہا تھا اب تو سانس لینا بھی دشوار محسوس ہونے لگا تھا، گھبرا کر وہ رونے لگ پڑی تھی اور ابو امی کو پکارنے کے ساتھ بری طرح اسکارف کو سر سے جدا کرنے کی تگ و دو میں تھی، اچانک دو مضبوط ہاتھوں نے اس کے نازک ہاتھ تھام لئے تھے، عناس نے گردن موڑ کر دیکھا اس کے برابر میں ہلکی بڑھی ہوئی شیو سے سجا چہرہ اور سبز بڑی آنکھیں لئے صورت براجمان تھی۔

''ایسے کھینچو گی تو اسکارف کے ساتھ روح بھی جسم سے الگ ہو جائے گی''۔ زیدین نے اس کے ہاتھ ہٹا کر اس کے اسکارف کی پن احتیاط سے کھولی اور اسکارف گردن سے جدا کر کے ہاتھ میں پکڑ لیا، عناس نے گہری سانس لی اور طمانیت سے آنکھیں موند لیں، زیدین اس معصوم بھیگے چہرے والی گڑیا کو دلچسپی سے تک رہا تھا، وہ حویلی کے ہنگامے سے الگ تھلگ فورتھ فلور پر اسٹڈی میں مصروف رہتا تھا، جہاں اس کے دونوں چھوٹے

بھائیوں کے سوا کوئی نہ آتا تھا، آج یہ پری راستہ بھول کے آ گئی تھی، زیدین نے اس کا اسکارف گود میں رکھ کر عناس کا چہرہ تھاما، آنسو پونچھے بکھرے بال سمیٹے پھر خود سے لگا کر ملائمت سے دریافت کیا۔

''یہ پری جمال کہاں سے تشریف لائی ہیں؟'' یہ شوخی جسے وہ کافی عرصے سے فراموش کر چکا تھا، خود بخود اس کے لہجے میں در آئی تھی، سات سالہ عناس نے بیس سالہ زیدین کے مزاج پر کافی اثر ڈالا تھا، وہ تو پری جمال کے تخاطب سے ہی حیران تھی اور پھر تعارف کرانے کے لئے کوئی اور بات نہ سوجھی تو شاہ میر جاہ سے اپنا تعلق فخریہ بیان کرنے لگی۔

''شاہ میر انکل ہیں ناں، وہ میرے نانا ہیں''۔ اس کے پہلے استفہامی جملہ پر زیدین نے شرارت سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے گویا تصدیق کی کہ شاہ میر انکل واقعی ہیں اور پھر اس کے تفاخر میرے نانا کہنے کے عمل نے تو زیدین کے لبوں پر رعوبیت کے تاثرات ثبت کر دیئے، گویا وہ نانا کی نواسی پہ کافی مرعوب و متاثر ہو۔

عناس اس کے پل پل تاثرات بدلتے فنکارانہ چہرے سے امپریس ہو گئی تھی اور پھر زیدین کا اسے ننھے بچے کی طرح ٹریٹ کرنا اور بار بار خود سے لگا لینا بھی اسے تسلی دینے کو کافی تھا۔

''اچھا تو نواسی صاحبہ یہ بتایئے کہ شاہ میر جان کے کتنے بچے ہیں؟'' یہ وہ سوال تھا جو وہ بچپن میں تمام چھوٹے بچوں سے دریافت کرتا اور گنتی نہ کر پانے پر سب کو من پسند سزائیں دیتا، دادی ماں اپنی حیات میں بار بار اپنی اولاد کے گنے جانے پر دہل کر ماشاء اللہ ماشاء اللہ کا ورد کرتی رہتی تھیں، انہیں اس بات کا قلق تھا کہ آخر وہ دنیا کی کوئی واحد عورت تو نہ تھیں جن کے بچے زیادہ تھے اور ان کی دانست میں تو نو بچے زیادہ تھے بھی نہیں۔ زیدین کے شرارتی سوال پر وہ سوچ میں پڑ گئی آخر گنتی بھی تو کرنا تھی مگر جواب حیرت انگیز وارد ہوا۔

''ایک......'' زیدین نے اس کے جواب پر جھٹکا کھایا۔

''اچھا کون ہے وہ ایک؟'' زیدین نے ایک پر خوب زور دیا۔

''لالہ''۔ اس کا جواب دینا تھا کہ زیدین کے لبوں سے ہنسی نے تمام بند توڑ دیئے وہ نہیں جانتا تھا کہ کتنے سالوں بعد وہ اتنا کھل کے تو دور کی بات ہنسا بھی تھا، لالہ حویلی میں خود زیدین کو ہی کہا جاتا تھا اور وہ جان سکتا تھا کہ ہر دم حویلی میں کسی نہ کسی حوالے سے اس کا ذکر ہونے کے سبب وہ لالہ ہی کو سب کچھ سمجھنے لگ گئی تھی اور مزے کی بات یہ بھی تھی کہ وہ اس بات سے بھی لاعلم تھی کہ اس کے سامنے موجود ہستی ہی لالہ ہے۔

''اچھا تو یہ بات ہے شاہ میر کے ایک ہی بیٹے ہیں تو آپ ان کی نواسی وہ کیسے؟'' وہ بات برائے بات کئے جا رہا تھا وہ خود نہیں جانتا تھا کہ وہ ان لایعنی باتوں میں اتنا انٹرسٹ کیوں لے رہا تھا اس کا دریافت کردہ سوال عناس کے ذہنی لیول سے اوپر تھا تبھی وہ کندھے اچکاتی ہونٹوں کو دائیں بائیں کی شیپ دیتی کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتی اور کہے بناء منہ بند کر دیتی، اسے اتنی کیوٹ لگی کہ بے اختیار اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا تھا۔

''انکل آپ کون ہیں؟'' عناس کا سوال کرنا تھا کہ زیدین ایک بار پھر لوٹ پوٹ ہو گیا، عناس نے اسے تعارف میں کچھ بتانے کے لائق نہیں چھوڑا تھا وہ جھٹ سے اس کے گال کو چوم گیا۔

''اوں ہوں......اسے بڑا تو ہونے دو یا انتظار کی طاقت نہیں ہے''۔ زعفران زار ماحول کو طنز و تمسخر میں ڈوبی آواز نے کڑوا کر دیا تھا، زیدین نے سر اٹھایا، تو حنا کو طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھڑا پایا۔

''مانا بہت خوبصورت ہے مگر ابھی تمہارے قابل نہیں ہے''۔

''شٹ اپ اپنی کچرا کنڈی زبان کو بند رکھو کچرا رانی''۔ زیدین نے اس کے تخلص سے اسے بلا کر اسے سرتا

پیر مزید سلگا دیا تھا۔

"اچھا اور جو تم ایک کمسن کلی کے ساتھ کر رہے ہو وہ گندگی نہیں ہے"۔ حنا کی زبان اس کی سوچ کی طرح غیر معیاری اور سستی تھی۔

"یہاں کھڑی ہو کر حسد کی آگ میں جل کر راکھ ہونے کے بجائے جاؤ اور چلو بھر پانی میں ہاتھ لو"۔ زیدین کے ہر لفظ میں اس کے لئے نفرت کی پھنکار تھی، عناس ان دونوں کے درمیان تلخ مکالمات کو حیرت سے تک رہی تھی، زیدین کے غصے سے سرخ چہرے سے خوفزدہ ہو کر وہ چند قدم دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں میں ہی ہاتھ لوں گی تمہیں تو کچھ فائدہ نہیں ہوا"۔

"آئی سے شٹ اپ"۔ زیدین غصے سے چلاتا ہوا حنا کی طرف بڑھا، حنا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی مگر عناس کا نازک دل سو کی اسپیڈ سے دھڑکنے لگا تھا، بے اختیار اس کے آنسو بہہ پڑے مگر جب زیدین نے حنا کی گردن ایک ہاتھ کی گرفت میں لی تو خوف و دہشت سے وہ وہیں گر پڑی تھی اس کے ذہن میں یہ بات سما گئی تھی کہ زیدین نے حنا کو گلا گھونٹ کے مار دیا تھا۔ بس تب ہی سے اس کے دل میں زیدین کا خوف بیٹھ گیا تھا وہ اس واقعے کے چند دن بعد دبئی لوٹ آئی تھی اور پھر دوبارہ کبھی نہیں گئی، یہاں تک کہ اس کا وہ اسکارف جو زیدین نے اتارا تھا وہ بھی آج تک اس کے پاس تھا، آج جبکہ وہ میٹرک میں آ گئی تھی اور معصوم کمسن عناس کے بجائے نازک بانکی سی لڑکی تھی مگر وہ اس خوف کو اپنے دل سے نہ نکال سکی تھی۔

☆☆☆☆

"عناس......" ماں کی آواز اسے ہوش میں لے آئی وہ تو ماضی کی بھول بھلیوں میں کھوسی گئی تھی۔

"ماما آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"یہی تو کہہ رہی تھی کہ اس بار تو ضرور میرے ساتھ حویلی چلنا سب تیرا پوچھتے رہتے ہیں، بلکہ شاہجہانی تو کہہ رہے تھے اسے زبردستی اٹھا کر لے آیا کرو کوئی وزنی ہے"۔ رانیہ بیگم اسے پچکارتے ہوئے کہنے لگیں۔

"ماما حویلی میں کون کون رہتا ہے؟" یقیناً وہ ان دو ہستیوں کے بارے میں جاننا چاہتی تھی جن کی جنگ عظیم وہ آج تک بھول نہ پائی تھی۔

"حویلی میں تیرے چھ ماموں، دو خالائیں"۔

"ماما وہ تو میں جانتی ہوں اور کون کون رہتا ہے؟" وہ رانیہ بیگم کی تفصیلی بیان کو بریک لگاتے ہوئے بولی وہ کچھ اور جاننا چاہتی تھی۔

"ارے وہی تو بتا رہی ہوں تیرے بڑے ماموں شاہجہانی......"

"ماما ان کے سوا بھی کوئی رہتا ہے یا نہیں"۔ وہ ایک بار پھر کوفت سے بات کاٹ گئی، اب کی بار رانیہ بیگم اس کے لایعنی سوالات پر گھورتی ہوئی آگے بڑھ گئیں، بھلا وہ جواب دیتی بھی کیا جبکہ وہ اس کے مدعا سے واقف نہ تھیں وہ ادھر تعارف پر منہ بسورتی رہ گئی۔

☆☆☆☆

"زیدین! تم نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی"۔ شاہجہانی نے آج پھر اسے گھیر لیا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اس کا فیصلہ اٹل تھا جس میں ترمیم کی گنجائش نہ تھی۔

"شاہجہانی! میں نے عرض کیا تھا ناں کہ میں اپنے فیصلے پر کبھی غور نہیں کروں گا نہ آج نہ کل"۔

"لیکن زیدین تمہیں معلوم ہے کہ اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟"

"شاہجہانی میں اب اثرات پروف ہو چکا ہوں، اب تو مجھے کوئی نیا زخم درد بھی نہیں دیتا"۔ زیدین کی بات نے شاہجہانی کو تڑپا دیا وہ جانتے تھے کہ زیدین اپنے بچپن سے لے کر اب تک کن حالات سے گزرا تھا۔

"زیدین! یہاں میرے پاس آؤ"۔ زیدین اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"زیدین! کب تک ماضی میں بھٹکتے رہو گے، تنہائی تمہیں اندر ہی اندر ختم کر دے گی، گھر بسا لو، کسی کو محرم راز بنا لو، کسی کا گھنا سایہ اپنا لو زندگی کے ہاتھوں میں کھیلنے کے بجائے اسے اپنی باندھی بنا لو"۔ شاہجہانی دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے شفقت بکھیرتے رہے، اس کے اندر لگی گرہوں کو کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔

"شاہجہانی! آپ ذون کی شادی کا سوچیں، مجھے چھوڑ دیں میں اب کچھ نیا پن نہیں چاہتا"۔

"ذون کی شادی ہو گی مگر تمہارے بعد......بس"۔ اسے منہ کھولتا دیکھ کر وہ دوٹوک انداز میں بول اٹھے۔

"بہت فیصلے کر لئے تم نے بہت سزا دے دی خود کو بھی اور اپنے چاہنے والوں کو بھی، اب مجھے بھی بڑا بننے دو آخر ہم یہاں کیا صرف تمہارا فیصلہ سننے کے لئے بیٹھے ہیں"۔ شاہجہانی تو آج ٹھان بیٹھے تھے کہ اس سے بات منوا کے ہی چھوڑنی ہے زیدین ان کی محبت پر ہرگز مشکوک نہ تھا۔

"بتاؤ زیدین! اگر تمہاری اپنی کوئی پسند ہے تو ٹھیک ورنہ تمہاری تائی ماں میں ابھی طاقت ہے، ساری بیماریاں بھول بھال ایسی تگ و دو کریں گی کہ ایک ہفتے کے اندر تمہیں بیڑیاں پہنا کر چھوڑیں گی"۔

"ٹھیک ہے شاہجہانی! کرتے ہیں کچھ ایسی جلدی بھی کیا"۔ زیدین کی کچھ نظر انداز کرنے والی نہیں تھی یہ اس کی نیم رضامندی کی علامت تھی ورنہ اس سے پہلے تو وہ اس ٹاپک پر بات کرنے کو ہی رضامند نہ ہوتا تھا۔

"زیدین! ایک بات سوچ لینا کہ تمہاری بیوی کے آنے سے دعا پر کیا اثر پڑے گا"۔

"شاہجہانی! اگر ایسا ہے تو میں شادی نہیں کرتا"۔ زیدین نے جھٹ موقع سے فائدہ اٹھایا۔

"زیدین!" شاہجہانی نے اسے آنکھیں دکھائیں زیدین ہنستا ہوا جھک گیا۔

"زیدین! میں سنجیدہ ہوں دعا تم سے بہت اٹیچ ہے تمہاری شادی سے وہ یقیناً اپ سیٹ ہو گی اس لئے ہم نے سوچا تھا کہ تم حنا سے شادی کر لو، دعا کو جو پیار اس کی ماں دے سکتی ہے وہ کوئی اور......"

"شاہجہانی! دعا میری ذمہ داری ہے میں اسے ماں اور باپ دونوں کا پیار دے سکتا ہوں"۔ زیدین نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

"پاگل مت بنو حنا اس کی ماں ہے"۔

"نہیں ہے حنا اس کی ماں وہ ذوالنواس کی بیٹی ہے"۔

"اور ذوالنواس حنا کا شوہر تھا"۔ شاہجہانی اور زیدین ایک ہی انداز میں بولتے چلے گئے۔

"ٹھیک ہے حنا ذوالنواس کی بیوی تھی مگر اب وہ کچھ نہیں ہے ابوزرجان کے خاندان سے اس کا ہر تعلق ٹوٹ چکا ہے"۔ زیدین کے لہجے میں حنا کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔

"حنا کا تعلق ٹوٹا ہے دعا کا نہیں، وہ ابوزر کی پوتی ہے اور حنا اس کی ماں ہے"۔ شاہجہانی بھی اسی کے تایا تھے زیدین نے انہی کا مزاج پایا تھا مگر آج سے قبل دونوں کسی معاملے میں مختلف نہیں ہوئے تھے، یہ پہلا موقع تھا جب دو ہم مزاج آمنے سامنے تھے۔

"شاہجہانی! میں دعا کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کروں گا"۔

"تبھی تو میں نے کہا ہے کہ تم حنا سے شادی"۔

"شاہجہانی پلیز!" زیدین نے بمشکل اپنی آواز کو بلند ہونے سے روکا یہ وہ بات تھی جو شاہجہانی دنیا کا بڑے سے بڑا واسطہ دے کر بھی منوا نہیں سکتے تھے اسی لئے بات کو دوسرے پیرائے میں لے گئے"۔

"زیدین! تم نے کیا سوچا ہے؟ کیسے نبھا پاؤ گے دو متضاد رشتوں کو؟" ان کا اشارہ دعا زیدین کی بھتیجی اور اس کی آنے والی بیوی کی طرف تھا۔

"ایسا کرتے ہیں شاہجہانی! دعا کی ہم عمر کوئی بچی لے آتے ہیں تاکہ وہ سارا دن اس سے کھیلتی رہے"۔ زیدین نے ان کے جھریوں زدہ چہرے پر امید و آس کے تاثرات دیکھ کر موڈ کو فوراً بدل لیا اور شرارت سے کہنے لگا، ایسا کہتے ہوئے نگاہ کو کوئی دور سے جھلک دکھائی دی تھی، چند لمحوں کے توقف کے بعد زیدین ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

"شاہجہانی! میری بات کو غلط معنوں میں مت لیجئے گا، اور نہ ہی یہ میرا فیصلہ ہے نہ ہی خواہش و جنون کی سی کوئی بات ہے، بس گھر بسانے اور خود کو سمیٹنے کی جو شرط آپ نے رکھی ہے اسی کے تناظر میں ایک ننھا سا جگنو بھی کبھی اپنی زندگی کی اندھیری راہوں میں ٹمٹماتے دیکھتا ہوں ایک تصور جو بہار کا جھونکا لگتا ہے اگر آپ کو بھی مناسب معلوم ہو تو......"

"ارے تم ہماری مناسبت کو گولی مارو ہمیں اس گلی کا راستہ بتاؤ جہاں ہمیں دوڑ لگانی ہے"۔ شاہجہانی تو اس بات سے کھل اٹھے تھے کہ اس سنگ پرست کو وحی کا شعور بھی تھا، باقی باتوں پر تو وہ توجہ دینا ہی نہ چاہتے تھے، زیدین نے دروازے کے بالکل پاس جاکر مڑ کے دیکھا۔

"شاہجہانی! رانیہ پھپھو کے گھر میں کسی پری کا بسیرا ہے"۔ زیدین نے بات بھی کی تو پہیلیوں میں، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شاہجہانی پہیلی بوجھنے کے ماہر تھے۔

☆☆☆☆

"جلدی کھولو منہ، نکالو جو کچھ بھی اندر ہے"۔ لیلیٰ حمزہ کے کندھے پر سوار زیادہ ہی پرجوش دکھائی دے رہی تھی مگر یہ کیا حمزہ پیکٹ کھولنے کے بجائے فرش پر لیٹ گیا تھا اور آنکھیں بند رکھی تھیں۔

"حمزہ! کیا ہوا تمہیں حمزہ؟" لیلیٰ حمزہ کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی سب اس پر جھکے ہوئے دیکھ رہے تھے، آخر تیمور آگے بڑھا اور حمزہ کا سر اوپر کیا۔

"کیا ہوا حمزہ؟" حمزہ نے ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا اور بولا۔

"یار! اسے کہو یہ یونہی مجھے منہ کھولنے کے لئے کہتی رہے میں تمام عمر منہ نہیں کھولوں گا"۔ حمزہ کی بات پر سب نے قہقہہ لگایا' جبکہ لیلیٰ اسے مکا مار کے پیچھے ہوگئی' وہ ایکسائٹمنٹ میں بھول گئی تھی کہ وہ حمزہ کے کتنے قریب ہوگئی ہے مگر حمزہ ہر قسم کی سچویشن میں بھی ہوش سلامت رکھتا تھا اور اسے چھیڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

"اچھا بول تو سہی اندر کی خبر کیا ہے؟" سب متجسس ہوکر اس پر ایسا جھک آئے تھے کہ وہ درمیان میں نظر نہیں آرہا تھا۔

"اطلاعاً عرض ہے کہ خفیہ ذرائع نے یہ خبر دی ہے اور ناظرین سب سے پہلے یہ اہم خبر سن لیں کہ یہ خبر سب سے پہلے حمزہ نیوز چینل نے آپ تک پہنچائی ہے ہم ہی وہ ہیں جو ہر خبر دینے میں سب سے آگے اور ہم......"

ابھی حمزہ کی گل فشانی اور نیوز اینکری کی بھڑکیں اور بھی چلتیں مگر سب کی طرف سے مشترکہ پڑنے والے مکوں نے اس کی صحافی صلاحیتوں کی لوڈشیڈنگ کردی۔

"اب بکنا ہے یا ہم چینل کی مزید ٹیوننگ کریں"۔ حارث اپنے بڑے بڑے ہاتھ کی خوفناک صورت دکھا کر بولا' وہ حمزہ کا دوست تھا اور اب تو حویلی کا ہی ایک فرد بن چکا تھا' یہاں تک کہ حمزہ کا بہنوئی بھی بننے والا تھا وہ حفصہ سے منسوب تھا۔

"کوئی تو ہو جو مجھے ویلکم کہے"۔ ذون کی التجائیہ آواز پر سب نے مڑ کر دیکھا وہ کندھے سے بیگ لٹکائے دروازے پر ایستادہ تھا' اور ہاتھ ایسے پھیلا رکھے تھے جیسے پرجوش استقبال کی بھیک مانگ رہا ہو' وہ ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں فوٹو گرافر تھا کسی نہ کسی ٹور اور لوکیشن پر بزی رہتا تھا۔

"آیئے آیئے ذون صاحب!" سب ایک دوسرے کو پھلانگتے اس تک پہنچے لیلیٰ نے تو باقاعدہ سینے سے سر ٹکا دیا۔

"اچھا میں جارہا ہوں جلد ملاقات ہوگی"۔ حمزہ کے غیر متوقع اعلان پر سب نے حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"کہاں جارہے ہو کیسی ملاقات؟" صفیرا نے جان بوجھ کر خوب ناک چڑھا کے سوال کیا' اس کا یہ انداز حمزہ کو ہمیشہ ناگوار لگتا تھا۔

"بس صفو! میں نے سوچ لیا ہے زیادہ تر وقت گھر سے باہر رہوں گا' تاکہ جب لوٹ کے آؤں تو میرا بھی ایسا ہی استقبال ہو"۔ حمزہ نے ذون کے پہلو میں کھڑی لیلیٰ کو معنی خیزی سے دیکھا' لیلیٰ سٹپٹا کر ذون کی پیٹھ کے پیچھے ہوگئی۔

"ایک تو اسے ہر وقت رومانس سوجھتا رہتا ہے ہم اپنی مشکل میں پڑے ہیں"۔ تیمور تپ کر بولا تھا۔

"کیوں تمہیں کونسی مشکل آن پڑی ہے؟" حارث اس سے بھی زیادہ آگ اگلتے لہجے میں بولا۔

"حارث! تو مجھ سے بات نہ کر تیری شکل تو ویسے بھی گرمیوں میں بالی ماں کی طرح دہکتی ہے"۔ حارث چیختا ہوا تیمور کے اوپر چڑھا اپنے لمبے ہاتھوں کے جوہر دکھانے لگا۔

بالی ماں حویلی کی پرانی ملازمہ تھیں' پرلے درجے کی خوشامدی اور چاپلوس تبھی تو گھر کے بڑوں کو پسند تھیں کہ ہر وقت کسی نہ کسی کی تعریف اور بیجا خدمت میں لگی رہتیں' لیکن نوجوان نسل ان سے سخت بیزار تھی کیونکہ وہ ان سب کی نہ صرف ٹوہ میں رہتیں بلکہ ان کی اکثر پلاننگ بزرگوں تک پہنچا دیتی تھیں' یہی وجہ تھی کہ وہ ان سب کی شرارتوں کا سب سے زیادہ نشانہ بنتیں۔

"آخر مجھے بھی تو پتہ چلا کہ بریکنگ نیوز کیا ہے؟" کچھ لمحے بعد سچویشن قدرے تبدیل تھی' سب شرافت کا جامہ زیب تن کئے ذون کے بیڈروم میں دھرنا دیئے ہوئے تھے۔

"خبر یہ ہے کہ کل شاہجہانی نے تائی ماں کو کسی کے ہاں لے کر جانا ہے لالہ کے رشتے کے سلسلے میں"۔ حمزہ نے خوب ٹھہر ٹھہر کر سنسنی پھیلا کر یہ خبر اناؤنس کی تھی جو کہ واقعی بمباسٹک اور دم دار خبر تھی' چینل کی ریٹنگ بڑھنا تو لازم تھا' سب کے سب حمزہ کے گرد مکھی کا چھتہ بنائے اکٹھے ہوگئے تھے۔

"لالہ کی شادی"۔ سب سے زیادہ ہونق تو ذون نظر آیا۔

"لالہ کیا شادی کے لئے مان گئے؟" ذون کا سوال انتہائی لوجیکل تھا مگر بدقسمتی سے جواب کسی کے پاس نہ تھا۔

"معلوم نہیں کیا چکر ہے؟ یہی سب جاننے کے لئے تو صبح سے خوار ہورہے ہیں مگر ہنوز تفصیلات سے

آ گاہی نہیں ہوسکی اور ہو بھی کیسے یہاں تو سب کو خبر سنتے ہی سانپ سونگھ گیا ہے''۔ صفیرا نے بات کو انتہائی طول دے کر ادا کیا' مزید بھی کہنے کا ارادہ تھا مگر شہوار نے درمیان میں بات اچک لی۔

''میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے جس سے ہمیں لالہ کی شادی سے متعلق مزید معلومات دستیاب ہوسکتی ہیں''۔ شہوار کے سازشی ذہن نے ترکیب سوچی سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے مگر وہ بات کر کے ایسے بیٹھا تھا جیسے ابھی کچھ دیر پہلے وہ نہیں کوئی اور بولا تھا' ذون نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا مگر تیمور نے عمل کر دکھایا اور وہ لات ماری کہ وہ بیڈ سے نیچے جا گرا۔

''تیمور! یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' شہوار کو غصے سے اٹھتا دیکھ کر حفصہ نے بات بڑھنے سے روکنے کے لئے اسے ڈپٹ دیا' شہوار یوں خاموشی سے بیٹھ گیا جیسے چھوٹے بچے کو غصہ ہو تو ماں کے ذرا سا دوسرے کو ڈپٹ لینے سے اس کا غصہ اتر جاتا ہے۔

''ایک تو ان لوگوں کی موجودگی میں کوئی کام کی بات نہیں ہوسکتی''۔ لیلیٰ جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

''ہاں بالکل ٹھیک کہا تم نے آؤ ہم کہیں اور بیٹھ کر بات کرتے ہیں''۔ لیلیٰ بات کرے اور حمزہ جواب نہ دے وہ اسے یونہی زچ کرتا تھا حمزہ کی موجودگی میں تو وہ بات تک نہیں کر سکتی تھی' کیونکہ وہ اس کی ہر بات پر فوری ردعمل ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا' اور مشکل یہ تھی کہ حمزہ ہر وقت ہر جگہ موجود بھی ضرور ہوتا تھا۔

☆☆☆☆

چلتے چلتے اس کی ٹانگیں شل ہوگئی تھیں' وہ دو گھنٹے سے مسلسل کمرے میں چکر لگا رہی تھی اسے کوئی سرا نہیں مل رہا تھی بلکہ یہ تجسس تھا جس نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا آج صبح اچانک شاہجہانی اور تائی ماں ان کے پاس دبئی چلے آئے تھے خوشی سے وہ دیوانی ہوگئی تھی' سارا دن تائی ماں سے چپکی بیٹھی رہی تھی' لیکن رات کھانے کے بعد جب ابو بھی آفس سے آگئے تھے' تائی ماں نے اسے کمرے میں جانے کو کہا تھا وہ حیران سی ڈرائنگ روم سے اٹھ آئی تھی اور اب مسلسل سوچوں میں گم تھی کہ آخر ایسی کیا بات ہے؟ جو تائی ماں اس کے سامنے نہیں کر سکتیں تھیں۔

''تائی ماں کا لفظ کچھ ایسا مشہور ہوگیا تھا کہ نندوں کے بچے بھی اسی نام سے بلاتے اور تو اور چھوٹے دیور اور نندوں نے بھی اسی نام سے بلانا شروع کر دیا تھا''۔ اس کی تو کوئی بہن بھی نہ تھی جو اندر کی خبر لے آتی' اسی سوچ بچار میں وہ سو گئی صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی حالانکہ رانیہ بیگم اسے دیر تک سونے نہیں دیتی تھیں آج تو معجزہ ہی ہوگیا تھا کہ وہ آٹھ بجے تک سوتی رہی تھی اور کسی نے جگایا تک نہیں تھا' وہ جلدی سے اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر بال سمیٹ کر کچن میں چلی آئی' لیکن آج کچن میں بھی خاموشی تھی وہ کچن سمیٹ کر ماما ابو کے کمرے کی طرف آئی لیکن وہاں ابھی تک میٹنگ جاری تھی وہ واپس پلٹنے لگی کہ تائی ماں نے آواز دی۔

''عناس! آؤ میرا بچہ اندر آؤ''۔ تائی ماں نے اپنی ازلی شفقت سے اسے بلا کر پاس بٹھا لیا۔

''تائی ماں! آپ نے ناشتہ کر لیا؟'' عناس نے ان کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔

''ہاں بیٹا! ہم نے ناشتے کے ساتھ اور بھی بہت کچھ کر لیا ہے''۔ تائی ماں کے چہرے کی معنی خیز رونق اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی تھیں۔

''تائی ماں! آپ عید کر کے جائیے گا''۔

''لو بیٹا! ابھی عید کہاں؟ ابھی تو اتنا وقت پڑا ہے''۔ وہ درمیان سے رمضان کے روزے حذف کر گئی تھی۔

''اور میری بات دھیان سے سن گڑیا! حویلی میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں' ہم تمہیں اور تمہارے اماں ابا

کو لینے آئے ہیں''۔ شاہجہانی نے ٹھونک بجا کر کہا تا کہ اسے باور ہو جائے کہ انکار کی گنجائش نہیں۔

''شاہجہانی! کس کی شادی ہو رہی ہے؟'' وہ اچھل پڑی۔

''مصہیب کی سب نے خاص طور پر تمہیں لانے کی فرمائش کی ہے چلو گی؟'' شاہجہانی کو وہ انکار کیسے کر سکتی تھی مگر وہ جانا بھی نہیں چاہتی تھی حالانکہ اس کا شادی میں شرکت کرنے کا بہت دل چاہ رہا تھا' مگر وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے دس سال ایک ہی چہرے کو سوچا تھا' مگر مختلف انداز میں' کبھی وہ چہرہ مہربان سا نظر آتا جو اس سے پیار بھری باتیں کر رہا تھا اور کبھی وہ چہرہ ایک قاتل کا چہرہ نظر آتا جس نے کسی کا گلا دبا کر مار دیا تھا۔

''تائی ماں! میری پڑھائی کا حرج ہوگا''۔

''تو ہوتا رہے پڑھائی تو پھر بھی ہو سکتی ہے شادی کونسا بار بار ہونی ہے؟' بس تو پھر طے ہے ادھر شادی شروع ادھر میری بچی ہماری حویلی کی رونق کو چار چاند لگانے آ جائے گی''۔ اس کا بہانہ تو پھونک مار کر اڑا دیا گیا تھا وہ بے بسی سے سب کو دیکھے گئی۔

☆☆☆☆

ڈھولک کی کان پھاڑتی آواز اور ان کے بے ہنگم شور شرابے نے النور حویلی کو مچھلی بازار بنا رکھا تھا' حوریہ گھنٹے بھر سے انہیں چپ کرانے کی کوششوں میں تھیں مگر بے سود ان کے کان پر تو جوں بھی نہ رینگ رہی تھی' آخر جویریہ نے آخری حربہ آزمایا۔

''ہیلو ینگرز! آپ کے لئے گڈ نیوز''۔ نیوز کا سن کر تو ان کی سانس رک جاتی تھی' بولتی کیا چیز ہے؟ ان گنت نیوز چینل کی بھرمار نے تو عوام کو نیوز فوبیا کر کے رکھ دیا ہے جسے دیکھو یا تو خبر سن رہا ہے یا سنا رہا ہے' دکاندار سامان ایسے دیتا ہے جیسے خبر دے رہا ہو' اور گاہک خریدتا ایسے ہے جیسے بریکنگ نیوز لے رہا ہو۔

''بھابی جی! آپ غالباً کچھ نیوز وغیرہ ٹائپ کی چیز دینے والی تھیں''۔ حفصہ نے انہیں یاد دہانی کرائی جو اپنی چال کی کامیابی پر نازاں تھیں۔

''جی ہاں تو بریکنگ نیوز یہ ہے کہ آپ سب کافی حد تک بے سرے ہیں''۔ جویریہ نے ان کی دموں پر پاؤں رکھ دیا تھا' وہ سب اتنا چیخنے کے بالی ماں نے چھالیہ چباتے ہوئے زبان دانتوں تلے چبالی' اور اب وہ منہ پر ہاتھ رکھے چچی سے شکایت کرنے اندر چلی گئیں گویا یہ ان کا اپنا نہیں کسی اور کا قصور ہو۔

''ڈیئر بھابی! آپ کو پتہ ہے کہ میرے پاس کیا نیوز ہے؟'' زوار اپنی جگہ سے اٹھ کر جویریہ کے پاس جا کھڑا ہوا اور ان کے کاندھے پر اپنا بھاری بھرکم ہاتھ رکھ دیا' جس کے بوجھ سے جویریہ کی دائیں طرف بالکل جھک گئی تھی۔

''بکو ہر بدلتی سرکار کے غلام چینل تمہارے پاس کیا نیوز ہو سکتی ہے؟'' جویریہ نے اس کا بازو اپنے کندھے سے ہٹانے کی ناکام کوشش کی۔

''نیوز یہ ہے کہ آپ کی دی ہوئی نیوز بالکل غلط ہے''۔ وہ جویریہ کے کان کے پاس زور سے چیخا جواباً' جویریا نے اسے زور سے دھکا دیا، وہ ساتھ ہی بیٹھی صفیرا پر جا گرا۔

''امی! میں مر گئی مجھ پر ڈرون گرا دیا گیا ہے'' وہ دہائی دیتے ہوئے بولی۔

''اوہو...... نئی بات سنو اب اکیسویں صدی میں چیونٹی کو مارنے کے لئے بھی ڈرون کی ضرورت پڑے گی''۔ زوار نے اس کے دبلے پتلے جسم پر چوٹ کر کے اپنا بدلہ چکا دیا۔

''چیونٹی......'' اس اصطلاح نے جویریہ کے پانچ سالہ بیٹے سعد کو انتہائی محظوظ کیا وہ یہ لفظ دہرا دہرا کر ہنس

رہا تھا، اس کی ہنسی نے صفیرا کو تپا دیا۔

''اوئے چپ کر ہاتھی کی سونڈ''۔ صفیرا نے سعد کو جھاڑ پلائی۔

''اے، اے صفیرا! تم نے میرے بچے کو سونڈ کہا''۔ جویریہ نے صفیرا کو آنکھیں دکھائیں۔

''جی بھابی! نہ صرف آپ کے بچے کو سونڈ کہا، بلکہ اصل میں آپ کے شوہر کو ہاتھی بھی کہا''۔ زوار نے شعلہ دکھایا۔

''چلو ان کی تو خیر ہے، بہن بھائی کا آپس کا معاملہ ہے پر میرے بیٹے کو کچھ مت کہنا''۔

''حد ہوگئی بھابی! میں نے ہاتھی اس موٹو کو کہا ہے یہی تو ہے جو ہر وقت سعد کو پٹیاں پڑھاتا رہتا ہے''۔ صفیرا عاجز ہو کر بولی، زوار مزید کچھ کہنے والا تھا کہ حمزہ نے طبل بجاتے ہوئے انٹری دی۔

''بھائیو اور لیلیٰ کے سوا سب بہنوں توجہ فرمائیے''۔ حمزہ تقریر کے سے انداز میں ہاتھ بلند کئے شروع ہوا اس نے لیلیٰ کو بہنوں کی کیٹیگری سے الگ کر دیا تھا، سب اس کی شرارت پر ہنس پڑے۔

''آج ہماری اس محفل میں ایک ایسا جلوہ بکھرے گا جو آج سے پہلے حویلی کی تاریخ میں کسی تقریب کی مووی میں آپ کو نہیں دکھا ہوگا چاہے بار بار ریوائنڈ کر کے مووی دیکھ لیں''۔ حمزہ اپنی بات کو بیجا طول دے رہا تھا۔

''استقبال کیجئے تشریف لاتی ہیں، دبئی کی نیو ورائٹی ان پاکستان، عربیوں کی سی شان ہماری عزیز از جان عناس جہانگیر رحمٰن''۔ رحمٰن اس نے محض قافیہ ترتیب دینے کے لئے لگایا تھا، جس پر کوئی بھی توجہ نہ دے سکا کیونکہ عناس کو دیکھ کر حیرت وخوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔

''واٹ اے سرپرائز''۔ زوار فوراً اس کے پاس پہنچ گیا اور اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیا، مگر عناس نے اپنا ہاتھ پیٹھ پیچھے چھپا لیا، وہ ایسے انداز کی عادی نہ تھی، زوار نے اس کا ہاتھ زبردستی پکڑ لیا۔

''عناس ہم سب کزنز، دوست اور بہن بھائی ہیں، اس لئے تکلف کی ضرورت نہیں''۔ زوار نے اس کا گریز دور کرنے کی پہلی کوشش کی۔

''اچھا پیچھے ہٹو تم سب وہ بیچاری تم لوگوں کو دیکھ کر گھبرا گئی ہے''۔ جویریہ نے سب کو پیچھے دھکیل کر کہا۔

''آؤ عناس! یہاں بیٹھو سب کے ساتھ''۔ جویریہ نے اسے فلور کشن پر بٹھایا سب اس کے اردگرد یوں بیٹھ گئے جیسے شمع کے گرد پروانے۔

''عناس! میں لیلیٰ ہوں''۔ لیلیٰ نے دور سے ہاتھ ہلایا۔ ''اور میں حمزہ''۔ حمزہ نے بھی اسی کے انداز میں ہاتھ ہلا کر اور آواز بنا کر کہا۔

''اور میں......''

''بس صبر کرو میں سب کا تعارف کراتی ہوں''۔ جویریہ نے بیلا کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''عناس! ان سب کا اجتماعی تعارف یہ ہے کہ دنیا میں جو سات عجائبات ہیں وہ سب یہی ہیں''۔

''نہیں بھابی! سات نہیں آٹھ ہیں ایک آپ کے شوہر بھی ہیں''۔ حمزہ نے فوراً اپنی برادری کی حمایت کی۔

''آٹھ نہیں تو ایک بھابی کا بیٹا بھی ہے''۔ زوار نے مزید نوادرات بکھیرے۔

''بس بھئی عناس! کیا سوچے گی تم لوگوں کو ذرا بھی بڑوں کا احترام نہیں''۔ صفیرا بھائی اور بھتیجے کے خلاف بات نہ سن سکی فوراً بھابی کی حمایت کر دی۔

''اوہو...... کیا سوچے گی عناس یہی کہ یہاں پر بڑے بڑے چاپلوس رہتے ہیں''۔ زوار نے پاس سے گزرتی بالی ماں کو دیکھ کر پتہ پھینکا، بالی ماں سے سب کو خدا واسطے کا بیر تھا، وہ بس چشمے کے اوپر سے انہیں گھورتی ہوئی گزر گئیں۔

''اچھا عناس! ان کا انفرادی تعارف یہ ہے کہ یہ زوار ہے اور یہ صفیرا ہے یہ دونوں منگیتر ہیں''۔

''بدقسمتی سے......'' زوار نے ٹکڑا جوڑا۔

''صرف بدقسمتی نہیں مہابدقسمتی سے''۔ صفیرا نے جل کر کہا ان دونوں کی یونہی ٹھنی رہتی تھی۔

''اور یہ بیلا ہے یہ حفصہ اسے تو تم جانتی ہی ہو''۔

''اور یہ پیاری سی لیلیٰ ہے''۔

''میری''۔ لیلیٰ کا ذکر ہو اور حمزہ نہ بولے۔

''ہاں یہ اس شریر کی منگیتر ہے''۔

''ہاں بھابی! نام لے کر بتائیں کس کی منگیتر ہے، کہیں عناس غلط ہی نہ سمجھ لے''۔ حمزہ نے چہک کے کہا۔

''غلط کیوں سمجھے گی؟'' جویریہ تنک کر بولی۔

''وہ اس لئے کہ جہاں شریر شیطان کا ذکر آتا ہے وہاں ایک تصور ذہن میں آتا ہے''۔ حمزہ کی آواز سرگوشی میں بدل گئی سب اس پر جھک آئے۔

''بھلا بتاؤ کون؟'' حمزہ نے اسی انداز میں سب کو دیکھا۔

''بالی ماں''۔ سب نے یک زبان بلند آواز میں نعرہ لگایا اور پھر قہقہوں کا طوفان ابل پڑا۔

☆☆☆☆

''آؤ عناس! یہ تمہارا کمرا ہے کیسا ہے؟'' لیلیٰ اسے زبردستی سب کے درمیان سے اٹھا کر لے آئی تھی، تمام حویلی کی سیر کرانے کے بعد اپنے کمرے تک آئی تھی جہاں عناس نے اسٹے کرنا تھا، وہ گھریلو امور میں بہت ماہر تھی اپنے کمرے کو تو اس نے حجلہ عروسی کی طرح سجا رکھا تھا، وہ اپنا کمرا کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتی تھی لیکن عناس سے اسے ایسا انس محسوس ہوا کہ فوراً اپنا کمرا پیش کر دیا، حمزہ نے تو باقاعدہ ریکارڈ لگایا اور عناس سے کہنے لگا۔

''شکر ہے عناس! تمہارے آنے سے اسے دوسرے فرد کی عادت تو پڑے گی میں از حد فکر مند تھا''۔

''لیلیٰ! تم نے تو کمرے کو دلہن کی طرح سجا رکھا ہے، لیکن لیلیٰ میں تو بہت لاپرواہ ہوں، ہر چیز بکھیر دیتی ہوں، امی اتنا ڈانٹتی ہیں، میں کہیں اور ٹھہر جاتی ہوں تمہارا کمرا خراب ہو جائے گا''۔ عناس فکرمندی سے بولی۔

''بس یار! زیادہ ایکشن نہیں مارو، تم یہیں رہو گی میرے ساتھ خراب ہوگا تو کیا ہے، ہم دونوں مل کر صفائی کر لیا کریں گے اور تمہیں نہیں پتہ اس کمرے کا روز برا حال ہوتا ہے روز میں اسے درست کرتی ہوں''۔

''کیوں؟'' عناس نے سوالیہ نظروں سے لیلیٰ کو دیکھا۔

''یہ جو محترم حمزہ صاحب ہیں ناں موقع ملتے ہی ادھر گھس آتے ہیں، بچوں کی طرح ہر چیز ادھر سے ادھر پھیلا کر باہر بھاگ جاتے ہیں اور مجھے نئے سرے سے سیٹنگ کرنا پڑتی ہے عاجز کر کے رکھ دیا ہے اس نے''۔ لیلیٰ کی شکایت میں بھی محبت کی چاشنی تھی عناس نے اس کے انداز کو دلچسپی سے دیکھا۔

''لیلیٰ! یہاں سب کتنے گھل مل کے رہتے ہیں ناں اتنا خوش کوئی فکر کوئی غم نہیں کتنا اچھا لگتا ہے ناں''۔ عناس بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولی۔

''ابھی تو تم نے ہماری آدھی پارٹی سے ملاقات کی ہے، جب سب اکٹھے ہوں گے تب تم دیکھنا کیا طوفان مچتا ہے''۔ لیلیٰ اس کے برابر لیٹتے ہوئے اسے اطلاع فراہم کرنے لگی۔

''لیلیٰ! یہاں کون کون رہتا ہے؟'' یہ سوال عناس کا تکیہ کلام تھا آج تک بیچاری کو سیر حاصل جواب جو نہ مل

سکا تھا، ہر بار یہ سوال کرنے کا مقصد ایک ہی ہستی کو جاننا ہوتا تھا۔

''ہوں...... تائی ماں، چچی جان اور ہم چند سے تو تم مل ہی چکی ہو اس کے علاوہ صہیب چاچو ہیں ان سے ملی تم؟'' لیلیٰ کا اشتیاق دیکھنے لائق تھا۔

''ہاں وہ ہمیں لینے آئے تھے ایئر پورٹ پر اس کے بعد نظر نہیں آئے''۔

''وہ کافی مصروف رہتے ہیں لیکن جب ہماری کمپنی میں شامل ہوتے ہیں تو بالکل بچے بن جاتے ہیں جویریہ بھابی کی طرح وہ ہم سے بڑی ہیں لیکن بالکل دوستوں کی طرح رہتی ہیں ہم انہیں جتنا بھی ستالیں ناراض بالکل نہیں ہوتیں''۔ لیلیٰ ہر بات کو تفصیل سے بتا رہی تھی تا کہ وہ حویلی کے افراد سے واقف ہو جائے۔

''اور پھر آنٹی ہیں انکل ہیں''۔

''آنٹی، انکل کون؟'' عناس نے کہنیوں کے بل اٹھ کر جلدی سے دریافت کیا۔

''تمہاری خالہ زوبیہ اور ان کے شوہر کافی ماڈ قسم کے ہیں، زوبیہ آنٹی نے سب کو کہہ رکھا ہے مجھے آنٹی کہا کرو اگر کوئی غلطی سے چاچی یا پھوپی کہہ دے تو وہ ڈانٹ پلاتی ہیں کہ بس اور پھر ان کی بیٹی حنا بھی انہی کا پرتو ہے''۔

''حنا کون......؟''

''حنا تمہیں یاد نہیں وہ ساڑھی والی ہر وقت غصے سے لال پیلی، وہی جو تمہارے ہاتھ چوم کر سلام کہنے پر تمہارا ہاتھ جھٹک کر دریافت کرنے لگی تھی، برش کیا ہے یا نہیں؟''

''لیلیٰ! وہ زندہ ہیں؟'' عناس نے اس کی بات پھر کاٹ لی، آج تک ان کے بارے میں خوفناک زاویے سے جو سوچتی رہتی تھی۔

''کیا مطلب زندہ ہیں، انہیں کیا ہونا ہے، ہاں البتہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے تمہیں ذوالنواس بھائی یاد ہیں؟''

''ہاں یاد ہیں لیلیٰ! انہیں کیا ہوا تھا؟'' اسے حویلی کے رازوں سے ہمیشہ دلچسپی رہی تھی آج تو جیسے موقع ہاتھ آ گیا تھا۔

''پتہ نہیں عناس! کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں بس مجھے تو اتنا یاد ہے کہ وہ کومے میں چلے گئے تھے، سات سال بعد انہیں ایک دن ہوش آیا تھا مگر پھر ڈیتھ ہو گئی لالہ ان کی موت سے بہت افسردہ تھے''۔

''لیلیٰ! یہ لالہ کون ہیں؟'' عناس کی آواز اس سوال پر جیسے سرگوشی میں ڈوب گئی تھی۔

''تم نہیں جانتیں ارے لالہ اس حویلی کی جان ہیں اتنے اچھے ہیں کہ بس ذون تو ان کا پجاری ہے ہر وقت ان کی سیوا میں لگا رہتا ہے، تمہیں پتہ ہے ذون کون ہے؟'' عناس نے نفی میں سر ہلا دیا اس نے تو یہ نام ہی پہلی بار سنا تھا۔

''ذون لالہ کا چھوٹا بھائی ہے اس نے لالہ کو دکھ دیا تھا بس اسی کا ازالہ کرنے کے لئے ان کی خدمت کرتا رہتا ہے''۔

''کیا دکھ دیا تھا؟'' عناس اور سوال نہ کرے اسے ویسے بھی ہر بات جان لینے کی جلدی رہتی تھی۔

''اس نے لالہ کی مرضی کے بغیر شادی کر لی تھی لالہ اس سے ڈس ہارٹ ہوئے پھر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور واپس آ گیا، اس نے لالہ سے اتنی معافی مانگی ہے مگر لالہ نے معاف نہیں کیا وہ ہر وقت لالہ کے آگے پیچھے پھرتا رہتا ہے، مگر لالہ اس سے بات نہیں کرتے''۔

''لیلیٰ! لالہ کہاں ہیں؟ مجھے ان سے ملواؤ گی؟'' عناس کو اس ہستی سے ملنے کا ازحد اشتیاق ہوا جس کی تعریف میں ہر کوئی رطب اللسان تھا۔

''ہاں کیوں نہیں، لیکن آج کل وہ یہاں نہیں ہیں اصل میں وہ آرمی میں جنرل آف آرمی اسٹاف ہیں''۔ لیلیٰ نے معلومات میں اضافہ کیا۔

''لیلیٰ لالہ کے بیوی بچے کہاں ہیں؟''

''لو بیوی بچے، لالہ کی شادی ہی کہاں ہوئی ہے؟'' لیلیٰ نے ایسے کہا گویا اس کی عقل پر ماتم کر رہی ہو۔

''انہوں نے شادی کیوں نہیں کی؟'' عناس حیرت سے بولی۔

''بس پہلے وہ بھائیوں کی ذمہ داریوں میں لگے رہے اور اب کہتے ہیں شادی نہیں کروں گا بہت ایج ہو گئی ہے''۔

''کتنی ایج ہو گئی ہے؟'' عناس کے سوالات کی ٹرین کا کوئی اسٹیشن نہیں تھا، لیلیٰ کی تو اب ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

''عناس! بالکل بچوں کی طرح سوال کرتی ہو ایسے ویسے کوئی بات نہیں میرے چینل پر تمہیں ہر تازہ خبر اور ہر باسی ترین خبر ملے گی، لالہ کی ایج 30,35 سال تک تو ہے''۔

''یہ عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے میں سمجھی 40 کے ہوں گے''۔

''عمر نہ سہی ان کا تجربہ چالیس سال کا ہی ہے اچھا عناس! سو جاؤ کافی رات ہو گئی ہے''۔ لیلیٰ نے کہتے ہوئے کروٹ بدل لی مگر اس کی نگاہوں کے سامنے ایک چہرہ کروٹیں بدل کر آ رہا تھا، نیند تو شاید دلی ہنوز دور است کے مثل تھی۔

☆☆☆☆

''عناس بیٹا! تم بور تو نہیں ہو رہیں ان شیطانوں نے اگر تنگ کیا تو مجھے بتانا دیکھنا کیسے کان کھینچتی ہوں ان کے''۔

''تائی ماں! ہماری تو خیر ہے مگر تیمور کے کان مت کھینچئے گا، اس کی منگیتر الو تو کہہ ہی چکی ہے، گدھا بھی کہہ دے گی''۔ حارث نے تیمور سے اعلان جنگ کیا۔

''جی تائی ماں! حارث کے کان کھینچنے کی تو آپ کو ضرورت ہی نہیں ہے وہ آل ریڈی ہی ایریل کا کام دیتے ہیں''۔ تیمور حسب معمول میدان میں آ چکا تھا۔

''تائی ماں! آپ ان سب کے کان کھینچیں بہت بدتمیز ہیں یہ سب''۔ لیلیٰ نے بھی دخل دیا۔

''آپ تائی ماں! کو کیوں زحمت دیتی ہیں مجھے حکم کریں پھر دیکھیں''۔ حمزہ جواب تک خاموشی سے کینو کھانے میں مصروف تھا، لیلیٰ کی بات پر فوراً شروع ہو گیا لیلیٰ کی بات پر وہ جواب نہ دے ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔

''اف اللہ میں نے ذراسی بات کیا کہہ دی پیچھے ہی پڑ گئے سب''۔ تائی ماں سر تھامتے ہوئے بولیں۔

''بس بی بی! یہ آج کل کی نسل نہ بزرگوں کی پرواہ نہ بچوں کی جب دیکھو مذاق ہی سوجھتا ہے''۔ بالی ماں نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں تائی ماں کے برابر تخت پر بیٹھ کر ان کا سر بھی دبانے لگیں اور ان سب کی برائیاں بھی۔

''بالی ماں! آپ زیادہ مت بولا کریں ابھی کل ہی اخبار میں سروے رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ اگر بوڑھی عورتیں زیادہ بولیں تو ان کی موت جلد واقع ہو جاتی ہے''۔

''اے اے کیا واقعی ایسی خبر آئی ہے؟'' بالی ماں نے فوراً دل تھام لیا۔

''اے زوار کیا یہ سچ ہے؟'' زوار نے بالی ماں کی بولتی بند کرنے کے لئے شوشا چھوڑا تھا، مگر یہاں تو تائی اور چچی کو بھی فکر نے آن گھیرا تھا۔

''ہاں ہاں تائی ماں! میں نے بھی پڑھا تھا مگر یہ صرف ان بوڑھیوں کے لئے تھا، جو چھالیہ بہت چباتی ہیں''۔ حارث نے ان دونوں کو تو بہلا لیا، مگر بالی ماں کی فکر میں دو چند اضافہ کر دیا، ڈر کے مارے انہوں نے منہ میں ڈالی چھالیہ تک تھوک دی مگر یہ نہ دیکھا کہ جلدی میں ساتھ بیٹھے تیمور پر ہی تھوک دیا تھا۔

''بالی ماں! ذرا دیکھ کر تھوکا کریں آپ تو ہر ایک کو اپنا شوہر ہی سمجھ لیتی ہیں''۔ تیمور خود کو جھاڑتے ہوئے چڑ کر بولا۔

''ایک تو اس حویلی میں کوئی کام کی بات نہیں ہو سکتی، ہر ایک بولنا تو اپنا فرض سمجھتا ہے''۔ تائی ماں ان کی فضول باتوں سے عاجز آ گئیں۔

''میری بچی تو بھی تو کچھ بول چپکی بیٹھی ہنستی ہی رہتی ہو''۔

''تائی ماں نے فوراً عناس کی طرف دست شفقت دراز کر دیا تھا۔

''تائی ماں! یہ لوگ اچھی باتیں کرتے ہیں مجھے سننا اچھا لگتا ہے''۔ عناس کی تعریف نے سب کو خوش کر کے رکھ دیا۔

''تائی ماں! یہ خود بھی اچھا بولتی ہے مگر تنہائی میں کل ہم رات گئے تک باتیں کرتے رہے''۔ لیلیٰ نے فوراً عناس کی تعریف شروع کر دی۔

''تھینک یو عناس! تمہارے آنے کی سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوئی ہے''۔ حمزہ کھانا چھوڑ کر فوراً عناس کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا، عناس کے ساتھ ساتھ باقی سب نے بھی اسے حیرت سے دیکھا وہ سب کو نظر انداز کئے عناس سے کہنے لگا۔

''تمہارے آنے سے کسی کو کوئی فائدہ ہو نہ ہو مجھے ضرور ہوا ہے کہ اس کی جو عادتیں میرے لئے مصیبت تھیں وہ تم نے بدل دی ہیں''۔ حمزہ نے لیلیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی رات کو جلدی سو جانے کی عادت پر چوٹ کی۔

''حمزہ......'' حفصہ نے تائی ماں کی موجودگی کی وجہ سے اسے گھورا، وہ ایسے گھورنے سے کیا چپ ہوتا، مگر شاہجہانی کی کھنکھارنے کی آواز سن کر خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا، ہال کمرے میں شاہجہانی جہانگیر رانیہ بیگم اور صہیب جاہ داخل ہوئے۔

''صہیب! کی ماں تمہاری بری تیار ہوئی کہ نہیں؟'' شاہجہانی نے صوفے پر بیٹھتے ہی فوراً سوال جھاڑا۔

''ہاں کیوں نہیں ہم نے تو ایک ماہ پہلے سے سب کچھ تیار کر لیا ہے''۔ تائی ماں کے بجائے بالی ماں نے جواب دیا، وہ ہر معاملے میں ضرور دخل دیتی تھیں، ینگ پارٹی نے انہیں گھور کر دیکھا وہ جل کر دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئیں۔

''زیدین کا فون آیا ہے کہہ رہا تھا اگر کچھ منگوانا ہو تو بتا دیں وہ لے آئے گا''۔ صہیب نے بات آگے بڑھائی۔

''آپ نے اس سے کہنا تھا کہ کچھ نہیں چاہئے وہ خود چلا آئے بس''۔ تائی ماں نے کہتے ہوئے گہری نگاہوں سے عناس کے انجان و بے خبر چہرے کو تکا تھا، وہ سب بچوں میں سے چھوٹی اور دور ہونے کے باعث پہلے سے انہیں بہت عزیز تھی اور اب ان کے لاڈلے ترین زیدین کے باعث تو ان کے جیسے اندر ہی اتر گئی تھی۔

''شاہجہانی! ہم تھوڑے وقت کے لئے آئے ہیں جو کرنا ہے ذرا جلدی کر لیں''۔ جہانگیر کے اصرار پر شاہجہانی نے انہیں آنکھوں سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا وہ بچوں کے سامنے اس ذکر سے گریزاں تھے۔

''بچو! جاؤ تم لوگ اپنے اپنے کاموں پر لگو''۔ شاہجہانی نے تجسس میں ڈوبے بچوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، جو کچھ بات کھل جانے کی امید لئے بیٹھے تھے سب منہ بسورتے فرداً فرداً باہر نکل گئے۔

''عناس! تم بیٹھو اور زروار اپنے ماں باپ کو بھیجو''۔ تائی ماں نے بیک وقت دو اہم معاملات نمٹائے، عناس کے روکے جانے نے تو سب کو اور بھی مشکوک کر دیا تھا۔

''جہانگیر! میرا خیال ہے ابھی فی الحال نکاح کر لیتے ہیں، شادی کے لئے کچھ ماہ مزید دیکھ لیتے ہیں''۔ بچوں کے جاتے ہی تانیہ بیگم اور ان کے شوہر اور دیگر افراد حویلی کے سامنے شاہجہانی نے بغیر کسی تمہید کے بات شروع کی، شاہجہانی کی بات پر باقی سب تو دنگ تھے ہی، عناس کا دل تو دھڑکنے کے سب ریکارڈ توڑنے لگا۔

''یا اللہ کس کی شادی کا ذکر کر رہی ہیں اور وہ بھی میرے ابا جان سے''۔

''لیکن شاجہانی! نکاح کی جلدی کیا ہے شادی کے ساتھ ہو جائے گا؟'' جہانگیر نے رانیہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں جہانگیر! اس شادی کے ساتھ بیشمار مسائل الجھے ہوئے ہیں، میں نہیں چاہتا عناس بیٹی کو کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے، اس لئے ابھی صرف نکاح کرتے ہیں تا کہ جو طوفان آنا ہو آ جائے جب سب ٹھیک ہو جائے گا تب رخصتی کر لیں گے''۔ اپنا نام سن کر عناس نے گھبرا کے ماں کی طرف دیکھا، رانیہ بیگم نے اسے آنکھوں کے اشارے سے تسلی دی، تائی ماں نے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر دبانا شروع کر دیا تھا، وہ کبھی ماں کو دیکھتی کبھی تائی ماں کو۔

''شاہجہانی! یہ کس کے نکاح کی بات ہو رہی ہے؟'' تانیہ بیگم نے پہلی بار لب کشائی کی۔

''زیدین کی''۔ شاہجہانی کی بات نے چچی جان اور تانیہ بیگم کو ہلا دیا تھا، وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے گئیں۔

''کس کے ساتھ؟'' چچی نے ایسے ڈر کے پوچھا گویا شاہجہانی نے عناس کے سوا کوئی اور نام لیا تو ان کے دل کی دھڑکن ہی رک جائے گی۔

''رانیہ کی بیٹی کے ساتھ''۔ کتنے ہی ہاتھوں کے طوطے اڑے تھے، چچی جان، تانیہ بیگم اور عناس کے تو طوطوں کے ساتھ فرشتے بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''لیکن شاہجہانی! حنا کا کیا ہوگا؟'' اس سوال کی شاہجہانی کو امید تھی کہ ضرور داغا جائے گا اور آیا بھی انہی کی طرف سے جو زوبیہ کے سب سے زیادہ زیر اثر تھیں، تانیہ بیگم زوبیہ کے ردعمل سے خائف تھیں کہ نا معلوم وہ کیا قیامت اٹھائے، اسی طرح چچی جان کو بھی اپنی لاڈلی عناس کی فکر ستا رہی تھی۔ اصل قیامت تو عناس کے دل میں برپا تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہاں سے بھاگ کر کیسے جائے۔ جبکہ اس کے لئے وہاں ٹھہرنا بھی از حد دشوار ہو چکا تھا، وہ زیدین کے نام سے واقف نہ تھی اور نہ ہی اس کی صورت کی حالیہ نقش گری سے کوئی واسطہ تھا بس اس نے اندازہ لگایا تھا کہ زیدین غالباً لالہ ہی ہے، وہ لالہ جو ذرا سی بات پر غصے میں گلا گھونٹ دیتا ہے بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ اپنی گردن پر رکھ دیا۔

''حنا کی کہیں اور اچھی جگہ شادی کر دیں گے لیکن زیدین اس سے شادی پر آمادہ نہیں''۔ شاہجہانی نے حنا کے بابت اٹھائے گئے سوال پر مدبرانہ انداز میں کہا۔

''لیکن وہ زیدین کی منگیتر ہے''۔ چچی کے انکشاف نے عناس کی حالت اور غیر کر دی تھی۔

''یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، یہ منگنی شدہ، خونخوار انسان کیا میرے لئے ہی رہ گیا ہے؟''

''شائستہ تم بھول رہی ہو کہ......'' شاہجہانی نے ہاتھ کے اشارے سے تائی ماں کو کچھ بولنے سے روک دیا اور فوراً عناس کو دیکھ کر بولے۔

''عناس بیٹا! جاؤ سب بچوں کے ساتھ انجوائے کرو''۔ عناس آزادی کا پروانہ پاتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔

''تم لوگوں کو بچی کے سامنے سوچ سمجھ کر بولنا چاہئے تھا، اسے یہاں بٹھانے کا مقصد یہ تھا کہ تمام معاملات اس کے سامنے طے ہوں لیکن تم لوگوں نے درمیان میں نئی منطق نکال لی''۔ شاہجہانی فہمائشی لہجے میں بولے۔

''اور آئندہ یہ بات مت کرنا کہ حنا زیدین کی منگیتر ہے وہ ذوالنواس کی بیوہ اور دعا کی ماں ہے''۔

''لیکن شاہجہانی! زوبیہ شور مچائے گی''۔ تانیہ نے پہلی بار زبان کھولی اسے بہن کا زیادہ ڈر تھا کیونکہ زوبیہ کے عتاب سے کوئی محفوظ نہ تھا، رانیہ کی سادہ مزاجی کی بناء پر وہ ان کے بارے میں زیادہ متفکر نہیں تھیں۔

''وہ شورتب مچائے گی جب اس کی بیٹی کے ساتھ کوئی ناانصافی ہو، ہم ان کے بارے میں بھی فیصلہ کر چکے ہیں باقی ہم زیدین کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں ہونے دیں گے وہ حنا سے شادی نہیں کرنا چاہتا ہے اور عناس کے بارے میں اس نے خود کہا ہے، اس لئے اب مزید اس معاملے میں کوئی نہ بولے''۔ شاہجہانی نے ان دونوں کو تو خاموش کرا دیا مگر وہ جانتے تھے کہ اصل طوفان تو زوبیہ لائے گی جو کہ ابھی تک اس معاملے سے ناواقف تھی۔

''شاہجہانی! میری بیٹی ابھی کم عمر ہے وہ ان سب باتوں کو سہنے کی طاقت نہیں رکھتی اور نہ ہی اتنی سمجھدار ہے کہ سب معاملے کو سلجھا سکے مجھے ان سب کے رویئے سے ڈر لگ رہا ہے''۔ تانیہ اور چچی کے جانے کے بعد رانیہ بیگم نے بھیگے لہجے میں شاہجہانی سے کہا۔

''رانیہ! عناس بچی ہے، زیدین نہیں، تم ابھی زیدین سے ملی نہیں ہو اس لئے خوفزدہ ہو، اس سے ملو گی تو تمہیں ایسا لگے گا تم نے اپنی بچی بادل کے سائے تلے دے دی ہے وہ ان سب سے نمٹنا جانتا ہے فکر مت کرو''۔ شاہجہانی نے رانیہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا جن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں، یہاں تک کہ شاہجہانی، جہانگیر اور تائی ماں بھی آنسو پونچھنے لگے۔

☆☆☆☆

''عناس! بتاؤ ناں کہ آخر اندر کیا بات ہوئی ہے؟'' تمام ینگ پارٹی نے لیلیٰ کو اس خدمت پر معمور کیا تھا کہ وہ عناس سے اندر کے حالات دریافت کرے اور اب لیلیٰ آدھے گھنٹے سے مسلسل اس سے پوچھ رہی تھی جبکہ وہ رونے میں مصروف تھی اور یہی بات لیلیٰ کو مزید فکرمند کر رہی تھی۔

''عناس پلیز! کچھ بتاؤ گی تو میں کچھ کر سکوں گی تمہارے لئے''۔

''لیلیٰ! میرا نکاح ہو رہا ہے''۔ عناس کی بات پر جہاں لیلیٰ کو حیرت ہوئی وہیں اس کی ہنسی بھی چھوٹ گئی اس کے ہنسنے نے عناس کو تپا دیا۔

''لیلیٰ پلیز! میں بات کر رہی ہوں مذاق نہیں''۔

''اوکے، اوکے تم مذاق نہیں کر رہی ہو، لیکن سچی میں تم نے جوک ضرور سنایا ہے''۔

''لیلیٰ! اس میں ہنسنے والی کونسی بات ہے؟'' عناس اس کے لوٹ پوٹ ہوتے وجود کو دیکھ کر اچھا خاصہ ناراض ہو گئی تھی۔

''مجھے تمہارے رونے پر ہنسی آ رہی ہے تمہیں نکاح کی خبر کیا ملی رونے بیٹھ گئیں''۔

''میں نکاح کی خبر ملنے پر نہیں رو رہی بلکہ جس سے نکاح ہو رہا ہے اس کا سن کر رو رہی ہوں''۔

''کس سے نکاح ہو رہا ہے؟'' لیلیٰ بدستور غیر سنجیدگی سے بول رہی تھی اور ہنسی تھی کہ جاری تھی۔

''تمہارے لالہ سے......'' عناس کا اگلنا تھا کہ لیلیٰ کی ہنسی کو زوردار بریک کیا لگا کہ کھانسی ہی شروع ہو گئی۔

''لالہ......'' لیلیٰ کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں اور اب محظوظ ہونے کی باری عناس کی تھی دل کی حالت چھپائے۔

''کیوں کیا ہوا؟ اب ہنسو ناں''۔

''عناس! تمہیں کس نے بتایا؟''

''شاہجہانی! ابو سے بات کر رہے تھے''۔

''لیکن عناس! لالہ شادی کے لئے مان کیسے گئے اور وہ بھی تم سے، آئی مین ایج وائز وہ کافی بڑے ہیں ہاں نیچر وائز بیسٹ ہیں ان جیسا تمہیں سارے جہان میں کوئی نہیں ملے گا''۔ لیلیٰ نے خود ہی سوال کیے خود ہی جواب

دے دیا، اثبات بھی خود اور نفی بھی خود، وہ اس خاص خبر سے ایسا بوکھلائی کہ عناس کو تسلی دینے کے تمام کام پس پشت ڈال کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی، عناس کو یونہی غیر مطمئن اور ہراساں چھوڑ کر۔

☆☆☆☆

''اے لیلیٰ! بات سنو''۔ کوریڈور سے گزرتی لیلیٰ کو اچانک سے نمودار ہوتے حمزہ نے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا، لیلیٰ اس سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی جبکہ حمزہ ایک ہاتھ چھوڑتا تو دوسرا تھام لیتا یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ایسی حرکت کی تھی ورنہ صرف زبانی چھیڑ چھاڑ تک ہی محدود رہتا تھا۔

''حمزہ پلیز! کوئی آ جائے گا''۔ لیلیٰ اپنی ہر کوشش کی ناکامی پر زچ ہو کر بولی۔

''لیلیٰ جان! حمزہ کچے کام نہیں کرتا سب اس وقت ہال میں موی دیکھ رہے ہیں کسی کے آنے کا کوئی امکان نہیں''۔ حمزہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے خوب دباتے ہوئے بولا۔

''تمہیں جو کہنا ہے جلدی کہو مجھے جانا ہے''۔

''میں نے جو کہنا ہے جب تک پورا کہہ نہ لوں گا تم جا کے تو دکھاؤ''۔ ہٹ دھرمی کی کوئی حد تھی کیا وہ جان گئی تھی کہ مزاحمت بیکار ہے، بات سن لینے میں حرج نہیں۔

''لیلیٰ......'' حمزہ کی سرگوشی پر لیلیٰ نے سر اٹھا کر دیکھا یہ حمزہ کا کونسا روپ تھا آج سے قبل تو لاابالی اور شریر سا ہی دکھتا تھا، یہ چاہتوں کے رنگ کہاں سے آن سمائے تھے اس کی نگاہوں میں۔

''ہوں......'' حمزہ کے بار بار پکارنے پر اس نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔

''لیلیٰ میرے ساتھ چلو گی؟''

''کہاں؟''

''کہیں بھی کسی پر فضا رومانٹک مقام پر آج دل چاہ رہا ہے اپنی خوشی کے ساتھ اپنی خوشی شیئر کرنے کو''۔

''کیسی خوشی؟'' لیلیٰ نے حیرت سے دریافت کیا۔

''تمہیں پتہ ہے میں نے جس کمپنی میں اپلائی کیا تھا وہاں سے اپائنٹمنٹ لیٹر آ گیا ہے''۔

''سچ''۔ لیلیٰ کا ردعمل اس کی توقع کے عین مطابق تھا خوشی سے کھل اٹھی، لیلیٰ کی بے اختیارانہ حرکت نے حمزہ کی خوشی کو دوبالا کر دیا۔

''تمہیں پتہ ہے میں نے ابھی تک اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کیا، سب سے پہلے تمہیں بتایا ہے اب تم بتاؤ میرے ساتھ چلنا ہے کہ نہیں انکار کی گنجائش نہیں''۔ لیلیٰ کو منہ کھولے دیکھ کر حمزہ نے تنبیہہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے منہ پر ہاتھ بھی جما دیا تھا، لیلیٰ نے آنکھوں سے اثبات کا اشارہ کیا، تب حمزہ نے ہاتھ ہٹا کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا وہ حمزہ کے سینے سے جا لگی۔

''حمزہ! آج نہیں کل چلوں گی''۔ لیلیٰ خود کو چھڑا کے ستون کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''کیوں آج کیوں نہیں؟'' حمزہ نے اسے پھر پکڑنا چاہا مگر ناکام رہا۔

''آج عناس! ڈیپریسڈ ہے میں اس کے پاس رہنا چاہتی ہوں''۔

''کیوں ایسا کیا؟''

''ارے ہاں تمہیں پتہ ہے حمزہ! عناس کا نکاح ہو رہا ہے لالہ کے ساتھ''۔ وہ فرط شوق سے پھر اس کے قریب چلی آئی تھی مگر اب کی بار حمزہ نے کوئی حرکت نہ کی وہ تو بریکنگ نیوز میں ہی کھو گیا تھا، زیدین کی شادی کی

خبر ہر ایک کے لئے دھماکہ خیز ہوئی تھی۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''عناس نے خود بتایا ہے اس کے سامنے تمام بات ہوئی ہے''

''لیکن لیلیٰ! حنا ، آپی تو طوفان اٹھادیں گی''۔ جو بھی یہ بات سنتا اسے پہلی فکر حنا کے ردعمل کی ہوتی تھی۔

''نہیں اب وہ کچھ نہیں بولیں گی ان کا غرور و نخرہ اب نکل چکا ہے لالہ نے ان سے شادی سے صاف انکار کردیا ہے، یہ بات لڑکی کے لئے معمولی نہیں ہوتی کہ اسے ٹھکرا دیا جائے''۔ اس کی بات پر حمزہ مسکرانے لگا۔

''اور کسی لڑکے کے لئے بھی یہ بات معمولی نہیں ہوتی کہ وہ اپنی منگیتر کو ڈنر کی آفر کرے اور وہ انکار کردے''۔

''حمزہ! میں نے انکار تو نہیں کیا بس آج کے لئے معذرت کی ہے تم کہتے ہو تو آج ہی چلے چلتے ہیں''۔

''نہیں نہیں لیلیٰ! پیار میں زبردستی نہیں ہوتی کل چلیں گے تیار رہنا اور سنو صفو کو پتہ نہ چلے وہ بی بی سی سارے محلے کو بتادے گی''۔ لیلیٰ مطمئن ہو کر مسکرادی۔

☆☆☆☆

عناس اپنی دھن میں چلی جارہی تھی کہ سیڑھیوں سے اترتے ذون سے بری طرح ٹکرا گئی ذون نے دعا کو اٹھا رکھا تھا۔

''سنبھل کر بھئی''۔ عناس نے خود کو سنبھال کر سر اٹھایا اس کے سامنے سبز آنکھوں والا وجیہہ نوجوان کھڑا تھا وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی کیونکہ وہ ابھی تک ذون سے متعارف نہیں تھی پھر ذون کی گود میں سات سالہ دعا بھی تھی اسے بھی عناس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

''آپ دونوں کون ہیں؟'' عناس نے ایسے سوال جھاڑا جیسے وہ حویلی کی برسوں سے مکین ہو اور سامنے کوئی اجنبی آ گیا ہو حالانکہ یہ سوال ذون کو پوچھنا چاہئے تھا ذون نے دلچسپی سے کوٹ اور اسکارف میں خود کو لپیٹے عربن ناک نقشے والی دوشیزہ کو دیکھا۔

''ہم جو ہیں سو ہیں چلو پاکستانی تو ہیں پر آپ عربی روپ چرا کر کہاں سے آئی ہیں؟''

''میں عناس ہوں''۔ عناس نے ایسے کہا گویا وہ کوئی معروف شخصیت ہو کہ محض نام بتانے سے ہر کوئی اسے پہچان لے گا،

''اچھا آپ عناس ہیں میں ذون ہوں اور یہ دعا ہیں''۔ ذون نے اسی کے انداز کا تمسخر اڑاتے ہوئے اسی کے انداز میں اپنا تعارف کرایا۔

''یہ بچی بہت پیاری ہے''۔ عناس نے ذون کی گود میں سوار دعا کو پیار سے دیکھا جو شاید کم گو بچوں میں شمار ہوتی تھی تبھی تو ان دونوں کے مابین لایعنی گفتگو کے تبادلے کے دوران کوئی آواز تک نہ آئی تھی۔

''یہ بچی بھی پیاری ہے''۔ ذون نے جواباً اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے ساختہ کہا عناس جھینپ گئی۔

''دو بچوں میں آپ کیا کررہے ہیں؟'' عناس اس احساس کے تحت بے تکلفی سے بولی کہ وہ حویلی میں کھڑا ہے تو یقیناً حویلی کا ہی کوئی فرد ہوگا۔

''میں دو پیاری بچیوں کو دیکھ رہا ہوں''۔ ذون حویلی کے دیگر افراد کی طرح طویل بات کرنے اور ہر بات کے ذومعنی کرنے کا عادی تھا عناس اچھا خاصا عاجز آ چکی تھی۔

''ذون کہاں چلے گئے ہو؟'' قریب تھا کہ عناس ذون کو ڈپٹ دیتی یا ذون مزید پھیلنے کا اہتمام کرتا کہ حنا

کی آواز نے دونوں کی توجہ کھینچ لی۔

''اسے کیوں اٹھالائے ہو میں نے اس کے کپڑے بدلنے تھے لاؤ مجھے دو''۔ حنا ، دعا کو اٹھانے کے بعد جیسے ہی مڑی تو عناس پر نگاہ پڑی۔

''عناس تم......'' وہ عناس کے حلئے سے فوراً پہچان گئی وہ اس واقعہ کو عناس ہی کی طرح آج تک نہ بھولی تھی زیدین کے اٹھے ہاتھ نے اس کے اندر کیا کیا طوفان نہ اٹھائے تھے، مگر عناس اسے نہ پہچان سکی تب کی حنا اور اب کی سنا میں فرق بھی تو زمین آسمان کا تھا، کہاں وہ تک سک سے تیار فیشن زدہ حنا اور کہاں یہ سادہ سے کپڑوں میں میک اپ سے بے نیاز اداس چہرے والی حنا۔

''تم کب آئیں؟''

''ایک ہفتہ ہوگیا ہے''۔ عناس نے جلدی سے جواب دیا۔

''کمال ہے مجھے خبر ہی نہیں ہوئی زیدین سے ملی ہو؟'' نا باوجود کوشش کے طنز سے باز نہ رہ سکی۔

''نہیں لالہ تو اسلام آباد میں ہیں''۔ عناس کے بجائے ذون نے جواب دیا، نا کو ذون کی موجودگی نے خجل کردیا وہ ذون کے سامنے اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اس کا مہرہ جو تھا۔

''بھابی! یہ کون ہے؟'' ذون کے تجسس میں کمی ہو ہی نہیں رہی تھی۔

''یہ رانیہ خالہ کی بیٹی ہے دبئی سے آئی ہے تم نہیں جانتے اسے تمہارے لالہ تو خوب اچھی طرح واقف ہیں''۔ حنا خود پر قابو رکھنے میں ناکام معلوم ہوتی تھی۔

''نہیں بھابی! میں نے تو پہلی بار دیکھا ہے کیوٹ ہے''۔ حسین مناظر کا دلدادہ ذون برملا تعریف کرنے کا عادی تھا۔

''ہائے عناس! میں ذون تمہارے ماموں ابوزرجاہ کا چھوٹا سپوت''۔

''اور زیدین کا بھائی بھی''۔ حنا نے اس کے تعارف کو آگے بڑھاتے ہوئے زیدین کا خصوصی حوالہ دیا، عناس کے تو فرشتوں کو بھی اس کے اندر کا علم نہ تھا اس نے ذون کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرکے آداب کے سے انداز میں ہاتھ ماتھے تک لے جا کر گرادیا۔

''اوہو نائس''۔ ذون کو اس کی ادا اچھی لگی ایک بار پھر تعریف کر گیا، حنا اس کے انداز کو بغور دیکھ رہی تھی ایک خیال کہ آتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''او کے ذون تم لوگ باتیں کرو اچھی اچھی سی میں چلتی ہوں وہ''۔ اچھی اچھی پر زور دیتی ہوئی واپس پلٹ گئی عناس اس کے جاتے ہی فکرمند ہوگئی کہ اس شوخ سے کیسے جان چھڑائے جو زیدین کا بھائی بھی تھا۔

''اور عناس! حویلی کیسی لگی؟'' ذون نے سیڑھیوں کی سائیڈ پر بازو ٹکاتے ہوئے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈا۔

''اچھی ہے''۔ عناس نے زمین کو دیکھتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''اور حویلی کے مکین؟'' ذون کے لہجے میں شرارت موجود تھی اور آنکھیں اس سفید چہرے پر مرکوز تھیں۔

''وہ بھی اچھے ہیں''۔ عناس نے ایک بار پھر مختصر جواب دیا۔

''اور میں......؟''

''آپ بھی اچھے''۔ عناس بے دھیانی میں بولتے بولتے رک گئی۔

''ہوں بولو''۔ ذون نے جلدی سے کہا۔

''اچھے ماموں کے بیٹے ہیں تو اچھے ہی ہوئے ناں''۔ عناس نے فوراً بات بنائی ذون کا قہقہہ بے ساختہ تھا

اورعناس کے دوڑنے کا انداز بھی دیکھنے لائق تھا۔

☆☆☆☆

''عناس! ان پیپرز پر سائن کردو''۔ عناس اپنے کمرے میں لیٹی عربی سونگ سن رہی تھی کہ اچانک کمرے میں امی، ابو، تائی ماں، شاہجہانی، صہیب جاہ، شہوار اور مولوی ٹائپ کے آدمی داخل ہوئے، عناس فوراً سر پر اسکارف لئے اس ناگہانی آفت پر بوکھلا سی گئی شاہجہانی نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بلاتمہید اس کے سامنے کاغذات رکھ کر سائن کرنے کو کہا تھا۔ عناس نے ماں کی طرف دیکھنا چاہا مگر فرط حیا و گھبراہٹ سے سر نہ اٹھا سکی، نکاح کے ہونے کا تو اسے علم تھا، مگر یوں آناً فاناً سر پر بم پھوڑا جائے گا یہ اس کے علم میں نہیں تھا، ماں کے ساتھ بے تکلفی کے باوجود اس معاملے میں ماں نے اسے نہ جانے کیوں اندھیرے میں ہی رکھا تھا اور ماں کا اعتماد بھی کیا خوب تھا کہ باوجود تحفظات اور خدشات کے اس نے ماں باپ کی مرضی کے آگے ایک لفظ تک نہ کہا تھا۔ عناس کے کانپتے ہاتھوں نے کب سائن کردیئے کب آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ گئی، کس نے گلے لگایا، تسلی دی اسے تو جیسے کچھ بھی خبر نہ تھی، بس کانوں میں تائی ماں کے الفاظ گونجتے رہے۔

''جو اولاد ماں باپ کا مان بڑھاتی ہے، اللہ ان کے بخت کو بلند کرتا ہے ایک خوشی جو اولاد کی فرمانبرداری ماں باپ کو دیتی ہے، اسے بدلے میں خوشیوں کے کتنے خزانے میسر آتے ہیں یہ اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھنا''۔ سب کے کمرے سے چلے جانے کے باوجود ایک شفقت سے بھرا ہاتھ اس کے سر پر ٹکا رہا، وہ یونہی بے حس و حرکت سر جھکائے بیٹھی رہی کہ شاہجہانی کی آواز نے کمرے کے سکوت کا پردہ چاک کیا۔

''عناس بیٹی! میری بات غور سے سنو، اس حویلی کی تاریخ بہت پیچیدہ ہے اس میں ہزاروں داستانیں بکھری ہیں، انہیں کھولنے کی کوشش مت کرنا، بس اپنے مستقبل کو خوشگوار رکھنے کی آرزو کرنا اور توجہ دینا زیدین سے تمہارے تعلق کا ہمارا فیصلہ کتنا بہترین تھا یہ تمہیں وقت بتائے گا زیدین وہ ہیرا ہے جو ہر عورت اپنے بخت کے ہار میں پرونا چاہتی ہے، ماضی میں الجھنے کی بجائے حال کو جینا سماعت و بصارت کو زیدین سے منسلک کردینا، وہی سننا جو وہ کہے ورنہ یہاں تمہیں ہر روز نئی کہانی سے واسطہ پڑے گا''۔ شاہجہانی اس کا سر تھپتھپاتے باہر چلے گئے، اس کے آنسوؤں نے تو تمام بند ہی توڑ دیئے اپنی انفرادیت کی رخصتی پر اس کے آنسو بہتے چلے گئے۔

☆☆☆☆

''ذون! نیچے ہال میں لالہ کے نکاح کی تقریب ہو رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو''۔ زوار نے لائٹ آن کی ذون بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا تھا، زوار نے اس کا پاؤں ہلایا مگر ذون نے کچھ حرکت نہ کی۔

''ذون! نیچے چلو لالہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں؟'' زوار نے اسے تقریباً جھنجھوڑتے ہوئے اطلاع دی مگر وہ آنکھیں کھولنے کا بھی روادار نہ تھا۔

''ذون! اگر یہ مذاق ہے تو نہایت بھونڈا سا ہے''۔ زوار نے ذون کے سر کو تکیہ سے اٹھا کر واپس پٹخ دیا۔

''زوار! جاؤ یہاں سے مجھے تنگ مت کرو''۔ ذون نے بیزارگی سے کہتے ہوئے کروٹ لے لی۔

''لیکن ذون! ہوا کیا ہے بتاؤ تو سہی، آج لالہ کا نکاح ہے اور تمہیں ذرا خوشی نہیں الٹا منہ بنائے پڑے ہو''۔

''اس میں خوشی کی کونسی بات ہے؟''

''کیا مطلب ہے تمہیں لالہ کی زندگی میں آنے والی تبدیلی سے خوشی نہیں ہوئی''۔ زوار کو اس کے رویئے سے از حد حیرت ہو رہی تھی، کہاں لالہ پر جان چھڑکنے والا ذون اور کہاں لالہ کی خوشی کے دن منہ بسورتا اس کا

رویہ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ معاملہ کیا ہے۔

''ذون! اگر تمہیں یاد نہیں تو میں یاد کرا دیتا ہوں کہ لالہ صرف تمہارے بھائی نہیں باپ جیسے بھی ہیں، تم دونوں بھائیوں کی خوشیوں کے لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی تیاگ دی، تم ہی کیا اس حویلی کی خاطر انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا اور آج جب انہوں نے اپنے لئے ایک ذرا سی شمع روشن کرنے کی کوشش کی ہے تو تمہاری خود غرضی کا یہ عالم ہے''۔ زوار کا ہر لفظ اسے غرق کئے دے رہا تھا، وہ خود غرض نہ تھا ہاں کم عقل ضرور تھا۔

''زوار! تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں لالہ کی خوشی میں خوش نہیں ہوں، لیکن اس ایج میں ایسی بچکانہ حرکت وہ بھی لالہ سے میرے لئے قابل قبول نہیں، شادی کرنے کے لئے اپنی عمر سے چوتھائی عمر کی لڑکی ہی کیا ضروری تھی''۔ ذون کی نگاہوں کے سامنے عناس کی شبیہہ تھی اسے جب سے یہ خبر ملی تھی وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا، لالہ سے ملاقات تک نہ کی تھی، جبکہ زیدین نے اس کے انتظار میں ابھی تک نکاح نامے پر سائن بھی نہیں کئے تھے۔

''ذون! عمر کا ایشو خوب اٹھایا تم نے کیا فرق پڑتا ہے اس بات سے اصل چیز تو لالہ کی پسند ہے کیا یہ کافی نہیں؟'' زوار کو اس کی سوچ پر تاسف ہوا۔

''لیکن زوار! لالہ کے لئے ایسی لڑکی موزوں نہیں''۔

''لالہ کے لئے کیا موزوں ہے کیا نہیں یہ ان پر چھوڑ دو اور تم بہتر جانتے ہو کہ لالہ ناممکن کو ممکن بنانے والی شخصیت ہیں، تم صرف یہ بتاؤ کہ تمہارا ارادہ کیا ہے''۔ زوار اب کچھ اس کی دلی کیفیت سے سمجھ چکا تھا۔

''میں کیا کروں لالہ نے مجھ سے پوچھا تک نہیں؟'' ذون نے نیا بہانہ تراشا، جو خود اس کی نظر میں بھی فضول سا تھا۔

''تم نے شادی کرتے وقت لالہ سے پوچھا تھا؟'' زوار نے طنزیہ کہا، ذون نے اس کی طرف دیکھا زوار کی تمسخرانہ ہنسی نے اس کا سر جھکا دیا وہ جانتا تھا کہ یہ خیال حاضرین محفل کے ہر فرد کے دل میں ہوگا اور وہ مزید کسی کو بولنے کا موقع دیئے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔

ذون اور زوار ہال کمرے میں داخل ہوئے تو سامنے ہی زیدین وائٹ کلف لگی شلوار قمیص میں ملبوس کاندھے پر اجرک اوڑھے شاندار انداز نشت اور ہاتھ میں قلم اور کاغذات لئے بیٹھا تھا، ذون کو ایک نظر دیکھ کر پھر سے صہیب سے مصروف گفتگو ہو گیا، ذون خاموشی سے زیدین کے برابر جا بیٹھا، جو زیدین نے اس کے لئے خالی کر رکھی تھی، وہ اگرچہ ذون سے بات نہیں کرتا تھا، مگر اس کی ہر ضرورت کا پہلے ہی کی طرح خیال رکھتا تھا، اس کے ساتھ بیٹھتے ہی ذون انتہائی شرمندگی کے احساس میں گھر گیا۔

''شاہجہانی! ایک بار اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرلیں زوبیہ بہت شور مچائے گی''۔ تانیہ چچی کو زوبیہ کی انتہائی فکر تھی، وہ یہ بات کوئی دسویں بار دہرا چکی تھیں، زوبیہ اس وقت اپنے شوہر کے ساتھ فارن میں تھیں اور اس تمام واقعے سے لاعلم بھی، حنا نے نکاح کی خبر سنتے ہی انہیں فون کیا تھا، مگر رابطہ نہ ہو سکا وہ اپنے کمرے میں بند تھی نہ خود آئی اور نہ ہی کسی نے اسے بلایا تھا، شاہجہانی کو یہ موقع مناسب لگا کہ زوبیہ کی غیر موجودگی میں فوراً نکاح کر دیا جائے اسی لئے زیدین کے آتے ہی یہ فریضہ انجام دیا جا رہا تھا، جس میں ہر حاضر تقریب کے دل میں خدشات اور وسوسے تھے۔

''شاہجہانی! کوئی کیا کرتا ہے اور کیا کر سکتا ہے مجھے پرواہ نہیں شور مچانے کی ریت اس حویلی میں بہت پرانی ہے، مگر وہ وقت گزر گیا جب ناحق، حق پر غالب آ جاتا تھا اب سے حویلی کی روایات ہم نبائیں گے''۔ زیدین کا

وہی دوٹوک انداز جس کے سامنے کوئی کچھ کہنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، سب کی من کی من اندر ہی دفن ہوگئیں اور زیدین نے نکاح نامے پر سائن کر دیئے، مبارک سلامت کی صداؤں میں زیدین کا ہر چاہنے والا اس سے بغل گیر ہوا ینگ پارٹی کا جوش اپنے عروج پر تھا، شرارتوں کی کوئی حد تھی نہ غل غپاڑے میں کوئی کمی، زیدین کے لبوں پر بھی ایک دھیمی سی مسکراہٹ ذون کے اندر اتر گئی اسے لگا وہ ندامت سے مٹی ہو گیا ہو، وہ آگے بڑھ کر زیدین کے گلے لگنے کی خود میں ہمت نہ پاتا تھا، مگر اس کی نگاہ میں حیرت کا سمندر موجزن تھا، کیا لمحہ تھا جب زیدین نے اسے نظر بھر کے دیکھ کر اپنا بازو وا کئے تھے برق میں بھی کیا تیزی ہوتی جس تیزی سے ذون اس کے بازوؤں میں سما گیا تھا، دونوں کے مضبوط ہاتھوں نے ایسے ایک دوسرے کو بھینچ لیا تھا جیسے اب کبھی جدا نہ ہوں گے ذون کی آنکھوں سے اشک رواں تھے تو زیدین کے سپاٹ دل پر بھی آرے چل رہے تھے، ذون خواہ مخواہ ہی عناس کا مشکور تھا جس کے باعث یہ دن آیا تھا۔

☆☆☆☆

آہٹ پر عناس نے سر اٹھایا تو دنگ سی رہ گئی گم صم تو وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے تھی مگر سامنے کھڑی شخصیت نے اسے حیرت زدہ کر دیا حتنا کا اس کے کمرے میں آنا کوئی نظر انداز کئے جانے والی بات تو نہ تھی، حتنا کا اس سے رویہ عجیب و غریب تھا، وہ عناس کو مخاطب تو نہیں کرتی تھی، مگر جب وہ جہاں دیکھتی نگاہوں کی کاٹ وطنزا سے پریشان ضرور کر دیتے، وہ حتنا کے رویئے کی اصل وجہ سمجھنے سے قاصر تھی، ایسے میں اس کے نکاح کے وقت کی آمد اور کنفیوژ و مشکوک سی لگ رہی تھی۔

"مبارک ہو نکاح کی"۔ اس نے نکاح کا لفظ چبا چبا کے ادا کیا، عناس کو کچھ سجھائی نہ دیا کہ اسے تلخ لہجے اور چبھتی نگاہوں کا کیا جواب دے؟"

"خوب عربی ہونے کا ثبوت دیا ہے تم نے عربی ہر کام میں افضل ہیں"۔

"میں عربی نہیں ہوں بس پہناوا ان کا سا ہے"۔ عناس نے پہلی بار زبان کھولی اور اس کی بات کی نفی کی۔

"چلو لباس بھی تو تمہارا بہت ڈیفرنٹ سا ہے فوراً متوجہ کرتا ہے بڑوں کو"۔ اس نے بڑوں پر خاص زور دیا، عناس کے لئے وہ معمہ بنتی جا رہی تھی، اس وقت سب لان میں دعوت شیراز سے لطف اندوز ہو رہے تھے، جو زیدین کے نکاح کی خوشی میں شاہجہانی کی طرف سے منعقد تھی، حتنا اسی وقت سے فائدہ اٹھا کر اس کے پاس چلی آئی تھی اور اب دل کی بھڑاس خوب نکال رہی تھی۔

"ویسے بڑی زیادتی ہے تمہارے ساتھ تمہاری زندگی کا اتنا اہم دن ہے اور نہ تو تمہیں تیار کیا گیا ہے نہ ہی تقریب وغیرہ میں لے جانے کی زحمت، دلہن غائب ہے باقی سب دنیا دعوت مشروبات کے مزے اڑا رہی ہے"۔

"وہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو"۔ عناس کی ایسی مدلل سی آواز برآمد ہوئی جیسے اس کے سامنے کوئی اعلیٰ وارفع ہستی ہو، جس کے آگے بولنے کی گستاخی کی وہ مرتکب ہو رہی ہو۔

"یہ ٹھیک ہے زیدین کی عمر کا تقاضہ یہی ہے کہ سادہ سی تقریب ہو، لیکن سب کو تمہاری عمر وجذبات کا بھی تو خیال رکھنا چاہئے لیکن یہاں تو ایسا لگ رہا ہے جیسے نکاح نہیں ماتم ہو رہا ہو"۔ اس کی گل افشانیاں اسے تپائے دے رہی تھیں مگر پتہ نہیں کیوں اس سے کچھ بولا تک نہیں جا رہا تھا۔

"تم دیکھو نیچے جا کر کیسے رونا دھونا ہو رہا ہے، بھئی خوشی کے موقع پر مرے ہوؤں کو یاد کرنے کی کیا تک؟ پر نہیں جناب زیدین کو تو دوسروں کی خوشیاں تباہ کرنے کی عادت ہے اس نے ہماری شادی پر بھی یونہی کیا تھا،

ناراض ہو کر کمرے میں بند ہو گیا تھا اور شاہجہانی نے اپنے لاڈلے کے پیچھے تمام حویلی کو ایک ٹانگ پر کھڑا کر دیا تھا، عناس میری شادی تھی میری زندگی کا اتنا اہم دن، لیکن کسی نے کوئی خوشی نہ منائی یہاں تک کہ ذولنواس نے کپڑے تک نہ بدلے تھے، انہیں ساری زندگی اس بات کا قلق رہا کہ ان کے بھائی نے ان کی خوشی ملیامیٹ کر دی اور اسی زیدین نے ذوالنون کے ساتھ بھی یہی کیا، اس کی شادی سے بائیکاٹ کر دیا، اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود ذون کو کورٹ میں جا کر شادی کرنا پڑی زیدین کسی کو خوش نہیں ہونے دیتا"۔ اس کی داستان چہار درویش جاری تھی، آنکھوں سے اشک پانی کی مانند بہہ رہے تھے، آواز کی کپکپاہٹ الگ اس کی ہر بات پر سچائی کی مہر ثبت کر رہی تھی، عناس کے ہمدرد دل نے فوراً ہر بات کو من وعن تسلیم کر لیا، وہ پانی کا گلاس لے کر اس کے پاس آ بیٹھی اور گلاس تھما کر اس کا ہاتھ نرمی سے دبانے لگی، اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا پھر عناس کی طرف دیکھ کر پہلی بار مسکرائی۔

"عناس! تم بہت پیاری اور معصوم ہو، میں تمہیں دکھ دینا نہیں چاہتی جو کہا اسے بھلا دینا"۔

"نہیں نہیں آپی! آپ بیٹھیں"۔ عناس نے بیڈ سے اٹھتی حتنا کا ہاتھ تھام کر پھر بٹھا دیا۔

"آپی! وہ آپ کی شادی پر خوش نہیں تھے؟" عناس کے حسب توقع سوال پر اس کو اطمینان سا محسوس ہوا۔

"ہاں عناس! وہ خوش نہیں تھا"۔

"کیوں؟" عناس کے سوالات کی ٹرین چل پڑی تھی۔

"دراصل عناس! بات یہ ہے کہ زیدین اور میری منگنی بچپن سے طے تھی وہ مجھے بہت پسند کرتا تھا لیکن"۔

اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی، عناس نے بیتابی سے اس کا بازو دبایا۔

"لیکن کیا؟ کیا ہوا بتائیں ناں؟" حتنا اس کی بے قراری پر مسکرا دی اور مزید گویا ہوئی۔

"لیکن عناس! زیدین بہت آوارہ صفت دل پھینک تھا ابو کو اس کی عادات پر بہت اعتراض تھا، اس کے شر سے تو خاندان کی لڑکیاں تک محفوظ نہ تھیں، ابوذر ماموں نے اسے بہت سر چڑھا رکھا تھا، ابھی وہ ساتویں میں تھا کہ اس نے اپنے رنگ ڈھنگ دکھانا شروع کر دیئے، نانا ابو کی اس سے ہر وقت ٹھنی رہتی تھی، اکثر وہ مجھ سے بھی حد سے بڑھنے کی کوشش کرتا، لیکن مجھے یہ سب گوارہ نہ تھا ان سب باتوں کے باوجود میں اس سے شادی پر تیار تھی ہر ایک اس کی داستان آوارگی سنا تا امی، ابو کی ناراضی کے باوجود میں یہ ہی سمجھتی رہی کہ وہ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گا، مگر اسی دوران اس نے ایسی حرکت کی کہ میرا دل مزید بوجھ نہیں سہار سکا اور میں نے اس سے شادی سے انکار کر دیا۔

"کیا حرکت کی تھی؟" عناس کی بے صبری عروج پر تھی، اس نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا پھر گہرا سانس لے کر بولی۔

"میں تمہیں بتانا تو نہیں چاہتی عناس! آخر وہ تمہاری زندگی سے منسلک ہو چکا ہے، تمہارے اس کے بارے میں جذبات خوش آئند ہوں گے لیکن عناس میں ہر ایک کی طرح تمہیں اندھیرے میں بھی نہیں رکھنا چاہتی، یہاں سب نے زیدین کی تعریفوں کے پل باندھے ہوں گے اور تمہیں خوب سچ جھوٹ سنایا ہوگا، مگر عناس میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں، آخر میں ماں ہوں مجھے تم میں اپنی بیٹی دعا کا چہرہ نظر آتا ہے"۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی اس کے دل میں اعتبار کے بیج بوتی کتنی اپنی اپنی سی لگ رہی تھی، عناس کو اب اس سے اپنائیت محسوس ہونے لگی تھی خوف و الجھن کا کہیں نام تک نہ تھا۔

''آپ بتائیں ناں کہ کیا حرکت کی تھی؟'' وہ بات کو واپس اپنے پوائنٹ پر لے آئی۔

''میں نے اسے عدی کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھا تھا اس نے عدی کو بالکل دبوچ رکھا تھا اور......'' اس کی ادھوری بات کے باوجود عناس کوئی سوال کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی وجود تھا کہ گم صم، آنکھیں تھیں کہ پھٹی پڑ رہی تھیں اور کمزور دل تھا کہ دھڑکنا بھول گیا تھا، اس نے اس کا کندھا ہلایا۔

''عناس! میں جانتی ہوں تمہیں شاک لگا ہے لیکن یہ سب بتانا بھی تو ضروری تھا''۔

''آپی یہ عدی کون ہے؟'' عناس نے اسی کیفیت میں کانپتے لبوں سے دھیرے سے دریافت کیا۔

''وہ اشعر ماموں کی بیٹی ہے عدو یہ ماں باپ کے انتقال کے بعد اسی حویلی کے ایک کونے میں پڑی رہتی ہے، تبھی تو زیدین نے اسے نشانہ بنایا، وہ جانتا تھا کہ اپنی ذات میں قید عدی کسی سے بھلا کیا کہے گی اور اگر کہے گی بھی تو یقین کون کرے گا، وہ تو اتفاق سے میں وہاں پہنچ گئی ورنہ تو مجھے بھی ساری زندگی اس بات کا علم نہ ہوتا اور عناس میری محبت دیکھو کہ میں نے زیدین سے منگنی تو توڑ دی، مگر کسی کو اصل وجہ نہ بتائی، بلکہ خود ہی پر الزام لیتی رہی آج بھی سب یہی سمجھتے ہیں کہ میں نے ایسے ہی منگنی توڑ دی، اصل بات یا تو میں جانتی ہوں یا پھر آج کے بعد تم''۔ عناس کے کوئی رسپانس نہ آنے پر اس نے اپنی بات کو مزید آگے بڑھایا۔

''منگنی ٹوٹنے کے بعد میں نے ذوالنواس سے شادی کر لی، کیونکہ ابوزر ماموں کے انتقال کے بعد وہ دونوں بھائی بے حد اکیلے اور رنجیدہ تھے، ذون ہر وقت میلا کچیلا حویلی میں پھرتا اسے کوئی پوچھتا تک نہ تھا، زیدین کو تو اپنی رنگ رلیوں سے ہی فرصت نہ تھی، میں نے صرف ان کے گھر کے بکھرے شیرازے کو سمیٹنے کے لئے ذوالنواس سے شادی کی لیکن زیدین نے اسے انا کا مسئلہ بنالیا، ذوالنواس سے قطع تعلق کرلیا اسے اس بات کا انتہائی صدمہ تھا اور یہ صدمہ اس کی جان لے کر رہا، جوان بھائی کے مرنے کے بعد بھی زیدین کی روش میں کچھ فرق نہ آیا اس کی بے التفاتی سے عاجز آکر ذون نے اپنی پسند سے شادی کر لی زیدین نے اس کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ اسے مجبوراً اپنی بیوی کو طلاق دینا پڑی، زیدین اپنے بھائیوں کے حق کا غاصب ہی نہیں ہے، تمام پراپرٹی کا زبردستی مالک ومختار بھی بن بیٹھا ہے، ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے باوجود دونوں چھوٹے بھائی اپنی ذرا ذرا سی ضرورت کے لئے زیدین کے آگے ہاتھ پھیلایا کرتے تھے، اور اب تم سے شادی بھی وہ اسی لئے کر رہا ہے کہ......'' اس نے پھر اہم موڑ پر بات چھوڑ دی، وہ عناس کو مکمل طور پر اپنی طرف متوجہ رکھنے کے لئے ایسا کر رہی تھی، عناس نے سکوت پر چونک کر سر اٹھایا۔

''کیوں کر رہے ہیں وہ مجھ سے شادی؟'' اس سوال نے تو خود کئی دنوں سے اسے بے چین کر رکھا تھا وہ جاننا چاہتی تھی کہ زیدین نے شادی کے لئے اسی کا انتخاب کیوں کیا؟''

''کیونکہ ذون تمہیں پسند کرنے لگا تھا''۔

''جی......'' اس کے انکشاف نے عناس کے لئے اور بھی مشکل پیدا کر دی، وہ جان نہ پائی کہ بھاگنے کے لئے کونسا راستہ تلاش کرے اور اس عفریت سے جس کا نام اس کے نام سے جڑ گیا تھا، کیسے جان چھڑائے۔

''ہاں شاید ذون نے اسے اپنی پسند سے آگاہ کیا ہوگا، اور تب ہی اس نے آناً فاناً یہ نکاح کا ڈھونگ رچا لیا اپنے بھائیوں کو وہ کہاں خوش دیکھ سکتا ہے؟''

''لیکن وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' عناس کی تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی حالت تھی انکشافات نے اسے نیم جاں سا کر دیا تھا۔

''عناس! وہ جنونی انسان ہے نفسیاتی مریض، اسے اذیت دے کر سکون ملتا ہے، وہ تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہے تم نہیں جانتیں مجھے تو خدا نے دوسری بار بھی اس کے چنگل سے بچا لیا مگر تم، خدا تم پر رحم کرے''۔ ہمدردی کے ان بولوں کا سننا تھا کہ کتنی دیر سے ضبط کئے آنسوؤں کو راہ مل گئی، خوف وصدمے نے اس کی حالت غیر کر دی تھی، بے اختیار وہ حنا کے بازو پر سر ٹکائے روئے چلی گئی، اس نے کمال شفقت کے ساتھ اس کے سر کو اوپر اٹھا کر اس کے آنسو پونچھے۔

''عناس! میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں، تمہارا نکاح تمہارے پاؤں کی زنجیر ہے، منگنی کی انگوٹھی ہاتھ سے کھینچ لینا آسان تھا، وہ میں نے کر دیا دوسری بار بھی سب زیدین سے شادی پر مصر تھے مگر میری ایک ناں نے میری زندگی سہل کر دی مگر تم تو اپنا ہر اختیار زیدین کے نام کر چکی ہو''۔

''آپی! میں کیا کروں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے میں کس سے کہوں کیا کروں''۔ عناس کی حالت دیوانوں کی سی لگتی تھی وہ بے ربط بولتی ذہنی خلفشار کی انتہا پر تھی، خوفزدہ تو وہ زیدین سے ہمیشہ سے تھی مگر آج کے انکشافات کے بعد تو زیدین کی دہشت اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''عناس! ابھی صرف تمہارا نام اس سے جڑا ہے خود کو اس جال میں مزید مت الجھانا، واپسی کے لئے روزن کھلا رکھنا''۔ اس کی بات اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی، حنا اس کے خالی چہرے سے اخذ کر چکی تھی کہ دماغی لیول زیادہ ہائی نہ تھا۔

''عناس! میری بات سمجھ رہی ہو، اسے اپنے وجود پر اختیار مت دینا''۔ اس کی سرگوشی نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے، ابھی تک تو وہ پتہ نہیں کونسے دکھڑے رو رہی تھی، اصل ٹینشن تو اب شروع ہوئی تھی وہ سر سے پاؤں تک پسینے میں ڈوب گئی۔

''عورت کا تغافل مرد کے لئے زہر قاتل ہوتا ہے اور زیدین جیسا بھرپور ایگو رکھنے والا شخص تمہارے ایک قدم پیچھے ہٹنے پر سو قدم دور جائے گا، اس کی دوری میں ہی تمہاری زندگی کا سکھ ہے''۔ اس نے پہلی بار زیدین کے بارے میں صحیح تجزیہ کیا، مگر اس انداز میں کہ عناس کو وہ بھی منفی ہی لگا وہ جا چکی تھی مگر اس کے گرد بازگشت جاری تھی۔

☆☆☆☆

صہیب جاہ کی مہندی زور وشور سے جاری تھی عناس کی عدم موجودگی سبھی کے لئے باعث تشویش تھی، مسکراہٹیں، شوخیاں اپنی جگہ مگر فکر و پریشانی بھی کم نہ تھی زیدین کا نکاح کوئی معمولی بات نہ تھی طوفانوں کی آمد سے پہلے کا سناٹا ہر سمت تھا۔ ہرنی جیسی عناس کا سہما سہما انداز الگ سب کے لئے حیرت کا باعث تھا، نکاح کے بعد زیدین کا دلکش التفات ینگ پارٹی کے لئے بہت اٹریکٹو تھا، وہ سب کی موجودگی کے باوجود اپنی منکوحہ سے ملنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا، صفیرا اور لیلیٰ اس کی مددگار کے طور پر ساتھ موجود تھیں، زیدین کے بند کمرے کو ناک کرنے کا انداز بھی دلفریب تھا لیلیٰ اس کی مدد کے خیال سے اپنے کمرے میں گھس گئی، مگر اندر کے منظر نے رومانس سے سجے ماحول کی ایسی تیسی کر دی۔ عناس سر تک چادر لپیٹے اوندھا لیٹی تھی۔

''عناس! اٹھو حلیہ درست کرو لالہ تم سے ملنے کے لئے آئے ہیں''۔ لیلیٰ نے اس کی چادر کھینچی اور کان میں شریر سی سرگوشی کی ملنے کے لفظ پر لیلیٰ کی ادائیگی معنی خیزیت سے پر تھی۔ مگر سپاٹ چہرے اور جان بوجھ کر بند رکھی ہوئی آنکھوں نے سارے سحر کو توڑ دیا، کافی تگ ودو کے بعد مایوس لیلیٰ نے زیدین کو اس کی ناسازی طبیعت کی

خبر دی، زیدین چند لمحے سوچنے کے بعد واپس لوٹ گیا۔ اور آج دوسرے دن بھی عناس کی مستقل کمرہ بندی کے بعد لیلیٰ کو تائی ماں نے اسے بزور لانے کو بھیجا مگر وہ حقیقی بخار کے باعث تپ رہی تھی اس نے واپس آ کر اطلاع دی۔

''کیا ہوا اس کی طبیعت کو کیسے خراب ہوئی؟'' صفیرا نے بے تکا سا سوال کیا۔

''محترمہ! انسانوں کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے، مگر آپ پر تو جن کا سایہ ہے آپ کو کیا پتہ ان عوامل کا''۔ زوار نے تیر پھینکا جو حسب معمول نشانے پر لگا۔

''اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ جن خوبصورت لڑکیوں پر عاشق ہوتے ہیں''۔ صفیرا کہاں پیچھے رہنے والی تھی اترا کر گویا ہوئی۔

''اے خوبصورت لڑکی! تو دیکھو سارا میک اپ کا کمال ہے، حسن تو ہمارا تھا، اللہ کا دیا ہوا خالص ترین''۔ زوار کے دل کی بھڑاس بالی ماں نے نکال لی، نتیجتاً زوردار قہقہوں نے صفیرا کو بتا دیا۔

''جی جی بالکل بالی ماں کا حسن تو ایسا تھا کہ انہیں تمام کوؤں کی ملکہ کہاں جاتا تھا''۔ صفیرا کی توپ کا رخ بالی ماں کی طرف مڑ گیا تھا۔

''صفو! تمیز سے بات کرو بڑی ہیں تم سے''۔ تائی ماں نے گھر کا ایک تو ان کی ڈانٹ اوپر سے زوار کی چڑاتی ہوئی ہنسی وہ غصے سے اٹھی جانے والی تھی کہ جویریہ نے ہاتھ پکڑ لیا۔

''بیٹھو صفو! ابھی گانوں کی پریکٹس باقی ہے، مقابلہ بھی تو کرنا ہے''۔

''نہیں اب ہرگز اس گروپ میں شامل نہیں ہوں گی''۔ صغیرا نے نفی میں زور سے سر ہلایا۔

''اے صفو! آرام سے ساری جوئیں مجھ پر گر رہی ہیں''۔ حارث نے مصنوعی کپڑے جھاڑے۔

''میں تجھے بھی جوؤں کی طرح مسل دوں گی''۔ صفیرا نے جوئیں مارنے والے انداز میں دونوں انگوٹھوں کے ناخن آپس میں رگڑے۔

''خواہ مخواہ اتنی تکلیف کرو گی صفو! بس دور سے ہی اپنا چھری نما ناخن دکھا دو ہیبت سے کون کون نہ مر جائے گا''۔ زوار نے مزید تیلی دکھائی۔

''نہیں میرا نہیں خیال کہ حارث کو کچھ ہوگا''۔ حفصہ نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ سب اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

''کیوں؟'' تیمور نے سب کی ترجمانی کی۔

''اس لئے کہ جو شخص صبح و شام تمہارے اور زوار کے بدبودار موزے کبھی نہ برش کئے دانت اور سر پر بالوں کا انبار دیکھتا ہو اس کا دل اتنا کمزور نہیں ہوگا کہ ذرا سے ناخن دیکھ کر ڈر جائے''۔ حفصہ نے صفیرا کی مسلسل کھینچائی ہوتے دیکھ کر پہلی بار زبان کھولی، صفیرا نے مارے خوشی کے تالیاں بجانی شروع کر دیں جبکہ باقی سب بغلیں جھانکنے لگے۔

''ایک تو یہاں ہر وقت جملے بازی ہوتی رہتی ہے ذرا بھر آرام نہیں''۔ لیلیٰ نے ان کی بے مقصد گفتگو سے عاجز آ کر کہا، وہ ایسی باتوں سے دور ہی رہتی تھی۔

''ہاں ذرا بھر تمیز نہیں تم لوگوں کو خبردار! اب کوئی نہ بولے لیلیٰ میں نے انہیں ڈانٹ دیا ہے کوئی اور خدمت؟'' حمزہ جو اس تمام وقت خاموشی سے ہال میں لائٹس لگوانے میں مصروف تھا لیلیٰ کی بات پر حسب عادت اس نے جواب دینا ضروری سمجھا، سب لڑائی جھگڑا بھول کر ہنس پڑے۔

''اے رانیہ! خیر تو ہے کہاں بھاگی جا رہی ہو؟'' رانیہ بیگم کو تیزی سے سیڑھیاں اتر کر باہر جاتے دیکھ کر تائی ماں کا دل جو ویسے بھی دھڑکنے کا بہانہ ڈھونڈتا تھا، شروع ہو گیا وہ انہیں زور سے مخاطب کر کے بولیں، مگر رانیہ تیزی میں تھیں پلٹ کر جواب تک نہ دیا، تائی ماں نے لیلیٰ کو ان کے پیچھے بھیجا، کیونکہ رانیہ کا رخ لیلیٰ کے کمرے کی طرف تھا جہاں عناس کا آج کل ڈیرا تھا۔

☆☆☆☆

''عناس میری بچی سب سے الگ تھلگ کیوں ہو؟ ارے حویلی کی رونقوں کو تو تم دور بیٹھ کر ترستی تھیں اور آج جب حویلی میں شادیانے بج رہے ہیں تو یوں کمرا بند کئے بیٹھی ہو یا سب میں گھل مل کر رہو سارے بچے کھیلتے شرارتیں کرتے اتنے اچھے لگتے ہیں، اک سوا تیرے''۔ رانیہ بیگم کی لمبی چوڑی تقریر پر اس کا ردعمل صرف تکئے سے سر اٹھا کر ان کی گود میں رکھنے کا تھا منہ میں تو جیسے زبان سوکھ ہی گئی تھی۔

''عناس! بول ناں ارے کوئی بات ہے تو اپنی ماں کو بتاتی کیوں نہیں؟'' ماں کا شہد و شکر گھلا لہجہ ہر ناراضی کو پل بھر میں ختم کر گیا، وہ ان کی گود میں سر گھسائے ہوئے بولی۔

''ماما! آپ نے مجھ سے کسی بات میں رائے نہیں لی خود سے سب کچھ کر لیا''۔ رانیہ بیگم کو اس کے لہجے کا مان بڑا ہی پیارا لگا۔

''میری جان! تمہارے لئے بہتر سے بہترین کرنے والے ماں باپ کو تیری رائے کی ضرورت تھی کیا؟'' ان کے جوابی سوال نے اسے لاجواب کر دیا، مگر خیر ہو اس دل کا جو خدشوں کا مسکن تھا۔

''ماما! آپ انہیں کتنا جانتی ہیں؟''

''کسے؟'' رانیہ بیگم اس کا اشارہ سمجھ نہ سکیں۔

''وہ ہی لالہ'' عناس نے جھجکتے ہوئے کہا بھی تو لالہ رانیہ بیگم ہنس پڑیں۔

''پاگل وہ تمہارا شوہر ہے اب لالہ نہیں کہنا''۔

''ماما! وہ اچھے نہیں ہیں''۔ وہ ضدی پن سے بولی۔

''اوں ہوں، بناء ملے خود ہی سے فرض کر لیا زیدین حق سے آیا تھا تمہارے پاس مگر تم''۔

''ماما! مجھے پتہ چل چکا ہے ان کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہوں''۔ عناس نے رانیہ کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا، انداز ایسا ہی تھا جیسے آج کل کی نیوز چینل کا کہ گویا تمام دنیا کی خبر اور وہ بھی صحیح انہی کے پاس ہوتی ہے۔

''اچھا تو کیا پتہ چلا ہے؟'' رانیہ اس کا دل بہلانے کے خیال سے ایک سہیلی کی مانند بات سے بات بڑھا رہی تھیں۔

''یہی کہ وہ بہت خود غرض ہیں''۔

''عناس! بدتمیزی...... ارے وہ تمہارا شوہر ہے''۔ اب تک اس کے رویئے کو بچپنا سمجھ کر نظر انداز کرنے والی رانیہ کا ماتھا ٹھنکا۔

''بس بہت ہو گئی میں سمجھ رہی تھی تم ناسمجھی میں یونہی الٹا سیدھا بول رہی ہوں لیکن تمہارا لہجہ سخت نازیبا ہے آئندہ ایسی بات مت کرنا نہ سوچنا، تمہیں کیا معلوم وہ تمہاری یا ہماری کسی نیکی کا ثمر ہے، تیری خوش بختی کا ستارہ ہے، چاہنے والا، نبھانے والا شخص ہے، جو ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے''۔ رانیہ بیگم اسے اچھا خاصا لتاڑنے اور سمجھانے کے بعد نرم پڑ گئیں اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر چوم لیا۔

(باقی آئندہ)



عائشہ الیاس

ناولٹ

کانچ کی مسافت

ساری رات چھاجوں چھاج مینہ برستا رہا' بجلی کی کڑکڑاہٹ گرجتے بادل تیز طوفانی ہوائیں' اس کی تو کسی طور آنکھ ہی نہ لگی' ساری رات اس نے آنکھوں میں کاٹی اور اب صبح کو یہ عالم تھا کہ جمائیوں سے اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں' پر نیند کو خیر آباد کر کے فجر کی نماز ادا کر کے وہ کام میں جت گئی سب سے پہلے اس نے کچن کی طرف رخ کیا ناشتے کی آج یوں بھی جلدی تیاری کرنی تھی کہ اور ڈھیروں کام بھی منہ کھولے ہوئے تھے سب سے پہلے تو کشادہ صحن کی صفائی جو آندھی اور طوفان کی وجہ سے گندگی کا ڈھیر بن گیا تھا' رکھنے کو وہ ملازمہ بھی رکھ سکتی تھی پر اس کی نفیس طبیعت کسی اور کے کام کو پسند کرنے کی روادار نہ تھی پھر کفایت شعار بھی وہ کافی تھی' بچتوں سے ہی اس نے اچھے برے وقت کے لئے کچھ سیونگ کر رکھی تھی' اس نے سب سے پہلے تندہی سے آٹا گوندھنا شروع کیا معاً خیر سے بجلی کی آمد ہو گئی' اس نے جلدی سے آٹے کو گوندھ کر پیالے میں ڈالا' اسے ڈھک کر ہاتھ دھوتی ہوئی لاؤنج کی طرف بڑھی' استری کا پلگ لگا کر آن کر دیا' رات بجلی نہ ہونے کی وجہ سے اس نے عادل کے کپڑے استری نہیں کیے تھے' ورنہ عموماً وہ دو تین جوڑے استری کر کے رکھتی تھی' پر پہلی بار یہ اتفاق ہوا تھا کہ آج کوئی استری شدہ سوٹ نہیں تھا' عادل سے وہ یہ بات چھپا گئی تھی' پر اندر ہی اندر ڈر تھا کہ اگر صبح تک بجلی نہ آئی اور عادل کے آفس جانے کے لئے سوٹ استری نہ ہوا تو خیر نہیں تھی پر اب صد شکر کرتے اس نے استری کرنا شروع کر دی تھی' استری کر کے وہ سوٹ ہینگر میں لٹکا کر کمرے میں رکھ آئی تھی اور واپس کچن کی طرف رخ کیا چولہے پر چائے کا پانی چڑھا کر روٹی اور پراٹھے کے لئے پیڑے بنانے لگی۔

"ارے بھئی بہو! چائے تیار ہے کیا......؟" وہ بڑی مصروف سی کام میں مگن تھی جب عقب سے قیوم صاحب کی آواز ابھری' تو وہ چونک کر پلٹی تھی اس نے سب سے پہلے تیزی سے اپنا دوپٹہ درست کیا ہاتھ پاؤں یکدم ہی سرد پڑ گئے تھے۔

"جی......" بڑی مشکل سے اس کی آواز نکلی تھی' قیوم صاحب اس کے زرد پڑتے چہرے سے خوب محظوظ ہوئے تھے۔

"اچھا تو پھر میں لاؤنج میں ہی بیٹھا ہوں وہیں لے آؤ"۔ وہ عیاری سے مسکرا کر بولتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گئے' اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی اب سارا دن اس کا سولی پر لٹک کر یونہی گزرنا تھا اور یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں نجانے وہ کونسا دن ہونا تھا جب اسے بھی سکون کی سانس میسر ہوئی تھی' اس نے نماز کی طرح دوپٹہ لپیٹ کر اپنے ہر اعضاء کو اچھی طرح چھپا لیا تھا' پر پھر بھی عجیب سی فکر لاحق تھی اس کا بس چلتا تو خود کو کسی تہہ خانے میں چھپا لیتی' قیوم صاحب بظاہر اخبار پڑھ رہے تھے پر دور سے آتی نور پر ان کی میلی نگاہ جم سی گئی تھی وہ خوف زدہ سی چائے کا

کپ تھامے ان کی جانب بڑھی' ان کے آگے رکھی چھوٹی سی میز پر اس نے چائے کا کپ بڑی عجلت میں رکھا تھا اور تیزی سے واپس کچن کی طرف لپکی آج حیرت کی بات تھی انہوں نے کوئی غلیظ جملہ نہیں کہا تھا وہ اتنی تیز بھاگتی ہوئی کچن میں آئی تھی کہ اس کا سانس پھول سا گیا' دیوار سے ٹیک لگائے بڑی اذیت میں اپنے پھولے ہوئے سانس کو بحال کر رہی تھی قطرہ قطرہ آنسو اس کے اندر گر رہے تھے کافی دیر وہ یونہی گم صم کھڑی رہی تھی' پھر خود ہی اپنے آپ کو سنبھالتی گھسیٹتے ہوئے کام میں جت گئی تھی' گھر کے کاموں کو وہ جلد سے جلد نمٹا لیتی تھی اور پھر سارا دن خود کو کمرے میں مقید کر لیتی پر یہ سب اتنا آسان بھی نہیں تھا وہ ایک انتہائی چالاک انسان تھے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور اب تو یہ کھیل سالوں پر محیط ہو گیا تھا۔

"مناہل سو رہی ہے......؟" قیوم صاحب پوتی کے بارے میں ناشتے کے دوران عادل سے پوچھ رہے تھے۔

"جی ابا!" عادل نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"ہم م م......موا اس بجلی نے تو رات بھر کسی کو بھی سونے نہیں دیا' بہو بیچاری بھی لگتا ہے رات بھر جاگتی رہی ہے اور اب صبح سے کاموں میں جتی ہوئی ہے' بیٹا اب تم کچھ دیر آرام کر لینا"۔ وہ بڑی اپنائیت سے چور لہجے میں بول رہے تھے عادل کی موجودگی میں وہ یونہی شفقت لٹاتے نظر آتے تھے جس سے عادل ان کا اور بھی گرویدہ ہو جاتا تھا' ان کے اس مکروہ چہرے پر دل چاہا وہ گرم چائے ہی پھینک دے' اس نے جواباً گردن اٹھا کر بھی دیکھنا گوارہ نہ کیا' چپ چاپ بے دلی سے نوالے نگلتی رہی' جبکہ عادل کو ان پر بے پناہ پیار آ رہا تھا' کس قدر وہ سب کا خیال رکھتے تھے یہ سوچ کر ہی وہ ان کا مشکور ہو جاتا۔

"اچھا ابا! اجازت دیں چلتا ہوں"۔ وہ اپنا ناشتہ مکمل کر کے ان کے آگے احترام سے سر جھکاتے ہوئے بولا۔

"خدا کی امان میں جاؤ"۔ وہ اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے بولے۔ عادل کے پیچھے وہ بھی فوراً چل دی تھی' عادل کو رخصت کرنے کے بعد بجائے اندر جانے کے اس نے وائپر اور جھاڑو اٹھایا اور صحن میں لگی موٹر کے ساتھ پائپ لگا کر اس نے موٹر آن کر دی' موٹر کے چلتے ہی فوارے کی طرح پانی پھوٹ کر پائپ سے باہر نکل آیا' اس نے تیزی سے دھلائی کرنا شروع کر دی' قیوم صاحب کچھ دیر اس کا انتظار کرتے رہے' شاید وہ اندر آئے پر باہر سے جب دھلائی کی آواز آنا شروع ہوئی' تو وہ اپنی کرسی اٹھا کر وہیں لے آئے کرسی پر بیٹھ کر اخبار کی تہہ کھول کر مطالعہ شروع کیا پر سرکش نگاہیں اسی کے تعاقب میں تھیں اس نے نظر اٹھانا تک گوارہ نہ کیا' حالانکہ ان کی آمد کو محسوس کر لیا تھا' پر وہ پوری طرح انجان بنی رہی یہ سلسلہ اس کے لئے کوئی نیا تو تھا نہیں' جب وہ شادی ہو کر اس گھر میں آئی تھی تب پہلی ہی نظر میں وہ سسر کی نگاہوں کو سمجھ گئی تھی حیرت کے جھٹکے کے ساتھ وہ کافی خوف زدہ سی ہو گئی تھی سسرال میں واحد ایک عادل اور سسر ہی تو تھے' شادی کے شروع کے دنوں سے ہی وہ بات بے بات اس سے فری ہوتے بات بات پر ان کا اسے ہاتھ لگانا' مزید ہراساں کر دیتا' اپنی پریشانی بیان کرتی بھی تو کس سے' ماں باپ کے سائے سے محروم ماموں مامی کے سائے میں پلی بڑھی' مامی کی ہر وقت کی روک ٹوک اور غصے نے اسے بزدل بنا دیا تھا' کسی سے مقابلہ کیا خاک کرتی' عادل اس کے محلے میں ہی رہتا تھا کالج جاتے ہوئے عادل کا اس سے اکثر آمنا سامنا ہوتا تھا کب یہ نگاہیں پسند میں بدلیں دونوں ہی کو خبر نہ ہوئی' کچھ ہی عرصے بعد عادل نے اس کے گھر رشتہ بھجوا دیا' نہ محبتوں کا عندیہ نہ طویل گفتگو نہ سیر سپاٹے اس نے سیدھی اور صاف راہ چنی' بنا کسی حیل محبت کے رشتہ پکا ہو گیا' وہ بہت خوش تھی ہمیشہ اس نے جبر کی اور دوسروں کی محتاج بن کر زندگی گزاری تھی

پر یہاں تو قسمت خود پر بڑی مہربان لگی' سسرال کے نام پر صرف سسر اور پھر جسے چاہا' وہ ہمسفر بن گیا' وہ بے پناہ خوش تھی' سہیلیاں رشک کر کر کے نہ تھک رہی تھیں پر شادی کے بعد یہ ساری خوشی خاک بن گئی تھی' بلاشبہ عادل بہت اچھا تھا' پر باپ سے بے پناہ پیار کرنے والا ان کے خلاف تو ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا تھا' وہ کوئی بات کرتی بھی تو عادل نے دوسرے ہی پل ہاتھ سے پکڑ کر اسے چلتا کرنا تھا اب واحد حل تھا' خدا سے اپنی حفاظت کی دعائیں مانگنا اور بچ بچ کر رہنا پر قیوم صاحب اس کی بزدلی سے نڈر ہوتے جا رہے تھے شروع شروع میں ان کے ساتھ اکیلے گھر میں رہنے سے خوف آتا' جس کا اس نے یہ حل نکالا جب تک عادل آفس سے واپس نہ آ جاتا' وہ سحر کو بلا لیتی جو اس کی بچپن کی سہیلی تھی محلہ ایک ہونے کی وجہ سے دونوں میں قربت بھی کافی تھی اس نے اول روز ہی ساری روداد اس کے گوش گزار کر دی تھی' اس نے چھوٹتے ہی عادل کو سب بتا دینے کا مشورہ دیا تھا' جس کا کوئی فائدہ نہ تھا' فی الوقت وہ اس کے پاس آ جاتی پر قیوم صاحب کو اس کی مسلسل آمد کسی رکاوٹ کی طرح لگی' تو انہوں نے بھی ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے کان اس کے خلاف بھر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا سحر کی آمد بند ہو گئی' قیوم صاحب کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ چھا گئی' جبکہ وہ کلستی ہوئی آنسوؤں کو اندر اتارنے لگی' خدا سے ہر وقت حفظ و امان کی دعائیں مانگتی رہتی' اس کی دعاؤں کی گڑگڑاہٹ تھی جبھی اس کی تنہائی بانٹنے کے لئے خدا نے اس کے آنگن میں ننھا پھول مہکا دیا تھا' وہ مناہل کے کاموں کا بہانا بنا کر کمرے میں بند رہتی' پر قیوم صاحب اسے عاجز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور آج یہ عالم تھا کہ وہ اتنے بے باک ہو چکے تھے کہ کبھی بھی اس پر کوئی بھی جملہ کس دیتے۔ وہ صحن کا آخری حصہ صاف کر کے فارغ ہی ہوئی تھی کہ دروازے پر بیل بج اٹھی وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی۔

"سحر!" دروازہ کھولتے ہی سامنے جو نظر اٹھی تو خوشی سے چونکے بنا نہ رہ پائی۔

"تم آج یوں اچانک......؟" اس کے لئے اس کی آمد کافی حیران کن تھی جب سے اس کی شادی ہوئی تھی وہ کم کم ہی آتی پر دونوں نے فون پر پکا رابطہ رکھا ہوا تھا' پر فون کی نسبت آمنے سامنے دیکھنے کی تقویت کچھ اور ہی تھی۔

"بتاتی ہوں اندر تو آنے دو"۔ وہ شوخ لہجے میں بولی۔

"او...... ہاں آؤ ناں"۔ وہ شرمندہ سی دروازے سے پیچھے ہٹی' اسے اپنے ساتھ اندر لاتے ہوئے سحر کے قدم قیوم صاحب کو دیکھ کر رک گئے۔

"السلام علیکم انکل!" بظاہر وہ بڑے میٹھے لہجے میں مخاطب ہوئی' پر اندر تو جیسے انہیں دیکھ کر ہی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

"وعلیکم السلام بھئی کیسی ہو سحر......؟ بڑے دنوں بعد چکر لگایا"۔ قیوم صاحب اس کی آمد سے چونکے تھے' کچھ بدمزہ بھی ہو گئے تھے پر میٹھے لہجے میں بولتے ہوئے اپنے خیالات چھپا گئے تھے۔

"بس انکل! مصروفیت ہی کچھ ایسی تھیں کہ آنا نہ ہو سکا"۔ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں بھئی شادی کے بعد ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں"۔ وہ اتفاق کرتے ہوئے بولے۔

"اور انکل! آپ کی طبیعت ٹھیک ٹھاک ہے"۔

"یہ تو تم بتاؤ کیسا نظر آ رہا ہوں......؟" وہ شوخ سے بولے۔ اس کا دل چاہا کہے۔

"کاش تم بستر پر ہی نظر آؤ"۔ پر حسرت دل میں ہی دبا لی' تو روہاں سے جا چکی تھی اس سے پہلے وہ مزید کوئی اوچھی گفتگو پر اترتے اس نے وہاں سے کھسکنا ہی تیز سمجھا جواباً ان کی بات پر جبراً مسکرا کر۔

"اچھا انکل پھر ملاقات ہوگی"۔ کہہ کر فوراً اندر

کی طرف بڑھ گئی، قیوم صاحب بدمزہ سے ہوکر رہ گئے جبراً اخبار میں ہی دل لگانا پڑا۔

''یہ بڈھا کبھی نہیں سدھرے گا''۔ نور کچن میں کھڑی ناشتے کے برتن دھو رہی تھی، وہ اس کے پاس وہیں چلی آئی، کچن میں موجود چھوٹی سی گول میز کے گرد رکھی کرسی کو کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میں تو سوچتی ہوں اس کے دیدوں کا اتنا پانی مر گیا ہے کہ اسے جائز و ناجائز کسی چیز کا کوئی خیال نہیں''۔ اس کے لفظ انگارے برسا رہے تھے۔

''آہستہ بولو...... اگر انہوں نے سن لیا تو پھر خیر نہیں ہوگی''۔ نور نے فوراً ٹوکا۔

''ارے دفعہ سنتا ہے تو سنے میں نہیں ڈرتی''۔ وہ ہاتھ جھٹک کر بولی، نور ہاتھ دھو کر اسی کے پاس آ بیٹھی۔

''پر میں ڈرتی ہوں''۔ ستا ہوا چہرہ فکر، خوف پریشانی سب عیاں تھا، اس کے چہرے پر سحر کو بے پناہ ترس آیا اس پر۔

''تم کب تک یوں خوف زدہ ہو کر زندگی گزارو گی، میری مانو تو عادل بھائی کو بتا دو سب''۔ اس نے ہمیشہ کا دیا گیا مشورہ دوبارہ دیا۔

''تم ایسے بول رہی ہو جیسے عادل کو جانتی نہیں ہو وہ کبھی بھی میری بات پر یقین نہیں کریں گے''۔ وہ روہانسی سی بولی۔

تو پھر کیا کرو گی، خدانخواستہ وہ کوئی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر گئے، پھر کیا کرو گی......؟'' وہ آنے والے وقت کے لئے پریشان تھی۔

''اس سے زیادہ اور اوچھی حرکتیں کیا ہوں گی''۔ اس کی آواز ڈوب سی گئی تھی سحر نے محبت سے تسلی والے انداز سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔

''تو پھر اور کیا کر سکتی ہو، کیا یونہی ڈر ڈر کر زندگی گزار دو گی......؟''

''پتا نہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا بس خدا ہی ہے جو میرا محافظ ہے، پچھلے سات سالوں سے بھی تو اسی نے میری حفاظت کی ہے، آگے بھی وہی کرے گا''۔ بے پناہ خوف کے باوجود بھی وہ ناامید نہ تھی، اس کی سوچ اور لہجہ دونوں توکل تھے۔

''میں تو بس اتنا کہوں گی ایسے انسانوں پر خدا کا عذاب پڑے''۔ سحر جتنا ملامت کرتی اسے کم ہی لگتا، ویسے بھی وہ بڑی جذباتی سی تھی، سوچتی بعد میں تھی بولتی پہلے تھی۔

''دفعہ کرو تم انہیں، تم بتاؤ تمہارے سسرال میں سب ٹھیک ہیں......؟'' نور نے موضوع بدلنے میں ہی عافیت جانی۔

''ہاں یار! شکر ہے خدا کا سب بہت اچھے ہیں، بے شک مجھے بھرا پرا سسرال ملا ہے، پر شکر ہے سب بہت ملنسار ہیں''۔ اس کے لہجے میں خوشی واضح تھی۔

''اچھی بات ہے اور تم کتنے دن کے لئے آئی ہو......؟''

''ایک ہفتے کے لئے حیدر سے میں نے صاف صاف کہہ دیا جب سے شادی ہوئی ہے ایک آدھ دن سے زیادہ رکنے نہیں دیا''۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی، اس کا سکون اور خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہے تھے، نور اسے یوں دیکھ کر خوش تھی۔

''بالکل ٹھیک کیا تم نے اور اب شام سے پہلے تو میں بھی تمہیں نہیں جانے دوں گی''۔ اس نے بھی وارن کیا۔

''جو حکم میرے آقا پر اس کا تاوان بھرنے کے لئے آپ کو مجھے بریانی کھلانی ہوگی''۔ وہ مسکراتی ہوئی بڑے مودبانہ انداز میں بولی۔

''جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا''۔ نور سر جھکا کر بولی تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ماما!'' چھ سالہ مناہل آنکھیں مسلتی ہوئی کچن میں آ گئی تھی وہ دونوں ہی اس کی آمد پر چونکی تھیں۔

''ارے میرا بچہ''۔ سحر فوراً چہکتی ہوئی اس کی جانب بڑھی اور جھٹ سے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا، مناہل بھی اسے دیکھ کر چونکی تھی وہ اسے چومتے ہوئے اپنی گود میں لے کر کرسی پر بیٹھ گئی، جبکہ مناہل خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے نروٹھا سا منہ بنا کر بیٹھی

تھی، نور ان دونوں پر مسکراتی ہوئی نظر ڈال کر اٹھ گئی اور کھانے کی تیاری کے لئے فریج سے گوشت نکالنے لگی۔

''کیسا ہے میرا بچہ......؟'' وہ اس کے ریشمی بالوں کو ماتھے سے سرکاتے ہوئے محبت سے چور لہجے میں بولی، وہ اس کے یونہی لاڈ اٹھاتی تھی۔

''میں آپ سے ناراض ہوں''۔ وہ منہ بسور کر بولی، سحر کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا، نور گوشت کا پیکٹ پانی میں بھگو کر کچے چاولوں کو ڈش میں نکال کر ان کے پاس آ بیٹھی۔

''ہیں بھئی کیوں......؟'' سحر نے نور پر بھی نظر ڈالتے ہوئے کہا جو صرف مسکرا رہی تھی۔

''آپ اتنے دنوں بعد کیوں آئیں......؟'' وہ لاڈ سے بولی۔ سحر سوچ میں پڑ گئی، آخر کیا توجیہہ پیش کرے۔

''میرے بچے خالہ مصروف تھیں ناں''۔

''نہیں آپ جھوٹ بول رہی ہیں''۔ وہ کسی طور پر راضی ہونے کے لئے تیار نہ تھی۔

''میرے بچے سچ بول رہی ہوں، اچھا چلو چھوڑو خالہ آپ کے لئے اتنی زبردست چیز لائی ہیں کہ آپ فوراً سے راضی ہو جاؤ گی''۔ سحر اپنا ہینڈ بیگ کھولتے ہوئے بولی، وہ بھی فوراً متوجہ ہو گئی، اس نے ہینڈ بیگ سے چاکلیٹ کا ڈبہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ چاکلیٹس دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا اس نے جھٹ سے تھام لیا تھا۔

''تھینک یو خالہ!'' اس نے سحر کے گال کو چومتے ہوئے کہا، سحر مسکرا دی۔

''اب تو خالہ سے ناراض نہیں ہو ناں......؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''نہیں''۔ اس نے بڑی عجلت میں جواب دیا کیونکہ اب زیادہ توجہ کا مرکز چاکلیٹس تھیں۔

''تم نے اس کی عادتیں بگاڑ دی ہیں سحر!'' نور ٹوکے بنا نہ رہ پائی۔

''نہیں یہ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے بھلا اتنی سی چیز سے کیا عادت بگڑے گی''۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں سہلاتے ہوئے بولی وہ جانتی تھی وہ دیوانگی کی حد تک اس سے پیار کرتی تھی۔

☆☆☆☆

وہ کپڑے دھو کر تار پر پھیلا رہی تھی قیوم صاحب معمول کی طرح اس پر نظر جمائے بیٹھے ہوئے تھے وہ ان کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی پر ان گھناؤنی نظروں کو واضح طور پر محسوس کر رہی تھی خوف سے اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے وہ جلد از جلد کام نمٹا کر کمرے میں مقید ہو جانا چاہتی تھی۔

''مناہل بیٹا! میرا چشمہ تو اندر سے لانا''۔ صحن میں بال سے کھیلتی مناہل کو کہا، وہ بھی ان کا حکم مانتے ہوئے اندر کی طرف دوڑی، نور روکنا چاہتی تھی اسے لیکن وہ تیزی سے بھاگ چکی تھی، وہ خوف زدہ سی پلٹی پر سامنے قیوم صاحب سینہ تانے کھڑے تھے، اس کا چہرہ عرق آلود ہو گیا تھا اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرے کو خشک کیا اپنے خوف کو چھپانے کی وہ ناکام سی سعی کر رہی تھی اس کی اس کیفیت سے قیوم صاحب بہت محظوظ ہو رہے تھے۔

''اتنا کیوں گھبراتی ہو مجھ سے......؟'' وہ لبوں پر مکارانہ مسکراہٹ سجائے دلفریب انداز میں بولے اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

''خدا کا واسطہ ہے آپ کو کیوں میری زندگی جہنم بنا رہے ہیں......؟'' وہ گڑگڑا کر ہاتھ جوڑے بولی۔

''اوہو ں...... میں بھلا تمہاری زندگی کیوں عذاب بناؤں گا، اگر تم میری بات مان لو تو اس سے تم بھی خوش رہو گی اور میں بھی''۔ وہ ساری شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر دھیرے سے اپنا مطالبہ پیش کر رہے تھے، نور کا دماغ بھک سے اڑ گیا، جہاں کچھ دیر پہلے خوف تھا وہاں اب آنکھیں سرخ انگارے برسا رہی تھیں کیونکہ بات اس کی عزت کی تھی۔

''بس اس سے آگے کوئی لفظ اگر آپ نے کہا تو

مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا' آپ کی تو غیرت مر گئی ہے پر میں ابھی اتنی بے غیرت نہیں ہوئی ہوں"۔ وہ لفظوں کو دبا کر بولتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھی کہ انہوں نے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا وہ ہکا بکا رہ گئی۔

اس جرأت پر وہ غصے میں بھری اپنا ہاتھ کھینچنے لگی۔

"چھوڑیں مجھے ورنہ میں شور مچا دوں گی"۔ وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"میں بہت شرافت دکھا رہا ہوں ورنہ میں چاہوں تو تمہارا منہ کالا کر کے اس گھر سے چلتا کروں' اس کے بعد تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی تمہارے لئے بہتر یہی ہے میری بات مان لو"۔ اب کے وہ سختی سے بولے اس کی آنکھوں سے تواتر سے آنسو بہنے لگے۔

"دادا"۔ مناہل کی آواز پر انہوں نے یکدم ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"دادا! مجھے آپ کا چشمہ نہیں مل رہا"۔ وہ کافی دیر تلاش کے بعد ہار کر واپس آ گئی تھی اس سے پہلے وہ کچھ جواب دیتے نور اسے گود میں اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی روتی بلکتی نور کو دیکھ کر مناہل ہکا بکا ہو گئی تھی کمرے کو لاک لگا کر مناہل کو سینے سے لگائے وہ روئے چلی جا رہی تھی۔

"ماما کیا ہوا ہے آپ کیوں رو رہی ہیں......؟"

وہ گھبرا گئی تھی آگے سے اس نے نفی میں گردن ہلا دی کافی دیر وہ روتی رہی مناہل کے معصوم چہرے پہ ہوائیاں اڑ گئی تھیں ماں کو یوں روتا دیکھ کر۔

"آپ پاپا کو کچھ مت بتانا"۔ وہ قدرے توقف کے بعد اپنے آنسوؤں کو دوپٹے سے پونچھتی ہوئی بولی آگے سے وہ بھی فرمانبرداری سے اثبات میں گردن ہلا گئی۔

"آپ چپ ہو جائیں میں پاپا کو کچھ نہیں بتاؤں گی"۔ وہ اس کے آنسو پونچھ کر سینے سے لگ گئی تھی۔

☆☆☆☆

"بھئی واہ کیا بات ہے میری بہو کی اتنا عمدہ کھانا شاید ہی میں نے کبھی کھایا ہو"۔ قیوم صاحب بڑے خوشگوار لہجے میں بول رہے تھے' عادل باپ کو یوں خوش دیکھ کر مسکرا دیا' جبکہ نور لاتعلقی برتتے ہوئے سر جھکائے بیٹھی رہی' عادل باپ کو خوش دیکھ کر مزید پرسکون ہو جاتا' ساتھ ہی مشکور بھی آخر کو اس کی پسند کو وہ سراہتے تھے جبکہ وہ ان کی ہر چال سے اب اچھی طرح واقف ہو چکی تھی' وہ ہر قدم پھونک پھونک کر چلتے کہ ان کے کالے کرتوتوں کی خبر اپنے سائے تک کو نہ ہونے دیتے تھے۔

"ابا! کتنے اچھے ہیں ناں مجھے تو رشک آتا ہے خود پر کہ خدا نے مجھے اتنے اچھے ماں باپ دیئے"۔ رات کھانے کے بعد وہ قیوم صاحب کے محبت بھرے انداز کو سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔

وہ الماری کا پٹ کھولتے کھولتے تھم سی گئی' عادل کی بات تیر کی طرح اس کے دل کو زخمی کر گئی تھی' جہاں اپنے شوہر کی سادگی پر دکھ ہوا تھا وہیں غصہ بھی آیا کہ وہ اگر ذرا غور کرتا تو بہت سی حقیقتوں سے پردہ اٹھ جاتا' پر یہ تو اس کا خیال تھا بھلا وہ باپ کے بارے میں کیونکر سوچتا ایسا' اس نے عادل کی بات کا کوئی جواب نہ دیا' الماری سے اوڑھنے کے لئے چادریں نکال کر خاموشی سے بستر پر سیٹ کرنے لگی۔

"میں تو شکر کرتا ہوں خدا کا کہ وہ کوئی دقیانوسی قسم کے انسان نہیں ہیں' ہمیشہ میرے ساتھ دوستوں کی طرح سلوک رکھا' خاص کر اماں کے جانے کے بعد بہت خیال رکھا"۔ وہ بڑے موڈ میں تھا' نور کا جواب نا پا کر بھی خود ہی بولتا گیا' جبکہ وہ ہنوز چپ رہی عادل کے منہ سے ادا ہوتی باپ کی تعریفوں پر کھول ہی سکتی تھی ورنہ دل تو شدت سے چاہتا تھا' اس کے باپ کا اصلی مکروہ چہرہ دکھا دے' اس کی مسلسل خاموشی پر عادل نے اسے نظر اٹھا کر دیکھا' جو گم صم سی بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو......؟ تم نے میری بات کا کوئی جواب بھی نہیں دیا"۔ وہ اس کے آگے

ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا' تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔

"کچھ نہیں بھلا میں کیا سوچوں گی......؟" وہ بات گول کر گئی تھی۔

"تو پھر ٹھیک کہہ رہا تھا ناں میں......؟" اس نے دوبارہ اپنی بات کی تائید چاہی اور اس کے حلق میں تو الفاظ جیسے گولے کی طرح پھنس گئے' عادل جواب کا منتظر اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا چاروں ناچار اسے ہامی بھرنی پڑی۔

"جی"۔ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ بمشکل خود اس کے کانوں میں آواز پہنچی ہو' عادل کو اس کا ستا ہوا چہرہ آج کچھ زیادہ ہی مضطرب کر گیا اسے کئی دفعہ محسوس ہوتا تھا عجیب بے چینی الجھنیں اس کے چہرے کا طواف کرتی تھیں پر وہ وہم سمجھ کر جھٹک دیتا' پر اب اس کا چہرہ دن بدن زرد پتے جیسا ہوتا جا رہا تھا۔

"نور! کیا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو......؟"

آخر کو رہا نہ گیا تو پوچھ ہی ڈالا اپنے تئیں تو اسے یہی وجہ لگی' وہ عادل کی بات پر چونک سی گئی۔

"ایسا کیوں کہہ رہے ہیں' بھلا کیوں خوش نہیں ہوں گی میں آپ کے ساتھ......؟" الٹا اس نے سوال جڑ دیا۔

"پتا نہیں مجھے ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں کوئی پریشانی ہے"۔ وہ متانت سے بھرے نرم لہجے میں بولا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے بلاوجہ کا وہم ہے آپ کا آپ تو میرا اتنا خیال رکھتے ہیں' پھر بھلا مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے"۔ اس نے بڑی مشکل سے خود پر ضبط کرتے ہوئے جھوٹ کہا تھا۔

"پھر مجھے کیوں خوشی تمہارے چہرے پر دکھائی نہیں دیتی"۔ وہ الجھ سا گیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے اصل میں سارا دن کام کر کے تھک جاتی ہوں' اس لئے آپ کو ایسا لگتا ہے......؟" وہ یہ موضوع بدل دینا چاہتی تھی۔

"ایسا ہے تو کسی ملازمہ کا بندوبست کر لو خود پر اتنا بوجھ مت لادو' مجھے یہ مرجھایا ہوا چہرہ بالکل اچھا نہیں لگتا"۔ وہ اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے محبت سے بولا' اس نے شکر کیا کہ عادل مان گیا' ورنہ اس کے کریدنے پر اس کا دل و دماغ انگاروں پر لوٹنے لگے تھے' وہ آنسوؤں کو اندر اتارتی رہی' دکھ و تکلیف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا وہ چاہ کر بھی لب نہیں کھول سکتی تھی' روز بروز بڑھتی گھٹن سے اسے اپنا آپ مفلوج ہوتا لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆

عادل نے اگلے روز یاد دہانی کرواتے ہوئے ملازمہ کے بندوبست کا کہا تھا' اس نے ٹال مٹول کیا پر عادل نے سے تنبیہہ کی تھی پھر اسے بھی یہ بات کچھ معقول لگی' ملازمہ کے ہونے سے اسے بھی سہارا مل جاتا تھا' کسی تیسرے کی موجودگی سے شاید قیوم صاحب بھی باز رہتے' پھر ایک دو دن بعد ملازمہ کام کے لئے آنے لگی' ملازمہ کی وجہ سے کام جلد ہی نمٹ جاتا' اس کے جاتے ہی وہ مناہل کو لے کر کمرے میں مقید ہو جاتی' قیوم صاحب تو بے چین ہو کر رہ گئے آنکھ بھر کر اب دیکھنا دور کی بعد نظر ہی بڑی مشکل سے پڑتی' وہ تو مضطرب سے رہنے لگے' سارا وقت ٹہلتے رہتے' پھر شاطر دماغ کا استعمال کرتے ہوئے ملازمہ جیسے کانٹے کو ہٹانا ہی بہتر حل تھا' پھر بڑی آسانی سے انہوں نے ملازمہ پر پیسوں کی چوری کا الزام لگا کر چلتا کر دیا' نور حق دق سی رہ گئی زیادہ حیران یوں نہ ہوئی' ان کی چالوں سے واقف تھی اس نے بھی ہار نہ مانی' دوسری ملازمہ رکھ لی' قیوم صاحب نے اس کے ساتھ بھی یہی عمل دوبارہ دہرایا' یکے بعد دیگرے وہ جو ملازمہ رکھتی وہ اسے یونہی چلتا کر دیتے' اب تو محلے میں بھی چہ مگوئیاں ہونے لگیں' خوف کے مارے اب کوئی ملازمہ کام کرنے پر راضی ہی نہ ہوتی وہ روہانسی سی سر پکڑ کر بیٹھ گئی' قیوم صاحب کے چہرے پر اب پرسکون مسکراہٹ چھا گئی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



☆☆☆☆

''ماما! مجھے آئسکریم کھانی ہے''۔ مناہل نے پچھلے ایک گھنٹے سے رٹ لگا کر اسے عاجز کیا ہوا تھا۔

''مجھے پریشان مت کرو مناہل! شام میں پاپا آئیں گے تو دلا دیں گے''۔ وہ اندر باہر اپنے کام نمٹاتے ہوئے بولی وہ بھی دم چھلا بنی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

''نہیں مجھے ابھی کھانی ہے''۔ وہ بضد تھی نور سر پکڑ کر رہ گئی' پتا تھا یہ ضد آسانی سے تو نہیں ٹوٹے گی۔

''مناہل! مجھے مت ستاؤ' میں ابھی آئسکریم نہیں لا سکتی''۔ وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

''نہیں پر مجھے ابھی کھانی ہے''۔ بھلا وہ کہاں ماننے والی تھی' قیوم صاحب بھی اس کے واویلے کو سن کر باہر آ گئے۔

''کیا بات ہے دادا کی جان نے کیوں شور مچا رکھا ہے......؟'' وہ اسے گود میں اٹھاتے ہوئے بولے۔

''مجھے آئسکریم کھانی ہے ابھی کے ابھی''۔ وہ ضدی انداز میں بولی۔

''بس اتنی سی بات دادا آپ کو ابھی آئسکریم دلانے لے کر چلتے ہیں''۔ وہ بشاش سے بولے۔

''تھینک یو دادا''۔ وہ چہک اٹھی تھی' انہیں جاتا دیکھ کر نور سرد آہ بھر کر رہ گئی تھی' کاش کے ان کی نظر میں ہر رشتے کے لئے تقدس ہوتا بڑی دلگرفتگی سے اس نے سوچا تھا۔

☆☆☆☆

سرد دن بغیر کسی چاپ کے سرکتے جا رہے تھے' خوف و ہراس کی آگ اسے جھلسائی جا رہی تھی' جب رشتوں کا تقدس ختم ہو جائے جائز نہ جائز کا فرق مٹ جائے آنکھوں سے شرم و حیاء کا پردہ اٹھ جائے حرام کاموں سے لتھڑے وجود بے خبر ہو جائیں گناہوں کا مشام جام پی کر سو جائیں' تو تب زلزلے آتے ہیں' آندھی طوفان آتے ہیں' شق ہوتی زمین' قہر آلود ہوائیں' خدا کی طرف سے خبردار ہی تو کر رہی ہوتی ہیں' پر پھر بھی انسان مشام جام پیئے خود کو خاکستر ہی تو کر ڈالتا ہے پر خدا کے پاک باز بندوں کے لئے انعامات ہیں' ان کی حفاظت بھی وہی کرتا ہے روز حشر میں چمکتے پرسکون چہرے اس کے نیک بندوں کے ہی تو ہوں گے وہی تو دلوں میں سکون اتارتا ہے' وہی تو ہے جو اپنے اچھے بندوں کو شیطانوں کے شر سے بچاتا ہے۔

☆☆☆☆

وہ کمرے کی صفائی کر رہی تھی جب قیوم صاحب موقع پا کر کمرے میں گھس آئے' دروازے کو لاک کیا تو نور چونک کر پلٹی تھی اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

''کیا کر رہے ہیں آپ یہاں......؟'' وہ سختی سے بولی تھی۔

''زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ یہاں تمہاری فریاد سننے والا کوئی نہیں ہے''۔ وہ مکاری سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تھے وہ خوف کے مارے پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگی۔

''آپ کو خدا کا واسطہ ہے یہاں سے چلے جائیں''۔ وہ خوف زدہ سی بولی۔

''اوہوں...... بھلا اتنا اچھا موقع میں کیسے ہاتھ سے جانے دے سکتا ہوں''۔ وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

''خدا کے لئے کچھ تو خوف کریں' میں آپ کے بیٹے کی بیوی ہوں''۔ پتھر انسان کا ضمیر جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میں نہیں مانتا کسی بھی رشتے کو''۔ وہ اس کے روبرو آ گئے' اس کے سارے رستوں کو انہوں نے بند کر دیا تھا' وہ روتی سسکتی ان کے قدموں میں گر گئی۔

''بہت تڑپایا ہے تم نے مجھے پر اب نہیں''۔ ان کے برہنہ لفظ کانوں میں سیسے کی طرح اتر رہے تھے' اس نے کانوں پر سختی سے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

''خدا کے لئے چلے جائیں یہاں سے' خدا کا خوف کھائیں''۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے لتھڑ گیا اور لہجہ کانچ کی طرح ٹوٹ گیا' انسان کی سوچ کی پہلی حد امید اور آخری نا امیدی ہوتی ہے وہ بھی امید و بیم کے بیچ میں آ کھڑی ہوئی تھی' اس کا نازک وجود خاکستر ہوتے جا رہا تھا' قیوم صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا' انہوں نے اس کی جانب ہاتھ یوں بڑھایا جیسے کسی جوہری کو سونے کی کان مل گئی ہو' اس کے سر کی جانب بڑھتا ہوا ہاتھ جہاں سے وہ اس کی عزت کی ردا پھاڑ دینے کا ارادہ رکھتے تھے جبکہ وہ مٹی کا ڈھیر ہو گئی تھی ان کے ہاتھ اور اس کے سر کے درمیان بڑا قلیل فاصلہ تھا پر لاکھ کوشش کے باوجود اس فاصلے کو وہ ختم نہیں کر پا رہے تھے' ان کا ہاتھ اتنا بھاری ہو گیا گویا کسی نے ان کے ہاتھ پر پہاڑ رکھ دیا ہو' ان کے جبڑے بھینچ سے گئے جسم پسینے میں شرابور ہو کر لرزش کرنے لگا تھا' صرف چند لمحے لگے تھے نور کی معا نظر ان کی کپکپاتی ٹانگوں سے پڑتی پڑتی ان کے چہرے کی جانب اٹھ گئی تھی' نچلا لب اوپر کے لب سے جدا ہو کر ٹیڑھا ہو گیا تھا' ہاتھ پاؤں مڑتے ہی چلے جا رہے تھے' دوسرے ہی پل وہ زمین بوس ہو گئے تھے اس کی آنکھیں حیرت سے ان کی مدد کو پکارتے وجود پر جم سی گئی تھیں صرف چند لمحوں میں وہ ڈھیر ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

''ڈاکٹر! اب کیسے ہیں میرے فادر......؟'' آئی سی یو سے باہر آتے ڈاکٹر کی طرف عادل پریشان سا لپکا۔

''دیکھئے' ان کی حالت کافی سیریس ہے' ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں' باقی آپ اللہ سے دعا کیجئے''۔ ڈاکٹر تیزی سے بولتا آگے کی طرف بڑھ گیا جبکہ وہ سست قدموں کے ساتھ خود کو گھسیٹتا ہوا نور کے برابر میں آ بیٹھا جو سپاٹ سی خاموش بیٹھی تھی' اس نے ابھی تک ایک لفظ عادل سے بھی نہ کہا۔

''نجانے یہ سب اچانک کیسے ہو گیا......؟'' وہ دیوار سے سر ٹکائے گلوگیر لہجے میں بولتا اس سے مخاطب تھا' دکھ سے آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں تھیں وہ پھر بھی کچھ نہ بولی پتھر کا بت بنی جیسے وہ ابھی تک صدمے میں تھی وہ دونوں نجانے کتنے گھنٹے چپ سادھے بیٹھے رہے ایک گہرا خوفناک سکوت سا پھیل گیا تھا۔

ایک دن...... دو دن...... تین دن...... یونہی گزرتے گزرتے پورے دو ہفتے گزر گئے تھے وہ درد کے ایسے دوراہے پر کھڑے تھے کہ نہ موت ملتی نہ زندگی یوں لگتا جیسے روزان کے جسم پر کوڑے برسائے جا رہے ہوں' جس کی تکلیف سے وہ جنبش بھی نہ کر پاتے' عادل روز ہی اسپتال سے آس و نراش لئے واپس لوٹ آتا' ڈاکٹرز صرف اتنا کہتے کہ ''دعا کیجئے'' دعائیں تو وہ بے پناہ مانگتا تھا' پر وہ بھی جیسے بے اثر ہو گئی تھیں' دن رات اس کے درد و غم میں کٹ رہے تھے گھر میں بھی گہرے سناٹے دار خاموشی کا راج قائم ہو گیا تھا' نہ وہ زیادہ بولتا نہ نور' اسے تو بلکہ پہلے سے زیادہ چپ لگ گئی تھی' مناہل مرجھائے چہروں کو دیکھ کر وہ بھی بجھ سی گئی' خوشیوں کے پتے جیسے جھڑ گئے تھے اب شجر تنہا خاموش اداس کھڑا تھا' اس پر پڑتی برف ہر احساس کو منجمد کرتی جا رہی تھی' ٹھیک بیس دن بعد قیوم صاحب کے فالج زدہ وجود کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا' عادل ان چند دنوں میں ایسا نڈھال ہو گیا تھا جسے طویل مسافتوں سے تھکا ہارا لوٹا ہو' قیوم صاحب کو اتنی اذیت میں دیکھ کر وہ مزید گرتا جا رہا تھا' اس نے ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی' ہر طرح کا علاج کروا رہا تھا' پر وہ سب جیسے بے اثر ہو گیا تھا وہ کسی بھی طرح امپروو نہیں کر پا رہے تھے' عادل نے ان کی مستقل دیکھ بھال کے لئے ایک لڑکا رکھ لیا تھا' نور پر وہ یہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا اور خود جب آفس میں ہوتا تو ان کی ہی فکر لگی رہتی' اس لئے یہی حل بہتر لگا' جب آفس سے لوٹتا تو پھر سارا وقت ان کا ہاتھ تھامے باتیں کرتا رہتا' قیوم صاحب کے آنسو بہتے جاتے' جنہیں وہ ان کی تکلیف سمجھ کر محبت سے پونچھ ڈالتا۔

''انشاء اللہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے

ابا''۔ وہ ان کا ماتھا چوم کر حوصلہ دیتا' قیوم صاحب مزید اذیت میں دھنستے چلے جاتے' بیٹے کی بے غرض محبت' فرمانبرداری صرف پشیمان ہی پشیمان کرتی تھی' اگر ان کے وجود میں ہاتھ ہی جنبش کرنے کے قابل ہوتے' تو شاید وہ اپنا گلا گھونٹ کر اس اذیت سے چھٹکارا پا لیتے' سب سے تکلیف دے لمحہ وہ ہوتا ہے جب انسان کو اپنے گناہوں کا ادراک ہو جائے' وہ اس دوراہے پر آ کھڑے ہوئے تھے' نور سے معافی مانگنے کے لئے تو اب ہاتھ جوڑنے کے بھی قابل نہ رہے تھے اور سب سے زیادہ تکلیف اس بات کی تھی وہ کیسے اس کے سامنے نظر اٹھاتے انہیں لگا اگر ان کی آنکھیں پھوٹ بھی جائیں تو وہ غلاظت کیسے ہٹا پائیں گے جو انہوں نے ایک پاک رشتے کو میلا کرنے کے لئے اٹھائی تھیں۔

☆☆☆☆

''یہ شخص تو واقعی مکافات عمل کی تصویر بن گیا ہے''۔ سحر' قیوم صاحب کی عیادت کے لئے آئی تھی اور اس وقت سے حیران پریشان سی بیٹھی تھی' نور کے لبوں پر منجمد سی خاموشی آ ٹھہری۔

''جتنی حدیں اس آدمی نے پار کی ہوئی تھیں یہ سب تو ہونا ہی تھا''۔ سحر نے طنز کیا۔

''پلیز سحر پلیز چپ ہو جاؤ''۔ وہ جھنجلاتی ہوئی اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی چڑچڑاہٹ دور کرنا چاہ رہی تھی جو کسی طور کم ہونے میں نہ آ رہی تھی' سحر اس کی حالت پر حیرت زدہ سی رہ گئی تھی' وہ پریشان رہتی تھی پر اتنا شدید ردعمل اس نے کبھی نہیں کیا اس کا تن من شدید جھنجلاہٹ کی زد میں تھا' زرد چہرہ ہر تاثر سے پاک ہو چکا تھا' بے رونق آنکھیں گزرے دنوں کی اذیتوں کی داستانیں سنا رہی تھیں' سحر سنجیدہ سی ہو گئی اس نے آگے بڑھ کر اسے اپنے گلے سے لگا لیا تھا' نور ایک ہمدردانہ لمس پا کر مزید بکھرتی چلی گئی' آنسو تواتر سے بہنے لگے' اندر کا حبس آنسوؤں کی صورت میں بہنے لگا' سحر ابھی تک بے خبر تھی وہ کیوں ایسا ردعمل کر رہی ہے اور نہ ہی اس نے کریدا تھا' اس کی حالت اتنی نازک تھی کہ وہ کچھ پوچھ نہ پائی اسے کسی ہمدرد ساتھ کی ضرورت تھی' اس لئے اسے سمیٹنا ہی بہتر لگا تھا۔

☆☆☆☆

قیوم صاحب کی حالت گزرتے دنوں کے ساتھ مزید بگڑتی جا رہی تھی وہ ایک بار گڑگڑا کر نور سے معافی مانگنا چاہتے تھے خدا سے تو دن رات گڑگڑا کر انہوں نے معافیاں مانگی تھیں پر وہ قدرت بھی تو تب راضی ہوتی ہے جب اس انسان سے معافی مانگ لیتے جس کو انہوں نے دن رات اذیت دی تھی' ان کی اٹکی ہوئی سانس بس اس خواہش کے پورا ہونے کی طلب گار تھی' پر نور سے وہ بات کیا کرتے وہ بھولے بھٹکے بھی ان کے سامنے نہ آتی' ان کی طبیعت صبح سے کافی ناساز تھی عجیب اضطرابی سی کیفیت تھی' آج انہوں نے بڑی مشکل سے خود میں ہمت مجتمع کر کے اسے بلانے کا سوچا تھا ملازم کے ہاتھ انہوں نے پیغام بھیجا تھا کاموں میں الجھی وہ ملازم کے پیغام پر برف کی سی بن گئی' نہ منع کر سکتی تھی نہ ہاں کر سکتی تھی' ملازم کہہ کر چلا گیا' جبکہ وہ پتھر کی بنی رہ گئی' پچھلا گزرا ہر پل جسے دن رات کی کوششوں سے ذہن سے مٹا دینا چاہتی' اب کسی فلم کی طرح دماغ کے پردے پر چلنا شروع ہو گیا' وہی اذیتیں وہی تکلیفیں ایک بار پھر یاد آنے لگیں تھیں' اسے جتنی اس انسان سے نفرت ہو گئی تھی شاید ہی کسی سے ہوئی ہوگی' پھر اس کا سامنا کرنا سب سے مشکل ترین کام تھا' آخر اب کیا چاہتا تھا وہ اس کی زندگی کو جہنم بنا کر اب کیا چاہتا تھا سوالات ذہن میں کوندے تھے' وہ بزدل نہیں تھی اور اب تو یوں بھی زیادہ مضبوط ہو گئی تھی جس طرح قدرت نے اسے بچایا تھا یہ خیال ہی اس کے ایمان کو مضبوط بنا گیا تھا خود سے الجھتی سمجھاتی ہمت کر کے ان

کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی دروازے کی چوکھٹ پر اس کے قدم منوں کی طرح بھاری ہو گئے وہ چوکھٹ پر جم سی گئی۔

''آ جائیں باجی!'' ملازم اسے یوں کھڑا دیکھ کر بولا ساتھ قیوم صاحب کے بستر کے پاس رکھی کرسی پیش کی تھی' ملازم کی آواز پر قیوم صاحب نے نم آنکھیں پٹ سے کھولی تھیں اور سامنے سفید چادر سے لپٹے پر نور وجود کو دیکھ کر ان کی نظریں جھک گئی تھیں' آج ان کے جذبات سوچیں نظروں کے زاویے سب بدل گئے تھے' جس رشتے کو انہوں نے کبھی قبول نہیں کیا تھا قدرت نے ایک جھٹکے میں سب باور کرا دیا تھا وہ بھاری سست قدم اٹھاتی کرسی پر آ بیٹھی' نظریں زمین پر جم گئیں جبکہ سلام دعا کے لئے بھی اس نے لب نہ کھولے تھے' ملازم کسی کام سے باہر نکل گیا' کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا' قیوم صاحب گردن موڑے بہتے آنسوؤں کو تھامنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے جس حالت میں وہ تھے اس سے نظر نہ ملانے کے لئے کافی تھی' پر وہ ان انسانوں میں سے نہ تھی جو ان کی بربادی دیکھ کر پرسکون ہو جاتی' اسے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے سپاٹ سی بیٹھی رہی۔ عادل نے گھر میں داخل ہوتے ہی معمول کی طرح نور کو پکارا تھا اس کی آواز پر ملازم حاضر ہو گیا۔

''صاحب! نور باجی بڑے صاحب کے کمرے میں ہیں''۔ ملازم نے اطلاع دی ساتھ ہی پانی کا گلاس تھما دیا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ''۔ وہ گلاس تھامتے ہوئے بولا تھا' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے پانی کا گلاس حلق میں انڈیلا اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ قیوم صاحب کے کمرے کی طرف بڑھا تھا' یہی اس کا معمول بھی تھا' جب تک قیوم صاحب کی خیریت دریافت نہ کر لیتا سکون نہ آتا۔

''مجھے...... میرے...... کیئے کی...... سزا مل گئی......'' بڑی مشکل سے ادا ہوتے ٹیڑھے منہ سے انہوں نے لفظ ادا کیئے ان کے لفظوں نے کمرے کی چوکھٹ کے پاس کھڑے عادل کے قدم جکڑ لئے تھے۔

''تم پر...... رکھی...... غلط...... نگاہ نے...... مجھے''۔ آنسوؤں نے ان کا لہجہ تھما دیا' ہر لفظ اتنی دقت سے ادا ہو رہا تھا جیسے کسی نے ان کا گلا دبا رکھا ہو' اعتراف کرنا اتنا مشکل ہوگا انہیں اندازہ نہیں تھا' باہر کھڑا عادل سن سا ہو گیا' کیسی حقیقت آشکار ہو رہی تھی وہ کیا کہہ رہے تھے وہ جھٹکوں کی زد میں تھا' وہ چاپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی' شاید ہی کوئی لفظ وہ ٹھیک سے سن رہی تھی وہ بالکل خالی الذہن سے سن رہی تھی۔

''میں...... نے...... خدا کی...... حدود کو پار کرنے...... کی کوشش کی...... پر تم ایک مومن عورت ہو خدا نے تمہیں...... میرے شر سے محفوظ رکھا...... پر میں عبرت کا نشان بن گیا ہوں''۔ وہ با آواز بلند روتے ہوئے بولتے رہے' عادل کے سامنے پچھلے گزرے ماہ و سال گھومنے لگے تھے نور کے گم صم چہرے کی وجہ کھل کر سامنے آ گئی تھی اس گھر میں اتنا گھناؤنا کھیل چلتا رہا اور اس کھیل کو کھیلنے والا کوئی اور نہیں' اس کا عزیز از جان باپ تھا' اس سے اب شاید مزید کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تھا' اس کا چھلنی ہوتا وجود شاید اپنے قدموں پر قائم نہیں رہ سکتا تھا' غصے اور جلال سے آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں' وہ تیزی سے لمبے لمبے ڈھگ بھرتا چلا گیا۔

''میری بیٹی...... مجھے معاف کر دو...... میری مشکل آسان کر دو...... میں اب جینا نہیں چاہتا' زندہ رہا...... تو یہ پشیمانیاں مجھے...... خاک کر دیں گی...... خدارا مجھے معاف کر دو''۔ وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح بلک رہے تھے اب کے نور کی نم آنکھیں اٹھی تھیں جس میں دکھ واضح تھا کاش کے وہ اس مقدس

رشتے کی اہمیت پہلے جان لیتے تو آج یہ سب نہ ہوتا' اس کے دل میں دکھ سے خیال ابھرا تھا' دیر سے صحیح پر وہ خدا کی قدرت پر شکر گزار تھی جس نے پھرے ہوئے دل کو سیدھی راہ دکھادی تھی' اس کی اپنی حیثیت اپنی اوقات کیا تھی' وہ تو خود مٹی کی تخلیق تھی اور مٹی ہو جانا تھا' اتنی انا کی پتلی نہیں تھی کہ یوں اپنے آگے کسی کو گڑگڑاتا دیکھتی' یہ سچ تھا اس کی تکلیف کو ختم کرنے کا کوئی نعم البدل نہیں تھا پر اگر اس کے معاف کرنے سے کسی کی تکلیف کم ہو سکتی تھی تو اس میں کیا قباحت تھی۔

''میں نے آپ کو معاف کیا' خدا آپ کی مشکل آسان کرے''۔ وہ اپنے آنسوؤں کو پونچھتی ہوئی تیزی سے اٹھ کر چلی گئی تھی' قیوم صاحب نے نم آنکھوں کو بند کر لیا تھا' ایک قرار سا اندر اتر گیا تھا۔

☆☆☆☆

عادل آفس کے ہی لباس میں ملبوس شاور کے نیچے کھڑا تھا' گرم آنسو بہتے چلے جا رہے تھے' بے آواز روتا وہ گھٹ رہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ روئے اتنا چلائے کہ در و دیوار ہل جائیں وہ اپنی نادانیوں پر نالاں تھا وہ کیسے بے خبر رہا اس سب سے' کیوں اس کے چہرے کی اداسیوں کی وجہ کھوج نہ سکا' صرف اسی کی وجہ سے نور نے اس پر اعتبار کرنا گوارا نہ کیا اور ٹھیک بھی تو تھا' وہ اگر کچھ بتاتی بھی تو کیا وہ اعتبار کرتا؟ ایک زوردار ہاتھ اس نے شکست خوردہ کی طرح دیوار پر مارا تھا' غصے سے اس کے جبڑے بھینچ گئے' وہ کسی طور قبول نہیں کر پا رہا تھا کیسے وہ نظر ملا پائے گا نور سے نا چاہتے ہوئے بھی ایک بھرم تو قائم تھا پر ایک ریت کے ٹیلے جیسا جو کسی بھی وقت ڈھے سکتا تھا' جینا اس قدر مشکل لگ رہا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا' کیا وہ باپ کو معاف کر پائے گا؟ کتنا مان کتنا زعم تھا سب چکنا چور ہو گیا تھا اب نہ جیا جاتا تھا نہ مرا جاتا تھا۔

☆☆☆☆

صبح فجر کے وقت ان کی حرکت قلب بند ہو گئی تھی' اذیت کا سفر تمام ہو گیا تھا وہ نماز پڑھنے کے بعد ناشتے کی تیاری کر رہی تھی عادل بھی تھکا تھکا سا نماز پڑھ کر لوٹا تھا جب ملازم نے قیوم صاحب کی حالت کی اطلاع دی تھی اس وقت ہر خیال دماغ سے جیسے چھوٹ گیا' وہ گھبرا کر ان کے کمرے کی طرف بھاگا تھا' جلد ہی اس نے ڈاکٹر کو بلوا لیا تھا پر وہ اس جہاں سے کوچ کر گئے تھے وہ ڈھے سا گیا' نور بھی دھک سی رہ گئی تھی' خدا نے ان سب کی مشکل آسان کر دی تھی وہ اگر زندہ رہتے تو ان کا سب کا سامنا نہیں کر پاتے اور نہ ہی عادل ان کا سامنا کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆

صبح دن سے شام میں اور شام شب دیجور میں ڈھل گئی تھی گہرا سناٹا' گہری خاموشی ہر طرف ہو کا عالم تھا' موت کے گھر کی پہلی رات قبرستان جیسے سناٹے میں ڈھل گئی تھی ارد گرد سے اٹھتی جھینگروں کی آوازیں گہری ہیبت ناک خاموشی میں شور مچا رہی تھیں آج خشک سرد ہوا بھی جیسے منجمد ہو گئی تھی عادل اور اس کے بیچ میں ایک گہری چپ کا راج ہو گیا تھا' صبح سے رات ہو گئی وہ دونوں ایک دوسرے سے دو لفظ تسلی یا دکھ کے بھی نہ بول پائے تھے عادل نے چپکے سے کہاں آنسو دبا دیئے تھے اسے نہیں معلوم تھا' عجیب حالات ہو گئے تھے' ان کی زندگی کا ایک خاص فرد انہیں چھوڑ کر چلا گیا' پر وہ پھر بھی اس کا ذکر نہیں کر سکتے تھے' اس میں تو اتنی ہمت نہ تھی اور عادل تو اس سے نظر چرا رہا تھا' وہ صحن میں تخت پر بیٹھی سر نیہوڑے ہوئے تھی' جب عادل اس کے برابر میں آ بیٹھا' اس نے دھیرے سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو بے آب و رنگ نگاہوں سے اسے تک رہا تھا' ہلکے آسمانی رنگ کے سادہ سے دوپٹے میں اس کا صاف شفاف بے تاثر چہرہ بے پناہ معصوم لگ رہا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہیں......؟'' اس سے رہا نہ گیا تو پوچھ ڈالا۔

''کچھ نہیں بس ویسے ہی''۔ اس نے نظر ہٹا کر سیاہ آسمان پر جمالی تھی' کچھ دیر کے لئے سکوت سا چھا گیا' موت کے گھر کی رات نجانے کیوں قبرستان جیسے سناٹے کی طرح ہو جاتی ہے اس وقت بھی ایسا ہی سناٹا تھا جو روح کو گھائل کر دے' اس کے چہرے پر پھیلے اضطراب قیوم صاحب کی موت کا خیال نہ تھا کچھ اور بھی تھا جسے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''کچھ کہنا ہے عادل......؟'' وہ بولی۔

''ہاں! نہیں تو......'' وہ اتنا محو تھا آسمان کو دیکھنے میں یا شاید الجھنوں میں پھنس گیا جبھی چونک کر بولا' وہ حیران سی ہوئی۔

''شاید واقعی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔ پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔

''ہاں کہیں''۔ وہ بولی' پر وہ پھر چپ ہو گیا وہ اس کی بے چینی کو محسوس کر رہی تھی وہ لاکھ چاہ کر بھی اس کے سامنے اس بھید کو نہیں کھول سکتا تھا اور اب جب وہ انسان ہی زندہ نہ رہا تھا' تو کیا فیض حاصل ہونا تھا ان باتوں کا پر معافی مانگ سکتا تھا اس کا اعتبار تو جیت سکتا تھا یہ تو اس کے اختیار میں تھا۔

''میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں''۔ بہت ہمت جمع کر کے وہ بولا تھا آگے سے وہ حیران رہ گئی تھی۔

''معافی! پر کس بات کے لئے......؟'' وہ واقعی انجان تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ سب حقیقتیں اس پر آشکار ہو گئی تھیں۔

''پتا نہیں بس خود کو تمہارا مجرم سمجھتا ہوں مجھے لگتا تھا میں نے کبھی تمہارے دل تک رسائی حاصل کی ہی نہیں اور شاید اس میں میں ہی قصوروار ہوں' میں نے تمہیں اعتبار دیا ہوتا تو تم بھی شاید مجھے اپنا ہم راز سمجھتیں''۔ وہ نا سمجھی سے اس کی بات سن رہی تھی بات کا مفہوم کیا تھا اور آج یوں اچانک کہہ دینا عجیب ہی اعتراف لگا تھا اسے۔

''ایسا نہیں ہے عادل! مجھے بھروسا ہے آپ پر''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا' عادل کی شرم سے نظریں خود بخود جھک گئی تھیں وہ خاموش ہو گیا اور اسے اس کی خاموش بے چین کر رہی تھی کچھ تھا جو وہ کہنا چاہتا تھا پر پھر بھی چپ تھا۔

''عادل پلیز! کوئی الجھن ہے تو مجھ سے شیئر کریں''۔ اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا' وہ بڑی تکلیف سے مسکرا دیا اب وہ کیا الجھنیں بتاتا اور کیا سمجھاتا سب کچھ تو بیت گیا' آندھی طوفان سب گزر گئے' بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا پھر بھی نیا جہان آباد ہو گیا' کوئی کسی کے لئے نہیں رکتا سب اپنا کردار ادا کرتے ہیں' اور ویسا ہی انجام پاتے ہیں وہ اپنا کردار ادا نہ کر سکا' شاید طوفان کو محسوس کرتا تو بچنے کے لئے ضرور کردار ادا کرتا' اسے لگا وہ برسوں کا سویا ہوا تھا اور آج جیسے جاگ اٹھا ہو جیسے کوئی نیا جنم لیا ہو اب جب ہوش آ ہی گیا تھا تو اپنا اب کردار بھی ادا کرنا تھا اور سب سے پہلے اپنے ہمسفر کا اعتبار جیتنا تھا۔

''تم پریشان مت ہو میں ٹھیک ہوں''۔ اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا کچھ نئے عہدوں کے ساتھ نور نے اپنے بوجھل سر کو اس کے مضبوط کندھے پر ٹکا دیا تھا۔

ایک طویل کانچ کی مسافت ختم ہو گئی تھی جہاں بہت سے بھرم قائم تھے وہیں بہت سے بھرم ٹوٹے تھے اور کچھ بھید اعترافوں کے ہی منتظر تھے پر ان کا چھپا رہنا ہی بہتر تھا' اگر اس سے ایک دوسرے کے لئے نگاہ اٹھانے میں اور جینے میں آسانی تھی تو انہوں نے ان بھیدوں کا بند رہنا ہی بہتر سمجھا تھا' اس دکھ کے عالم میں وہ چاپ چاپ ایک دوسرے کو سمیٹ لینا چاہتے تھے۔

☆......☆☆......☆



افسانہ

بس ایک جھلک کی عید

صالحہ محمود

چھم چھاما چھم بارش کی بوندیں بہت تیز گر رہی تھیں آسمان پر بجلی بہت زور سے کڑکی تو اسلام آباد کے گرین درختوں پر روشنی پھیل گئی تھی' ایک لمحے کے لئے وہ کانپی اور پھر اس نے اپنا ہاتھ ونڈو سے باہر نکالا' ہتھیلی پر لگی ہوئی مہندی بھیگ کر اور گہری نظر آنے لگی خواب جیسے منظر جب آنکھوں سے ہٹے تو اماں اسے آواز دے رہی تھیں۔

''رمشہ......رمشہ جلدی آؤ دیر ہو رہی ہے''۔ وہ بہت تیز پلٹی تھی۔

''اماں بس آتی ہوں''۔اس نے بھیگتی ہوئی گلی پر نظر ڈالی دور تک سناٹا تھا' زندگی کا یہ ایک پل گزر گیا۔ تیز ہوا کا جھونکا آیا تو بارش کا پانی اندر تک چلا آیا اور دونوں پیر بھیگ گئے تھے' شفاف پانی میں بھیگے ہوئے پیر سمندر کی ریت میں دور تک دوڑنے لگے' اچھلتی ہوئی لہر آئی اور اس نے رمشہ کو پور پور بھگو دیا تھا۔

''رمشہ پلیز! تم ابھی بخار سے اٹھی ہو' روزے سے ہو مت دوڑو اتنا تیز' دیکھو تم پانی میں بھیگ گئی ہو''۔عمر نے اس کی کلائی تھام لی۔

''چھوڑو عمر! کیا کرتے ہو سب دیکھ رہے ہیں''۔

''کیا دیکھ رہے ہیں سب دیکھ لیں' اتنا تیز مت دوڑو''۔

''تمہیں اتنی اچانک مجھ سے ہمدردی کیوں ہو گئی ہے جاؤ اپنے کام سے کام رکھو''۔ رمشہ اچھلتے ہوئے پانی کے قریب پہنچ گئی تھی' بھیگتی ہوئی شام جو ابھی گزری اذان ہو گئی سب نے ساحل سمندر پر بیٹھ کر روزہ کھولا تھا' ایک تیز لہر آئی عمر اور رمشہ کے درمیان' تو سب کچھ ساتھ بہا کر لے گئی اماں کی تیز تیز آوازیں آ رہی تھیں۔

''رمشہ! سارے برتن سمیٹو چادر لپیٹو''۔

''کیوں تائی اماں! کھایا سب لوگوں نے اور سمیٹے صرف رمشہ''۔عمر بولا۔

''تم بڑے چچے ہو رمشہ کے''۔ تانیہ نے بڑے غور سے اسے دیکھا۔

''کیوں تمہیں بڑی تکلیف ہو رہی ہے رمشہ کا نام سن کر یو آر جیلس......؟'' احمد نے ہنس کر عمر کے ہاتھ پر تالی ماری۔

''تم نے میرے دل کی بات کہہ دی''۔عمر کھلکھلا پڑا رمشہ نے گھور کر عمر کو دیکھا عمر رخ پھیر کر ہنسنے لگا۔

☆☆☆☆

صبح عید تھی سب جلدی جلدی شاور لے کر گھر سے مرد مسجد جا رہے تھے' عمر کی پاکستان میں پہلی عید تھی' عید کی نماز پڑھنے کے بعد جب سب لوگ گھر آئے' حلیم' شامی کباب اور پلاؤ کی ڈشز پر سب ٹوٹ پڑے احمد' عمر' ضیاء بھائی' رافع ماموں اور ابرار خالو اور بڑی پھپھو کے بیٹے جنید بھی آ گئے

تھے۔
''یہ رات بھر حلیم کس نے گھوٹا......؟'' احمد عمر کو چھیڑ رہا تھا۔
''جب میں آیا تو رمشہ دیگچا پکڑے بیٹھی تھی اور عمر اس میں تجربات کر رہے تھے''۔
''کیسا تجربہ......؟'' فہد بھائی بولے تو احمد ہنس کر بولا۔
''چاند رات کو حلیم پاکستان میں کیسے بناتے ہیں' عمر یہ یہاں سے سیکھ کر جائیں گے۔
''تو اب امریکا میں حلیم بنے گا......؟''
''ریسپی کارڈ وہ ساتھ لے جائیں گے''۔ نعیم نے ہنس کر رمشہ کی جانب دیکھا تھا' تانیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
''جی نہیں حلیم خالہ نے بنایا ہے''۔ ایک تیز پانی کی بوچھاڑ آئی تو وہ سمٹ کر کھڑکی کے پردے کو تھامے ہوئے صوفے پر گر گئی' بھیگی برسات کی یہ پہلی ٹھوکر تھی' جب وہ بالکنی پر سرد ہواؤں کے جھونکوں سے سہم کر بالکنی پر کھڑی رہ گئی۔
''یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں ذوبیا باجی' عمر اور رمشہ کا کیا جوڑ ہے' میری نند کا بیٹا ہے میرے گھر مہمان بن کر آیا ہے' اس پر میری بیٹی کا حق ہے' طلعت آپا ایک بار نہیں کئی بار فون پر یہ بات کہہ چکی ہیں کہ وہ تانیہ کو اپنی بہو بنائیں گی اور میرے آگے پیچھے ہے کون میری بہن اچھی طرح جانتی ہے' اسلام آباد کی یہ کوٹھی میں عمر کے ہی نام کر دوں گی یہ میں نے سوچ لیا ہے' آپا میں نے رحم کھا کر بھائی کی ڈیتھ کے بعد آپ کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دی' رمشہ اور تانیہ میں' میں نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا' لیکن اب بات تانیہ کے مستقبل کی ہے آپ سمجھ رہی ہیں ناں......؟'' صبیحہ بولیں۔
''دیکھو! جو تمہارے اختیار میں ہے وہ تم کرو' زیبا کچھ بھی نہیں ہے' اب مجھے تمہارا یہ در رہنے کے لئے چاہئے اور کچھ نہیں''۔ وہ بھیگے لہجے میں بولیں۔
''دیکھیں آپا! میری بھی مجبوری ہے' طلعت باجی کے آنے سے پہلے پہلے آپ پنڈی والے گھر میں شفٹ ہو جائیں وہ عید پر آ رہی ہیں''۔ بارش ٹوٹ کر برسی تھی وہ کب کیسے بالکنی میں منجمد بے خبر گری پڑی تھی' زیبا آواز دیتی ہوئیں واپس چلی آئیں۔
''رمشہ! کیا ہوا تم کپڑے پھیلاتے بالکنی میں گئی تھیں کیا سوکھا رہی ہو''۔ وہ دروازہ کھول کر کاریڈور میں آئی تھیں۔ کپڑے تو ٹب میں جوں کے توں رکھے تھے' البتہ بے ہوش پڑی ہوئی وہ بارش میں بھیگ رہی تھی۔
''رمشہ مر گئی' رمشہ مر گئی' رمشہ کو کچھ ہو گیا''۔ زیبا بے اختیار پلٹ کر شور مچا رہی تھیں' دوسرے پورشن سے کزنز احمد' جنید دوڑتے ہوئے آئے تھے' رمشہ بدستور بے ہوش تھی یہ کسی کو پتہ نہ چل سکا ٹھنڈی ہوائیں اور بارش نے اسے بے خبر کر دیا تھا۔

☆☆☆☆

''میں دیکھ لوں گا اسے آپ لوگ گھر جائیں''۔ عمر اور احمد صبیحہ اور زیبا سے بحث کر رہے تھے۔
''ہاں ٹھیک ہے احمد اور زیبا یہاں موجود ہیں تم کس لئے یہاں رکو گے تم گھر چلو عمر' تم مہمان ہو ہمارے خاص مہمان''۔ وہ دبی دبی مسکراہٹ سے ہنسی تھیں۔
''نہیں آنٹی! آپ لوگ جائیں روزے کا وقت ہو رہا ہے ہم اور احمد بھائی ہیں جنید بھائی بھی آ گئے' روزے کے بعد ہم اسے لے کر گھر آ جائیں گے''۔
''نہیں...... پھر تو میں ایسا کرتی ہوں کہ میں

تانیہ کو بلوا لیتی ہوں تم اور تانیہ سامنے ریسٹورنٹ چلے جانا چاہیں تو احمد اور جنید بھی وہاں چلے جائیں ہم اور زیبا گھر چلے جائیں گے ابھی ڈرائیور گاڑی لے کر آ جائے گا چلیں زیبا باجی گھر''۔
''میرا دل نہیں چاہ رہا میں یہیں رہوں گی جب تک میری رمشہ کو ہوش نہیں آ جاتا''۔
''آنٹی! میں نے کہا ناں رمشہ ٹھیک ہے' تھوڑی دیر میں اسے ہوش آ جائے گا میں' جنید اور عمر یہاں موجود ہیں' آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں''۔ صبیحہ نے ایک قہر بھری نظر زیبا پر ڈالی۔
''چلیں! ایسا کرتے ہیں ہم بھی ویٹنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں ہم میں سے کوئی گھر نہیں جائے گا''۔ احمد بولا پھر آخری شب بھی آ گئی اس دن بھی ٹوٹ کر بارش برسی کیسا شور تھا' سب مل کر آسمان پر ننھے سے چاند کو ڈھونڈ رہے تھے بادلوں کی آنکھ مچولی میں عمر کی نظریں رمشہ کو ڈھونڈ رہی تھیں' رات آہستہ آہستہ اندھیرے میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی ہلکی ہلکی پھوار آسمان سے گر رہی تھی' رمشہ لان میں پڑے ہوئے پتھر پر بیٹھی ہوئی نجانے کیا سوچ رہی تھی' آہٹ ہوئی تو گھبرا کر کھڑی ہو گئی' عمر اس کے بہت قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
''رمشہ میری بات سنو اور میری بات کا جواب دو''۔ لیکن رمشہ ہاتھ چھڑا کر بہت تیز اوپر بھاگی تھی اور عمر اس کے پیچھے۔
''تم میرا پیچھا کیوں کرتے ہو میری ذلت و رسوائی تمہاری وجہ سے ہو رہی ہے' میری ماں یہ گھر چھوڑ کر واپس کراچی جا رہی ہے صرف تمہاری وجہ سے''۔
''اگر یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے تو اس کا ازالہ میں ہی کروں گا''۔ عمر کا لہجہ بہت ہی پراعتماد تھا۔
''میرا ہاتھ چھوڑیں''۔
''ایک کیا دس سال بھی بیت جائیں رمشہ! جب تک میری شادی کی خبر تمہیں نہیں ملتی تم شادی نہیں کرو گی' اور اگر ایسا ہوا تو تم دیکھو گی کہ عمر دنیا چھوڑ کر چلا گیا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں دے کر جاتا ہوں''۔ وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر زینہ طے کرتا ہوا آخری زینے پر پہنچا تو صبیحہ اسی کی جانب آ رہی تھیں۔
''کیا ہوا عمر تم کہاں چلے گئے تھے''۔ پھر ان کی نظر لان میں کھڑی ہوئی رمشہ پر پڑی تو ان کا دل اندر سے بیٹھ سا گیا تھا' عمر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف نکل گیا تھا۔
کل عید تھی لیکن عمر اپنا بیگ تھامے دو بجے کی فلائٹ سے واپس جا رہا تھا' صبیحہ نے اپنی نند طلعت کو امریکا فون کیا تھا۔
''عمر سب کی عید خراب کر کے رات دو بجے نکل رہا ہے' آپ اسے روکیں تانیہ بڑی اپ سیٹ ہے''۔
''بھابی میرا فون وہ نہیں اٹھا رہا میری بات کروائیں''۔
''عمر! تمہاری ماں تم سے بات کرنا چاہ رہی ہیں''۔ انہوں نے سیل عمر کی جانب بڑھایا۔
''جی مما! میں تھوڑی دیر میں گھر کے لئے نکل رہا ہوں۔
''لیکن عمر! کیوں کیا ہوا ہے تمہیں اچانک......؟'' لیکن عمر سیل صبیحہ کو تھما چکا تھا' احمد اور نعیم بھائی اس کے ساتھ چل رہے تھے۔
''یار عمر! صبح عید ہے کیا کر رہے ہو تم' کیوں کر رہے ایسا کیا ہو گیا''۔ نعیم بھائی بولے۔
''تم تو یہاں عید کی روایات عید کے پکوان دیکھنے آئے تھے''۔ احمد نے اس کا بیگ تھام لیا۔

''یار! حد ہوتی ہے کوئی ایسی بات نہیں ہمارے اور رمشہ کے درمیان اور مامی نے اتنا بڑا ایشو بنا دیا' رمشہ کی تعریف کیا کر دی تانیہ طنز کرتی ہے' جاؤ دیکھو کس طرح ایک یتیم لڑکی بارش میں کھڑی رو رہی ہے اور ہم سب انجوائے کر رہے ہیں کیا یہی ہے عید......؟'' عمر نے سب سے سوال کیا تھا' عمر ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھا' ٹیکسی گیٹ پر آ چکی تھی صبیحہ غصے میں زیبا پر چیخ رہی تھیں۔

''مامی! آپ یہ اچھا نہیں کر رہیں وہ مظلوم لڑکی ہے عید پر تو دشمنوں کو بھی گلے لگاتے ہیں آپ کی یہ عید ہے جو میں دیکھنے آیا تھا' کہ سب ہنس رہے ہیں بول رہے ہیں اور ایک لڑکی صرف میری وجہ سے دربدر کی جا رہی ہے''۔ عمر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''صرف تھوڑے دن کی بات ہے کوئی میں عمر بھر کے لئے انہیں نہیں بھیج رہی دو چار دن کے بعد میں زیبا آپا کو واپس بلا لوں گی''۔ وہ بے دھیانی میں سب کچھ بول گئی تھیں۔

''مثلاً یہ کہاں جائیں گی کس سرونٹ کوارٹر میں انہیں آپ بھیجیں گی عید منانے کے لئے......؟'' عمر پوچھ رہا تھا۔

''کوئی سرونٹ کوارٹر نہیں میں اتنی ظالم انسان نہیں جتنا تم سمجھتے ہو''۔ صبیحہ نروس انداز میں بولیں تو وہ پلٹ کر بولا۔

''کیا کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں بھجوا رہی ہیں......؟'' تو وہ شکستہ سا لہجے میں بولیں۔

''مجھ سے ان کا خونی رشتہ ہے آپ سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے''۔

''یقیناً...... تبھی تو مجھے زیادہ احساس ہے کہ آپ اپنے خونی رشتوں سے ایسا سلوک کر رہی ہیں تو آپ پھر کس کی ہوں گی''۔

بارش ٹوٹ کر برسی وہ دوبارہ کھڑکی تھام کر دیکھ رہی تھی سڑکیں بھیگ رہی تھیں صبح پھر عید تھی' عمر رات ہی چلا گیا تھا' کتنا گہرا سناٹا تھا گھر میں۔

''میں مجرم تھی اس کی' وہ پلٹ کر ہی نہ آیا اس کی خبر ہی کوئی نہ ملی میں کس سے پوچھتی بس جاتے جاتے اس کے جملے یاد رہ گئے کہ جب بھی تمہاری شادی کی خبر ملی تو عمر یہ دنیا چھوڑ جائے گا کیا واقعی وہ مجھ سے محبت کرتا تھا' اس بات کو 5 سال بیت گئے عمر جاتے جاتے کیا مجھے قید کر کے گیا ہے کتنے رشتے آئے پر ہر رشتے میں عمر مجھے یاد آیا اگر میں نے شادی کر لی تو عمر مر جائے گا' کوئی وجہ نہیں کوئی عشق بھی نہیں نہ وہ مجھے یاد آتا ہے ہر آنے والے رشتے پر وہ مجھے یاد آتا ہے کتنا جنونی تھا عمر کیسی گہرائی تھی اس کی آنکھوں میں' جب وہ مجھے دیکھتا تھا تو یوں لگتا تھا کہ دل کے اندر کچھ ہو رہا ہے''۔

''رمشہ' رمشہ کیا ہو گیا ہے' شام سے تم کھڑکی کھولے کھڑی ہو' کچھ تمہیں دھیان ہے کہ کل عید ہے کچھ گھر کے کام کر لو''۔ وہ بیتے پانچ برسوں سے پلٹ کر لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆☆

وقت کسی کے لئے رکتا نہیں موسم رت کی پانچ بہاریں گزر گئیں نعیم اور احمد آ کر رمشہ کو چھیڑتے تھے۔

''عمر جب بھی فون کرتا ہے تو یہی پوچھتا ہے کہ جب بھی رمشہ کی شادی ہو مجھے ضرور بتانا میں کمیٹڈ ہوں بہت اچھا تحفہ دوں گا''۔ احمد بولا۔

''کیا ہوا رمشہ تم تو کانپ رہی ہو''۔ نعیم بولے۔ اور وہ گھبرا کر ان کے پاس سے ہٹ جاتی' عمر کے الفاظ سماعت میں گونجنے لگتے۔

''جب تک تمہیں میری شادی کی خبر نہیں ملتی تب تک تم بھی شادی نہیں کرو گی اگر کرو گی تو......''

پانچ سال میں عمر پلٹ کر ایک بار بھی نہ آیا' زیبا تھک ہار گئیں ان 5 سالوں میں رمشہ نے شادی کے لئے کہیں بھی ہاں نہ کی کہنے والے پتہ نہیں کیا کچھ کہتے رہتے۔

''یہ خالہ کے گھر میں پلی بڑھی ہے ناں تو اس لئے نفسیاتی ہو گئی ہے ہر وقت کام کام کرتی رہتی ہے' شادی کے نام سے اس کو فٹس (جھٹکے) پڑتے ہیں''۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے رشتے دار کہتے۔

''مفت کی نوکرانی مل گئی ہے اس لئے وہ رشتے سے انکار کر دیتی ہیں''۔ ان پانچ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا' اچھا رشتہ آیا تو تانیہ بھی اپنے گھر رخصت ہو گئی۔ پھر ایک شب اس دن بھی ٹوٹ کر بارش برسی تھی' نعیم بھائی اس کو کھڑے ہوئے بتا رہے تھے۔

''آج شب عمر آ رہا ہے رات کی فلائٹ سے' کل عید کے دن وہ دھماکہ کرنے والا ہے' کہیں یہ دھماکہ تمہارے اردگرد تو نہیں ہو گا''۔ دل دھڑ سے ہوا چہرہ سپاٹ ہو گیا' نعیم کھڑے ہنس رہے تھے اور وہ کھڑی انہیں غور سے دیکھ رہی تھی۔

شب کی وہ نجانے کونسی گھڑی تھی جب عمر آیا البتہ بہت دیر تک وہ کھڑکی سے پرے کھڑی بارش کو تکتی رہی۔

عید کا دن تھا صبح بڑی گہما گہمی تھی نماز کے بعد سبھی لوگ ڈائننگ ہال میں موجود تھے بڑا سا عید کیک سامنے رکھا تھا' جو عمر صبح نعیم بھائی کے ساتھ جا کر لایا تھا۔

''یہ بہت اسپیشل گفٹ ہے جو عمر کھولے گا''۔ کیک کے سائیڈ پر رکھے ہوئے پاؤچ کو دیکھ کر احمد بولا' عمر کی ماں مسکرا پڑی تھیں' صبیحہ بھی بہت مطمئن سی تھیں تبھی تانیہ اپنے 6 ماہ کے بچے کو اٹھائے ہوئے اندر آئی تھی۔

''کیا ہوا تانیہ......؟'' تانیہ' عمر کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھی صبیحہ جلدی سے بول پڑیں۔

''کچھ نہیں ماں''۔ وہ گھبرا کر بولی عمر اپنا رخ پھیر گیا تھا' رمشہ شیر خورمے کی ڈش رکھنے ٹیبل پر آئی عمر کی ماں نسرین نے رمشہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''بس کرو رمشہ! آؤ تم ہمارے پاس بیٹھو''۔ عمر نے جلدی سے اپنی سیٹ چھوڑ دی تھی۔

''اسپیشل فار یو''۔ احمد بھائی کیک کی طرف اشارہ کر کے ہنسے تھے' زیبا بھی مسکرائیں کہ جس سے پتہ چلا کہ ان کو خبر ہے اس کیک کی' نسرین نے بیگ سے بہت خوبصورت ڈائمنڈ رنگ نکالی تھی۔

''بھئی سب دیکھ لیں زیبا! اجازت ہے میں یہ رمشہ کے ہاتھ میں پہنا دوں''۔ زیبا ہنسیں تو نسرین نے رنگ رمشہ کی انگلی میں ڈال دی' رمشہ نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا لیکن عمر کیک کاٹ رہا تھا۔

''پلیز عمر پلیز سب سے پہلے تم رمشہ کو کھلاؤ گے''۔ احمد نعیم ایک ساتھ بولے تھے' تانیہ نے تلملا کر اپنے بیٹے کو تھپڑ مارا تو صبیحہ نے جلدی سے بچے کو تھام لیا۔

''کیا ہوا تانیہ......؟''

''کچھ نہیں امی صبح سے تنگ کئے جا رہا ہے''۔ تو صبیحہ نے غور سے تانیہ کے چہرے کی طرف دیکھا وہ اس کے دل کا بھید جان گئی تھیں' عمر' رمشہ کا ہاتھ تھامے نجانے کن خیالوں میں گم تھا باہر بارش کی آوازیں تیز ہو رہی تھیں' تانیہ کا دل اندر سے سسک رہا تھا اور رمشہ کی آنکھوں سے بھی نجانے کیوں آنسو چھلک پڑے تھے' رمشہ نے دھیرے سے پلکیں اٹھا کر عمر کو دیکھا۔

☆......☆☆......☆

☆☆



ایقان علی

افسانہ

زہرہ

یہ آٹھویں صدی کا قرطبہ ہے' یہ اس زمانے کی بات ہے جب لفظ ''قرطبہ'' اور ''عروج'' دو مختلف باتیں نہیں تھیں۔ یہ اسی قرطبہ کا ایک بازار ہے' معمول کی گہما گہمی ہے' لوگ آجا رہے ہیں مختلف ملبوسات میں ملبوس مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے سیاح غول در غول بازار کی رونق بڑھا رہے ہیں' بازار میں تاجر اپنی اپنی دکانیں سجائے ہوئے ہیں' ریشمی پوشاک' ہیرے موتیوں سے سجے زیورات' مختلف نوادرات اور ہر وہ شے جو خریدار کو اپنی طرف مائل کرسکتی ہے' وہاں بک رہی ہے' ہر انسان مسرت وشاداں اس بازار کی پکی گلیوں میں گھوم پھر رہا ہے' اس بازار میں موجود لوگوں کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند سنائی دیتی ہیں' اسی بازار سے کچھ دور وہ بگھی رکی ہے جس میں سے وہ پچیس سالہ نوجوان نمودار ہوا ہے' وہ اپنی پروقار پوشاک میں خاصا جاذب دکھائی دیتا ہے' اس کے چہرے کے تیکھے سے نقوش بتاتے ہیں کہ وہ کچھ مغرور سا بھی ہے وہ عبداللہ ہے۔

بگھی سے اتر کر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا ہوا وہ بازار کی طرف آیا' وہاں اس نے ایک راہ گیر سے کچھ پوچھا' جواباً راہ گیر نے اسے اشارے سے بتایا' اب وہ اس کے بتائے ہوئے پتہ پر جارہا ہے' وہ ایک عالیشان محل نما عمارت ہے جس کے سامنے وہ آرکا' دستک پر باہر آنے والے غلام سے اس نے پوچھا۔

''کیا یہ ہارون امان اللہ کا گھر ہے؟ مجھے عاصم سے ملنا ہے''۔ غلام اسے لئے اندر آیا اور اس محل نما گھر کے بائیں طرف بنے مہمان خانے میں ٹھہرنے کا کہہ کر خود اندر چلا گیا' کچھ دیر بعد اس کی واپسی ہوئی تو ساتھ میں ایک فربہی مائل آدمی بھی تھا۔

''آپ غالباً عبداللہ ہیں......؟'' عبداللہ نے اثبات میں سر ہلایا' وہ آدمی اب اس کے سامنے قالین پر بیٹھ چکا تھا۔

''زہے نصیب آپ سے مل کر اچھا لگا' عاصم کئی بار آپ کا ذکر کرچکا ہے کہ کیسے آپ نے اس کی مدد کی جب ایک پرائے دیس میں اسے رہزنوں نے لوٹ لیا اور سارا مال اسباب لے کر اسے زخمی بھی کیا' وہ آپ کا دل سے احسان مند ہے اور ہونا بھی چاہئے''۔

''مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' مجھ جیسے انسان صرف وسیلہ ہوتے ہیں''۔ اتنے میں وہی غلام ایک تھالی میں سجے مختلف انواع کے پھل لئے آیا تھا' ایک دوسری تھالی میں رس سے بھرے گلاس تھے۔

''بے شک! مجھے عاصم نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے اصرار پر آپ قرطبہ آنے والے ہیں لیکن کل شام اسے خلیفہ عبدالرحمٰن سوئم کی جانب سے

بلوا وا آیا اور اسے وہاں جانا پڑا“۔

”عاصم نہیں ہے......؟“

”نہیں جناب! لیکن وہ چند روز میں واپس آجائے گا‘ اور تب تک آپ یہاں مہمان کی حیثیت سے رہیں گے“۔

”عاصم نے بتایا تھا اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے“۔ ہارون امان اللہ نے ایک جام اسے دیا تھا۔

”جی جناب! میں اس کا چچا ہوں لیکن وہ مجھے میری اولاد کی طرح عزیز ہے“۔ کچھ دیر بعد وہ اسے وہیں آرام کرنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔ اس شام وہ مہمان خانے کے سامنے بنے باغیچہ میں چہل قدمی کے لئے آیا تھا‘ ہلکی ہلکی ہوا بدن کو توانائیاں دے رہی تھی‘ سامنے زمین پر زمریں گھاس کا فرش بچھا ہوا تھا‘ انار‘ خوبانی کے پیڑ پھولوں سے لدے تھے اس حسین شام میں عبداللہ نے اسے پہلی بار دیکھا تھا‘ وہ ہلکے سبز رنگ کی آنکھوں والی نازک سی لڑکی جو باغیچہ میں لگے پودوں سے کلیاں الگ کر کے اپنے ریشمی دوپٹے کے دامن میں بھر رہی تھی‘ ساتھ میں وہ کچھ گنگنا رہی تھی‘ ایسی آواز جیسے جلترنگ بج اٹھے ہوں‘ عبداللہ جیسے پتھر کا بنا اسے دیکھے چلے جارہا تھا تبھی وہ نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے پلٹی اور ایک اجنبی کو دیکھ کر چونکی‘ جلدی سے دوپٹہ سر پر کھینچا اور اندر کو بھاگ گئی۔

وہ کون تھی؟ عبداللہ نہیں جانتا تھا لیکن جاننا چاہتا تھا‘ وہ پوری شام اس نے اس پھولوں جیسی لڑکی کو سوچتے ہوئے گزار دی تھی‘ جیسے جیسے وہ اسے یاد کرتا جاتا تھا‘ ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلتی جاتی تھی‘ اسی رات جب وہ اپنے کمرے میں دریچے میں سے سیاہ آسمان پر بکھرے چاندی کے ذرے جیسے تاروں کو دیکھ رہا تھا اسے وہ پھر سے دکھائی دی تھی‘ محل کی اونچی منڈیروں پر وہ دیئے روشن کر کے رکھتی جارہی تھی‘ اندھیروں میں روشنی بکھیرتی وہ روشنی جیسی لڑکی۔ وہ اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی‘ وہ اس کے حواسوں پر چھا چکی تھی‘ عبداللہ کے دماغ کے یادداشت کے خانوں میں بس ایک وہ اور بس وہ رہ گئی تھی اگلے دن جب باغیچہ میں آیا تو وہ خاموشی سے آنکھیں موندے ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

”سنئے“۔ عبداللہ کو خود پر قابو نا رہا اور وہ اسے پکار بیٹھا وہ چونک کر اٹھی۔

”بات سنئے“۔

”ہم اجنبیوں سے بات نہیں کرتے“۔

”میں عبداللہ ہوں“۔ وہ کچھ قدم گھاس کو روندتا اس کے نزدیک آیا وہ اس کی طرف پشت کیئے کھڑی تھی۔

”کہیے......؟“ اور وہ کیا کہتا؟ اسے کچھ کہنا ہی نا تھا‘ اسے تو بس سننا تھا اس کی مدھر آواز کا مدھر سا سنگیت۔

”میں نے سنا تھا قرطبہ میں دنیا کے حسین ترین افراد بستے ہیں مجھے اس بات کی سچائی میں شک تھا جب تک میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا“۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکی اور پھر اندر کو بھاگ گئی۔ ناشتہ کا خوان لانے والی کنیز سے عبداللہ نے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا۔

”وہ زہرہ ہیں‘ عبداللہ جناب! وہ مالک کی بیٹی ہیں‘ قرطبہ کی سب سے خوبصورت لڑکی“۔

”بے شک“۔ وہ زیر لب بولا۔ وہ پورا دن قرطبہ کی گلیوں میں سیر کرتا پھرا تھا‘ اس کے دماغ کی گلیوں میں زہرہ کی یاد یہاں وہاں پھرتی رہی تھی‘ وہ اسے بھول نہیں رہی تھی اور وہ اسے بھولنا بھی نہیں چاہتا تھا‘ وہ مہمان خانے میں واپس آیا تو وہ کلیاں چن رہی تھی۔

”اتنے پھول کیوں جمع کرتی ہیں آپ......؟“ وہ خاموشی سے اس کے پاس آ کھڑا ہوا‘ وہ بھی خاموشی سے کلیاں شاخوں سے علیحدہ کرتی رہی۔

”پھول بہت پسند ہیں آپ کو......؟“

”پھول کسے پسند نہیں ہوتے......؟“ وہ سوال کے جواب میں سوال کر رہی تھی وہ زیر لب مسکرایا۔

☆☆☆☆

رات میں وہ دریچہ کے سامنے بیٹھا اسے دیئے روشن کرتے دیکھتا رہا تھا‘ اسے دیکھتے چلے جانے سے زیادہ مسحور کن اور خوشگوار کام اس وقت عبداللہ کے پاس نہیں تھا۔

”کنیزوں کے ہوتے ہوئے آپ خود سے دیئے کیوں جلاتی ہیں......؟“ اگلی صبح وہ اس سے پوچھ بیٹھا۔

”مجھے روشنیاں بکھیرنا پسند ہیں“۔

”ویسے دیئے جلانے سے روشنی بکھیرنے کا بھی آپ تردد کرتی ہیں‘ اندھیرا اور تاریک کمروں راہداریوں میں سے بس مسکراتے ہوئے گزر جایا کریں ایسی روشنی پھیلے گی کہ اف......“ وہ ہنستی چلی گئی۔

”آپ بہت چرب زبان ہیں“۔

”واللہ یہ سچائی ہے“۔ وہ چلی گئی اور عبداللہ نیلے امبر تلے اکیلا کھڑا رہ گیا‘ نیچے ہری بھری مخملیں گھاس کا فرش تھا اور اوپر نیلا امبر جس سے گلابی پنکھوں والی محبت کی ننھی ننھی تتلیاں برس رہی تھیں۔ کہتے ہیں اگر آپ کی محبت سچی ہو تو اس میں اتنی طاقت ضرور ہوتی ہے کہ آپ کے محبوب کو آپ تک لے آتی ہے۔ خدا جانے یہ سچائی ہے کہ نہیں لیکن اس دن دوپہر کے وقت زہرہ ایک طعام کی تھالی لئے مہمان خانے میں ضرور آئی تھی۔

”والد محترم اپنے ایک دوست کے ہاں عیادت کے لئے گئے ہیں اور آپ کے بارے میں خاص تاکید کر کے گئے ہیں کہ آپ کا خیال رکھا جائے“۔ وہ مہمان تھا اور وہ آداب مہمانی نبھا رہی تھی۔ وہ دوپہر ہولے ہولے گزر گئی تھی‘ مہمان خانے سے وقتاً فوقتاً قہقہے اور ہنسی کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں اس شام بھی وہ دونوں اکٹھے کلیاں چن رہے تھے‘ اور رات میں چند دیئے وہ اس کے اندھیرے دریچے میں بھی سجا گئی تھی۔ عبداللہ کی محبت محبوب کو لے ہی آئی تھی‘ لگتا تو ایسا ہی تھا۔ اگلی صبح ہولے ہولے بیدار ہو رہی تھی جب عبداللہ باغیچہ میں آیا وہ وہیں چہل قدمی کر رہی تھی‘ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

”مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے اور کچھ پوچھنا بھی ہے“۔

”کہیے“۔

”مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے“۔ انڈے کی زردی ایسے سورج نے لفظ ”محبت“ سنا اور مسکرا کر اپنی سونے ایسی کرنیں بکھیرنے لگا‘ خوبانی کے پیڑوں پر کھلتے ہلکے گلابی پھول مسکرا اٹھے۔

”اور مجھے پوچھنا ہے کہ کیا آپ کے دل میں میرے لئے کچھ ہے......؟“ عبداللہ نے جواب پانے کے لئے اس کی ہلکی سبز آنکھوں میں جھانکا وہاں رقم تحریر اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔

”آپ سے محبت ہمیں رسوائی کے سوا کچھ نہیں دے گی“۔

”مگر کیوں......؟“ اس کے جواب دینے سے پہلے محل کے باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی‘ زہرہ چونکی اور جلدی سے اندر کو بھاگ گئی‘ آنے والا اندر آ چکا تھا۔

”عاصم!“ عبداللہ نے مسکرا کر اسے دیکھا‘ عاصم دونوں بازو کھولے اس کی طرف بڑھا تھا‘

کچھ دیر بعد وہ دونوں مہمان خانے میں آمنے سامنے بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔

”قرطبہ کے اردگرد بسنے والے قبیلوں میں کچھ تو چل رہا ہے ان کے درمیان مجھے لگتا ہے وہ کچھ کرنے والے ہیں خلیفہ پریشان ہیں' قرطبہ کو محتاط ہونا چاہئے“۔ عبداللہ کا ذہن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

”آپ سے محبت ہمیں رسوائی کے سوا کچھ نہیں دے گی“۔ وہ سارا دن عبداللہ نے عاصم کے ساتھ گزارا تھا' عاصم اسے اپنے کچھ دوستوں سے ملوانے لے گیا تھا' کچھ تفریح گاہیں دکھائی تھیں اسی شام ہارون امان اللہ بھی واپس آ گئے تھے۔

”میرے خیال سے مجھے قرطبہ آئے کافی دن ہوگئے ہیں اب واپس جانا چاہئے“۔ شام کے کھانے پر جب ہارون اور عاصم موجود تھے تو عبداللہ نے کہا۔

”اتنی جلدی کیا ہے......؟“

”بہت دن ہوگئے! پھر آؤں گا ناں...... جلد“۔ سب کھانے کے بعد قہوہ پی رہے تھے جب اس نے کہا تھا۔

”جاتے وقت میں آپ سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں“۔

”کہو......تم مہمان ہو ہمارے' تمہارے لئے ہماری جان بھی حاضر ہے“۔

”میں آپ کی بیٹی زہرہ کا ہاتھ مانگتا ہوں“۔ مہمان خانے میں خاموشی چھا گئی تھی عاصم کے ہاتھ سے قہوہ کی پیالی قالین پر لڑھک گئی۔

”زہرہ...... عاصم کی منگیتر ہے“۔ ہارون امان اللہ کی بات پر وہ خاموش رہ گیا اور اس رات وہ اپنے دریچہ میں اس کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن وہ نہیں آئی تھی محل کی اونچی منڈیریں اندھیروں میں ڈوبی رہی تھیں۔

☆☆☆☆

”تم نے کیوں کہا ایسا عبداللہ......؟“ اگلے دن عاصم نے پوچھا تھا۔

”سچ کہوں......؟“ عاصم نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

”مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے“۔

”اور اسے......؟“

”یہ اسے معلوم ہوگا' اسی سے پوچھ لو“۔ اور عاصم اس سے پوچھنے اس کے کمرے میں آیا وہ اپنے پلنگ پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی' وہ اس کے پاس آ بیٹھا۔

”آپ سے ایک سوال پوچھیں......؟“

”جی“۔ وہ اپنی بوجھل سبز آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

”جب آپ لفظ محبت بولتی ہیں تو آپ کے ذہن میں پہلا لفظ کیا آتا ہے......؟“

”قرطبہ“۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

”کیا آپ کو ہم سے محبت ہے......؟“ وہ نظریں چرا گئی۔

”پتہ نہیں“۔

”کیا آپ کو اس مہمان سے محبت ہے......؟“ وہ ویسے ہی سر جھکائے بیٹھی رہی خاموشی سے بنا ہاں کہے بنا ناں کہے اور عاصم کو جواب مل گیا۔ اگر کوئی آپ کے سوال کے جواب میں ”ناں“ نہیں کہتا ہے تو اس کا مطلب بھی ”ہاں“ ہی ہوتا ہے۔

”کتنی محبت کرتے ہیں اس سے......؟“ عاصم نے اس سے پوچھا تھا جب وہ دونوں تلوار بازی میں مصروف تھے۔

”اس سے کہیں زیادہ جتنی ایک انسان اپنے آپ سے کرتا ہے“۔ عاصم نے فیصلہ کرلیا تھا۔

”وہ بچپن سے تمہاری منگیتر ہے“۔

”اور وہ میرے محسن ہیں“۔

”عاصم تم اس سے محبت کرتے ہو بیٹے“۔

”وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی“۔ اگلی صبح مہمان خانے میں ہارون امان اللہ نے اسے گلے سے لگایا تھا۔

”قسمت میں اگر زہرہ کا ہمیشہ کے لئے تمہارا ہونا لکھا ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں عبداللہ' اسے خوش رکھیئے گا“۔ اور تبھی گھوڑے کے ٹاپوں کی صدا بلند ہوئی تھی' بھاگتے ہانپتے سپاہی۔

”قرطبہ پر حملہ ہوا ہے' جلدی کیجئے“۔ کچھ ہی دیر میں تیر و تلوار سے لیس عاصم جانے کو تیار تھا' عبداللہ بھی اس کے ہمراہ تھا' عاصم نے اسے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا' وہ خود سے تیار ہوگیا تھا۔

”میرا دل جس کے لئے دھڑکتا ہے اس کی پہلی محبت قرطبہ ہے' اور روایت ہے کہ محبت اپنے محبوب کی ہر محبت سے محبت کرتا ہے“۔ اور نکلنے سے پہلے وہ آخری بار زہرہ سے بھی ملا تھا۔

”میں جلد آؤں گا“۔

”میں انتظار کروں گی“۔ وہ کلیاں نوچتے ہوئے بولی وہ مسکرایا اور شرارت سے اسے دیکھا۔

”اور اگر میں نا آیا“۔ وہ خاموش رہ گئی۔ اور وہ سب جنگ کے لئے چلے گئے قرطبہ کے تحفظ کے لئے جنگ' وہ محل نما حویلی میں اکیلی رہ گئی' دن بھر کلیاں چنتی' اندھیرے پھیلنے لگتے تو طاقچوں اور منڈیروں میں دیئے روشن کرتی جاتی' رمضان شروع ہوگیا' ایک ایک کر کے دن گننے لگی' جنگ کی خبریں بھی آتی رہتی تھیں' قرطبہ کے دلیر سپاہی جنگ جیت رہے ہیں' وہ خوشی کے سنگیت گاتی اور روشنیاں پھیلاتی۔ اور خبر آئی جنگ جیت لی گئی ہے' فاتح واپس آ رہے تھے۔ وہ عید کا دن تھا وہ حقیقت میں عید تھی فضا میں شہنائیوں کی گونج تھی آسمان سے خوشیاں برس رہی تھیں' سارا قرطبہ رنگا رنگ جھنڈیوں سے سجا تھا' کلیوں کے تھال لئے وہ سبز آنکھوں والی زہرہ داخلی دروازے پر کھڑی تھی جب فاتح آنے لگے تھے۔ وہ سب چہروں کو پہنچانتی تھی فاروقی' معاویہ' حسن' ابوبکر سب سے آخر میں عاصم' اس نے ادھر ادھر دیکھا وہ کہاں ہے......؟ اس کی نظریں اس مجمع میں بھٹکتی رہیں اسے اپنا محبوب دکھائی نا دیا' وہ انسان جو جلد آنے کا عہد کر کے گیا تھا۔

”عاصم...... عاصم...... وہ...... وہ کہاں ہیں......؟“ وہ بے قراری سے اپنے چچا زاد کی طرف بڑھی' وہ زخموں سے آلود درد سے بے حال چور چور تھا۔

”وہ نہیں رہا زہرہ! ہم نے اسے کھو دیا“۔

تھال اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے کلیاں یہاں وہاں بکھر گئیں وہ بے یقینی سے عاصم کو دیکھے گئی' وہ زخموں سے چور لاش محل کے وسط میں لاکر رکھ دی گئی' زہرہ کی سبز آنکھوں سے پانی بہہ نکلا' وہ ماتم بھی نا کرسکی اور اندر بھاگتی چلی گئی۔ عید کی وہ رات اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی' خوبانی کے پیڑوں پر کھلے گلابی پھول ہولے ہولے مرجھا رہے تھے' مہمان خانے کا دریچہ ویران پڑا تھا' اور محل کی اونچی منڈیریں بھی تاریک پڑی تھیں عاصم اس کے کمرے میں آیا تو سارے کمرے میں کلیاں بکھری ہوئی تھیں طاقچے اندھیرے پڑے تھے' سبز آنکھوں والی زہرہ بے جان اپنے بستر پر پڑی تھی۔

”زہرہ...... زہرہ“۔ وہ سن نہیں پا رہی تھی وہ بول نہیں پا رہی ہے' مردے بولا اور سنا نہیں کرتے۔ عبداللہ نے رخصت ہوتے وقت پوچھا تھا۔

”اگر میں نا آیا تو......؟“ وہ خاموش رہ گئی تھی وہ سچ مچ میں نہیں آیا تھا زہرہ کو خاموش ہونا ہی تھا۔

☆......☆☆......☆

ثناء کنول اللہ دتہ

افسانہ

دل و نگاہ میں کس طور یہ عذاب اترے

''تمہاری نظر میں محبت کیا ہے؟''
''محبت۔ ہر خوب صورت چیز محبت ہے ہر احساس محبت ہے یہ پہاڑ پھول کلیاں موسم رنگ خوشبو جگنو اور تم خود سراپا محبت ہو۔''



اس کی آخری بات پر اس کے گالوں پر خود بخود سرخی پھیل گئی جسے چھپانے کے لیے اس نے رخ موڑ لیا وہ جو اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا سنجیدگی اور کچھ خوف سے بولا۔

''محبت ہر کسی کا مقدر نہیں بنتی یہ تو کچھ چنے ہوئے ہی لوگوں کی قسمت میں ہوتی ہے۔ اشفاق احمد کہتے ہیں محبت وہی شخص کر سکتا ہے جو اندر سے خوش اور مطمئن ہو اور پر باش ہو، محبت کوئی سہ رنگا پوسٹر نہیں کہ کمرے میں لگا لیا سونے کا تمغہ نہیں کہ سینے پر سجا لیا پگڑی نہیں کہ کلف لگا کر باندھ لی جائے اور بازار آ گئے طرہ چھوڑ کر محبت تو روح ہے آپ کے اندر کا اندر آپ کی جان کی جان ہے۔ محبت کا دروازہ صرف ان لوگوں پر ہی کھلتا ہے جو اپنی انا اپنی ایگو اور نفس سے جان چھڑا لیتے ہیں اور میں تمہیں دیکھ کر خوش اور مطمئن ہو جاتا ہوں تم میرے لیے آکسیجن کی طرح ہو تمہاری محبت میری رگوں میں خون کی صورت دوڑ رہی ہے میں جب جب سانس لیتا ہوں نا تو میری سانس بھی صرف تمہارا ہی نام لیتی ہوئی نکلتی ہے۔ کبھی کبھی پتا نہیں کیوں مجھے اپنا آپ کیچڑ میں کھلے ہوئے کنول کی طرح لگتا ہے جسے سب پسند کرتے ہیں سراہتے ہیں



تعریف کرتے ہیں پر کوئی بھی اسے اس کیچڑ سے نکالنے کی کوشش نہیں کرتا تم کنول ہو اور میں کیچڑ تم گلاب ہو اور میں خوشبو تم جسم ہو تو میں روح تم.......''

''بس کرو مر جاؤں گی میں، اتنی محبت نہ کرو مجھ سے کہ میں مغرور ہو جاؤں۔'' وہ ایک دم اس کی بات کاٹ کر نم آواز میں بولی تو اس نے اس کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسوؤں کو دکھ سے دیکھا پھر سر جھکا کر بولا۔

''کسی کو چاہنا کہاں اپنے بس میں ہوتا ہے یہ تو دلوں کے معاملے ہوتے ہیں انہیں ہی طے کرنے دو اور ہاں یہ بات بات پر رونا تم چھوڑ دو، دکھ ہوتا ہے مجھے تمہارے آنسو دیکھ کر اور مریں تمہارے دشمن دیکھ لینا ساتھ جئیں گے اور ساتھ مریں گے جھلی پگلی۔'' وہ ہلکا سا مسکرا کر بولا تو وہ سامنے کھڑی عالیشان پہاڑیوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ان کشمیر کی پہاڑیوں کو دیکھ رہے ہو جس طرح سے یہ کشمیر کا حسن ہیں اسی طرح تم میرا حسن ہو۔''

''صبح...... چھتی آؤ اماں بلا رہی ہیں۔''

وہ ابھی اپنی بات کہہ ہی رہی تھی کہ افقی بھاگتا ہوا اونچی نیچی پہاڑیوں پر اس کے پاس آ کر پھولی سانسوں سے بولا تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

''کل ملیں گے خدا کی امان میں شام۔'' وہ کہتی ہوئی مڑی اور پائل کی چھن چھن کرتی اونچی نیچی پہاڑیوں پر مضبوطی سے قدم جماتی چلی گئی اور وہ اس کی پشت کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

☆......☆

وہ جلدی جلدی شاپر میں ترتیب سے گجرے رکھتی جاتی اور پاس ہی موجود افقی کے ہاتھوں میں دیتی جاتی جو ان پر ٹیپ لگا کر انہیں بند کرتا جاتا جب کہ اماں پاس ہی بیٹھی تاروں میں پھول ڈال کر انہیں گجرے بنانے میں مصروف تھیں اور ابا صحن میں ہی کھڑے ٹوکرے میں ترتیب سے مونگ پھلی چھوہارے بادام وغیرہ رکھ رہے تھے۔ تقریباً دس منٹ کے بعد صبح اپنے سر پر گجروں کا ٹوکرا رکھے اونچی نیچی پہاڑیوں پر مضبوطی سے قدم رکھتی آوازیں لگاتی اپنی پائل کی چھن چھن کے ساتھ چلتی چلی جا رہی تھی۔ خوب صورت پہاڑیوں پر سے اس کی اور اس کی پائل کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گھر جا رہی تھی کہ سامنے وہ آ گیا آنکھوں میں اس کے لیے ڈھیروں محبت اور شرارت لیے چہرے پر سنجیدگی طاری کیے ہوئے وہ والٹ سے پیسے نکال کر اس سے بولا۔

''یہ لو دو گجرے دو مجھے۔''

''کاہے کو کسے پہنانے ہیں۔''

وہ رعب سے بولی تھی کہ شاید وہ کہے تمہیں لیکن غیر متوقع جواب پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

وہ کچھ سنجیدگی سے بولا تو وہ اس کے ہاتھوں پر گجرے رکھ کر چھن چھن کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی کہ شاید ابھی وہ اسے روکے گا اور کہے گا پاگل سی لڑکی تمہارے بغیر یہ کیسے دوں گا، چل اسے پہن کچھ قدم جا کر اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا لیکن پہاڑیوں پر دور دور تک اس کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار نہ جانے کتنے ہی آنسو چلے آئے۔ وہ ایسی ہی تھی۔ بے حد حساس ذرہ ذرہ سی بات کو دل پر لینے والی۔ اس کی اس عادت سے شام بھی بہت تنگ تھا بقول اس کے جب صبح روتی ہے تو شام بھی اداس ہو جاتی ہے۔

صبح اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا ایک ہی بارہ سالہ بھائی افقی تھا۔ وہ اور اماں گجرے بنا بنا کر بیچا کرتی تھیں اور ان کے بنائے گجرے ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے تھے جب کہ ابا ایک ٹوکرے میں بادام وغیرہ بیچا کرتا تھا اس سے ان کی اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ صبح کے گھر کے پاس ہی شام کا گھر تھا۔ شام اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ دونوں اپنے ناموں

کی طرح ایک دوسرے کے لیے بہت اہم تھے۔

وہ آنکھوں میں آنسو لیے مڑی تو سامنے شام کو دیکھ کر رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ ایک بھولی بھالی لڑکی کو 24 گھنٹے رونے والی کو دینے ہیں۔ چلو آنسو صاف کرو یا پھر میں کروں۔'' وہ ہاتھ بڑھا کر بولا تو وہ جلدی سے اپنے ہاتھ سے آنسو صاف کرنے لگی تو وہ وہیں پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے گجرے اس کی طرف بڑھا کر بولا۔

''کیا صبح اپنے شام کی خطا معاف کر کے اس کے ہاتھوں سے گجرے پہنے گی؟''

اس کی بات پر صبح کا قہقہہ فضا میں زور سے گونجا تو وہ بھی کھل کر مسکرا دیا۔

☆......☆

اس وقت پورے کشمیر پر موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وجہ وہی تھی جو ہر بار ہوا کرتی تھی۔ سرحد پر موجود بھارتی فوج میں نیا آفیسر آیا ہوا تھا جو کہ 14 اگست پر ہی آتا تھا اور پھر پورے کشمیر پر موت کی خاموشی چھا جاتی تھی۔ سب اپنے اپنے گھروں میں بند ہو جاتے تھے جو بھی شخص نظر آتا بھارتی فوج اسے گولی مار دیتی تھی۔ جانور چارہ نہ ملنے کی وجہ سے بھوک سے مر رہے تھے۔ بچے بڑے بزرگ رات بھر جاگتے۔ سب کی نظریں اپنے دروازوں پر ہوتیں کہ ابھی دستک ہوئی، درخت پر بیٹھیں چڑیاں تک خوف سے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے دعا کر رہی ہوں کہ اے اللہ مدد فرما، رحم کر۔ جگا دے مسلمانوں کو اب بھی وقت ہے رحم فرما۔

شام کو اتفاق سے شام ان کے گھر پر ہی تھا جب گھروں سے نکلنے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ رات کی تاریکی کو چیرتی ہوئی صبح کی سسکیاں اسے پریشان کر رہی تھیں وہ نرمی سے بولا۔ ''صبح پریشان نہ ہو دیکھو رونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو سب روتے ناں۔''

''تجھے پتا ہے ناں کہ ابھی نہ جانے کس کا دروازہ بجے گا اور کس کی عزت کو پامال کر کے اسے بارڈر کے پار برہنہ حالت میں ڈال دیا جائے، کیا پتا ابھی ہماری ہی......!''

''اللہ نہ کرے، میں مر جاؤں گا صبح ایسا نہ کہو۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ بولا تو وہ پھٹ پڑی۔

''کیوں ہمارے مسلمان بہن بھائیوں کو احساس نہیں ہوتا ہمارا۔ یہاں کشمیر میں بی بی حوا کی بیٹیوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ ان کی عزتیں لوٹی جا رہی ہیں۔ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن کیا ہم مسلمان ہیں؟ رسولؐ نے سب مسلمانوں کو ایک ہی جسم قرار دیا ہے۔ سر میں درد ہو تو پورا جسم درد کرنے لگتا ہے، نیند نہیں آتی اور آج کے مسلمان سب اس وقت اپنے اپنے گھروں میں کمبل میں دبکے مونگ پھلی کھاتے ہنس رہے ہوں گے، کیا انہیں احساس بھی ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ قیامت سے پہلے قیامت آئی ہوئی ہے ہم پر۔ پاکستان کو آزاد کروانے کے لیے قائداعظم آئے تھے تو کیا کشمیر کو آزاد کروانے کے لیے انہیں پھر سے زندہ ہونا پڑے گا؟ کیا یہ آزادی ہے؟ اگر ہاں تو تم مجھے بتاؤ ہم آزاد کب ہوں گے؟ آخر کب قائداعظم دوبارہ زندہ ہوں گے؟ کیا یہ ہے وہ پاکستان جس کے خواب علامہ اقبال اور قائداعظم نے دیکھے تھے؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو وہ بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر اٹھ کر باہر صحن میں چلا آیا کہ وہ مزید اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''میں صبح ہوں جو رات کی تاریکی کو ختم کرتی ہے۔ بے شک میں ان سب درندوں کو نہیں مار سکتی ایک کو تو مار سکتی ہوں نا اپنی عزت داؤ پر لگا کر تا کہ ایک سال کے لیے ہی سہی دوبارہ کسی کی عزت نہ لوٹی جائے۔''

وہ بی بی حوا کی بیٹی اس وقت جائے نماز پر بیٹھی بڑی ہی عجیب سی دعا کر رہی تھی اپنی عزت بچانے کی

نہیں بلکہ لوٹنے کی۔

"یااللہ! وہ درندے ابھی میرا دروازہ کھٹکھٹائیں اور مجھے اپنے اڈے پر لے جائیں۔" ساری رات روتے ہوئے وہ صرف ایک ہی دعا کرتی رہی کیسی عجیب لڑکی تھی وہ اور کیسی عجیب سی دعا تھی اس کی۔

وہ اس وقت تک بیٹھی دعا کرتی رہی جب تک زور زور سے دروازے کو پیٹا نہ گیا۔ ابا تو وہیں پر ہی ڈھے گئے اماں اس سے آکر چمٹ گئیں جب کہ شام خود دروازے کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور پھر وہ آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے اور آگے بڑھ کر اماں کو اس سے الگ کر کے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے لے کر چلے گئے۔ شام کے سامنے آنے پر انہوں نے اسے نہ جانے کیا مارا کہ وہ وہیں پر گر گیا اس نے صرف آخری بار شام کے سر سے نکلتے خون کو دیکھا تھا۔

وہ اپنے صوفے پر بیٹھا ہوس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جب کہ اس کے اردگرد کھڑے چیلے صبح پر ہوس بھری نظریں گاڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ اس نے جھک کر اپنا دوپٹہ اٹھا کر اپنے سر پر لیا جو نیچے گر گیا تھا۔ پھر سکون سے سامنے بیٹھے شخص سے بولی۔

"آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گی مگر صرف آپ کا کہا مانوں گی۔" وہ معنی خیز انداز سے بولی تو اس کے اشارہ کرنے پر کمرا خالی ہوگیا۔

"حیرت ہے تم وہ واحد لڑکی ہو جو نہ روئی نہ چیخی نہ ہی ہاتھ جوڑ کر گڑگڑائیں، وجہ؟"

"میں روؤں چیخوں یا گڑگڑاؤں آپ مجھے چھوڑیں گے پھر بھی نہیں تو پھر ان سب کا فائدہ ویسے بھی میں آپ کی غلام ہوں۔"

"گڈ! جلدی سے ڈرنک بناؤ۔"

وہ اسے جواب دے کر اپنے فون کی طرف متوجہ ہو گیا تو اس نے اپنے ہاتھ میں چھپائی اس زہر کی پڑیا کو جلدی سے شراب میں ڈال دیا اور گلاس اس کی طرف بڑھا دیا تو وہ کہنے لگا۔ "پہلے تم پیو، پھر میں۔"

اس نے دل ہی دل میں کلمہ پڑھتے ہوئے زہر بھرے گلاس کو منہ سے لگایا پھر اس کی طرف بڑھا دیا جسے وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گیا اور اگلے ہی پل وہ دونوں زمین پر مردہ پڑے تھے۔ ایک شہید ہوئی تھی اور دوسرا حرام موت مرا تھا۔

"السلام علیکم شام میری محبت میں نے ہمیشہ تمہیں چاہا ہے اس وقت جب تم یہ خط پڑھ رہے ہو گے میں مر چکی ہوں گی۔ میں وہ صبح ہوں جو رات کی تاریکی کو ختم کرتی ہے لیکن پھر خود بھی ختم ہو جاتی ہے۔ میرے بعد بہت سی صبح آئیں گی اور رات بھی، پر میں نہیں ہوں گی۔ میں نے خود کو مار کر بہت سی لڑکیوں کی عزتیں بچائی ہیں لیکن شام تمہاری مجرم ہوں میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ ساتھ جئیں گے اور ساتھ مریں گے پر میں اکیلی جا رہی ہوں تمہاری صبح ہوں اور جب تک دنیا ہے صبح اور شام ساتھ رہیں گے۔ آج 14 اگست ہوگی۔ آزادی کا دن پتا نہیں ہمیں آزادی کب ملے گی، کب ہمارے مسلمان بہن بھائیوں کو ہمارا خیال آئے گا کہ بی بی حوا کی بیٹیوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ مجھے معاف کر دینا صرف تمہاری "صبح"۔

اس کے ہاتھ سے کاغذ ایک طرف گرا اور وہ بے حس و حرکت زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ یہ خط صبح نے اسی رات لکھا تھا اس میں سب کچھ سچ تھا پر ایک کے سوا۔ اس نے لکھا تھا کہ اس نے ساتھ جینے اور مرنے کا وعدہ پورا نہیں کیا ان کا یہ وعدہ خود خدا نے پورا کر دیا تھا۔ آج صبح اور شام ایک ساتھ دو قبروں میں دفن ہیں۔

اس کے بعد عزتیں پامال ہونا تو بند نہیں ہوئیں ہاں ایک سوال آج بھی زندہ ہے کیا ہم مسلمان ہیں؟ کیا ہم انسان ہیں؟ کیا ہمارے سینوں میں دل ہیں یا پھر پتھر؟ کیا بی بی حوا کی بیٹیوں کی عزتیں بچانے کے لیے پھر قائداعظم کو زندہ ہونا پڑے گا؟ کیا یہ سلسلہ کبھی ختم ہوگا؟

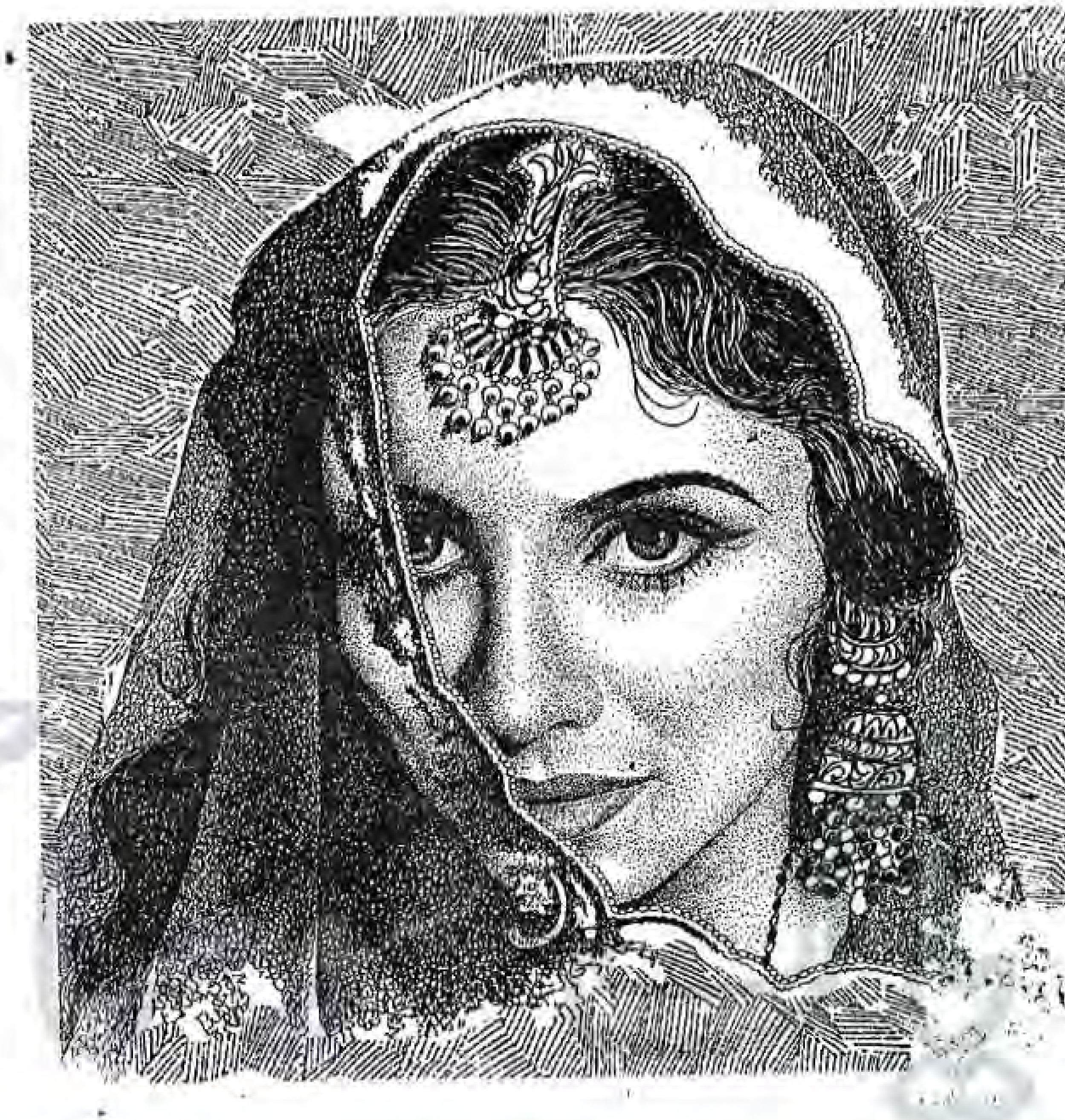
☆

شہلا گل سحر

افسانہ

عید کے رنگ ردا کے سنگ

رمضان کے لئے تھوڑے دن باقی تھے' اور یہ فرینہ کی سسرال میں پہلا رمضان اور عید تھی' اس کی شادی کو پانچ مہینے ہوئے تھے' وہ شہریار کی سنگت میں خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی' اس کا سسرال ساس



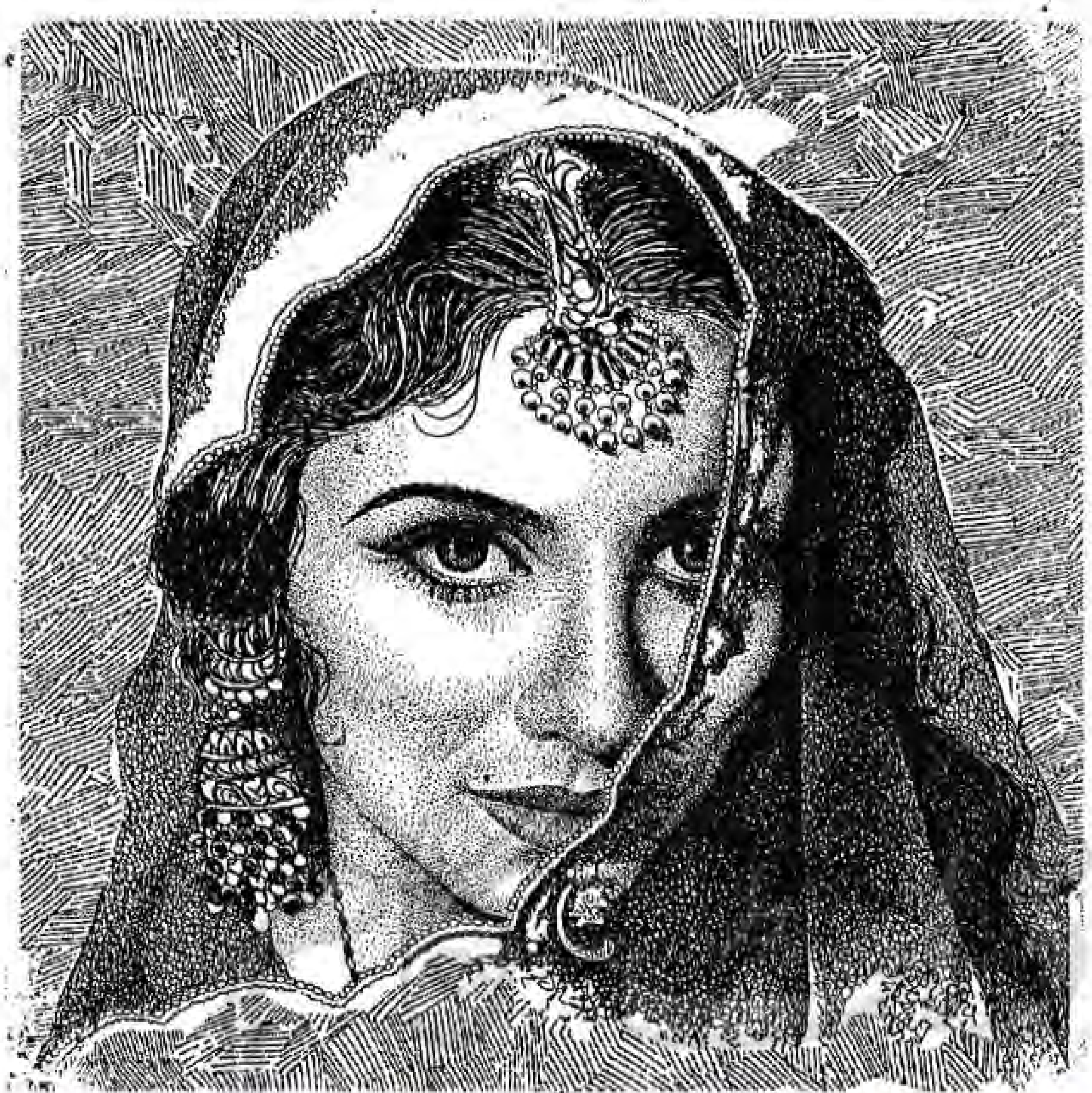
سسر' شوہر اور دو جڑواں نندوں پر مشتمل تھا' شوہر اور سسر کا شہر کے پوش علاقے میں ایک بڑا میڈیکل اسٹور تھا' جو بہت مشہور تھا' اور خوب چلتا تھا۔ ساس ریٹائر ہیڈ مسٹریس تھیں' جو گھر میں بھی اصول کی پکی' سخت مزاج مگر انصاف پسند تھیں' اس کی جڑواں نندیں صفا اور مروہ بی ایس سی کا ایگزام دے کر فارغ تھیں پڑھائی میں بہترین' فیشن کی دلدادہ مگر اول درجے کی کام چور' مگر بھابی اور نندوں میں روایتی طرز کا حسد تھا اور نہ لڑائی جھگڑا' ان تینوں کی دوستی اور محبت کا راز تھا' ردا ڈائجسٹ جو تینوں کو جوڑے رکھتا' ہر کہانی ہر چیز پر تبصرہ تینوں کرتیں۔

☆☆☆☆

فرینہ کا ارادہ آج کام والی خالہ کے ساتھ مکمل گھر کی صفائی کا تھا' اور ساتھ میں کچن بھی سنبھالنا تھا۔

''بھابی' بھابی آپ کس وقت فارغ ہوں گی؟''۔ صفا نے اچانک آ کر اسے خیالات کی دنیا سے نکالا۔

''یار! آج تو میں بہت بزی ہوں' خالہ کے ساتھ مجھے مکمل صفائی کرنی ہے' پھر کچن میں جا کر کھانا



بنانا ہے''۔فرینہ نے اسے اپنی سوچ سے آگاہ کیا۔

''اوہ...... ہم نے رداڈائجسٹ کے کچھ خاص سرورق نکالے ہیں' عید کے کپڑوں کی ڈیزائننگ کے لئے مگر آپ کے مشورے کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں منتخب کرسکتے''۔صفا نے بے چارگی سے کہا۔

''ڈیئر! اگر تم لوگ تھوڑی بہت کام میں میری مدد کرلو تو پھر بات بن بھی سکتی ہے''۔فرینہ نے تجویز پیش کی' تو صفا مروہ کو بلانے کے لئے دوڑی اور یوں جب تک وہ صفائی سے فارغ ہوئی' تب تک صفا آٹا گوندھ چکی تھی' اور مروہ ہانڈی کے لئے گوشت ابال کے لوکی کی سبزی بھی کاٹ چکی تھی۔اماں ساتھ والے گھر میں قرآن خوانی میں گئی تھیں' فرینہ بھی فریش ہوکر کچن میں آگئی اور ہانڈی بھوننے لگی' صفا اور مروہ نے رائتہ اور سلاد بنا کر فریج میں رکھا۔

''بھابی! یہ افسانوں میں ہیروئن یا اس کی ماں منٹوں سیکنڈوں میں چکن ہانڈی' نرگسی کوفتے' بریانی' چکن روسٹ' سویٹ ڈش اور جانے الم غلم بناتی ہیں' ماہم سے تو چھوٹا موٹا کام بھی گھنٹوں میں ہوتا ہے''۔ صفا نے ہاتھ دھو کر وہاں پڑے ٹاول سے خشک کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''اگر انسان کام میں ایکسپرٹ ہو تو حقیقت میں وہ جلدی جلدی کام نمٹا لیتا ہے''۔فرینہ نے متانت سے کہا۔

''ویسے بھابی! ردا کی ایڈیٹر صالحہ محمود ''صالحہ آپی'' کتنے ہی ذہنوں کو جلا بخشتی ہیں۔ان رسالوں کو پڑھنے لکھنے والی لڑکیاں زندگی کے لمحات کو حقیقی بصیرت سے دیکھنے لگتی ہیں''۔مروہ نے تفصیل سے اپنی بات مکمل کی اور پھر فریج سے خربوزے نکال کے کیوب کی صورت میں کاٹنے لگی۔

''بالکل ٹھیک کہا صالحہ آپی خود بھی بہت اچھی رائٹر ہیں اور انہیں ہمیشہ اچھے رائٹرز کی تلاش رہتی ہے جنہیں وہ تراش کے ہیرا بنا سکیں' وہ جہاندیدہ سوچ کی مالک ہیں شازیہ مصطفیٰ کا قلم دیکھو' شعاعیں بکھیرتا ہوا' زبردست ناول سپر ہٹ کردار''۔فرینہ نے ہانڈی بھون کر سبزی ڈالی اور آنچ ہلکی کرلی' اس کے لہجے میں دبا دبا جوش تھا۔

''ویسے بھی اماں کی طبیعت نائلہ کے ناول کے کردار خرمن سے ملتی جلتی ہے' سخت گیر استانی ٹائپ''۔صفا نے جیسے پھلجھڑی چھوڑی' تو دونوں کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی' روم میں آکے فرینہ کی مدد سے انہوں نے ڈیزائن منتخب کئے۔

''ویسے یہ بات تو سولہ آنے سچ ہے کہ ردا کے سارے سرورق سارے کے سارے یونیک اور زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں''۔مروہ نے رسالوں کے انبار کو سنبھالتے ہوئے گوہر افشانی کی' تو دونوں نے ہی اثبات میں سر ہلا کر اس کی بات کو تسلیم کیا۔

☆☆☆☆

رات کو شہریار کے بازو پر سر رکھے وہ رسالہ پڑھ رہی تھی جبکہ موصوف ٹی وی دیکھ رہے تھے' چند لمحوں کے بعد حسب معمول رسالہ شہریار نے قبضے میں لے لیا۔

''ایسا کیا ہے اس میں کہ میری قربت کے باوجود بھی تمہیں اس کے علاوہ کچھ اور نہیں سوجھتا''۔

''یہ تو میرا سیکنڈ میکہ ہے اور اس میں لکھنے والی میری عزیز و جان دوستیں' میں نے بہت کچھ اس سے سیکھا ہے''۔وہ پیار سے اس سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''یار میں جیلس ہوتا ہوں بہت ردا سے' جس نے میری بیگم کے آدھے پیار پر قبضہ کیا ہوا ہے''۔ شہریار نے اسے قریب کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا' تو اس کے سینے میں چہرہ چھپائے وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

☆☆☆☆

''ارے بھابی آپ نے فرزانہ حبیبکی شادی کی پکچر اور احوال پڑھا؟'' صفا نے جوش میں آکر کہا اور دھپ سے اس کے پاس بیٹھ گئی' جو روزوں کے لئے مختلف چٹنیاں بنا رہی تھی۔

''بھابی! آپ یہ سب کیسے بنالیتی ہیں''۔مروہ بھی کچن میں وارد ہوئی۔

''کھانا تو امی نے سکھایا اور باقی کی نئی نئی ڈشز میں نے ردا کے ''کچن'' سے سیکھیں' اور یقین کرو کہ اپنی شادی کے علاوہ میں کبھی پارلر نہ گئی ''سنگھار'' میں اتنے مزے کے ٹوٹکے ہوتے ہیں ''گھریلو اور نیچرل'' جس کا کوئی سائیڈ افیکٹ بھی نہیں ہوتا''۔

''سچ بھابی! پھر اس بار ہم بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے''۔صفا نے خوش دلی سے کہا۔

''خرچ کم بلانشین''۔مروہ نے بھی لقمہ دیا' اور پھر دونوں ہی غیر محسوس طریقے سے فرینہ کی مدد کرنے لگیں۔

''ردا کے مرہون منت دونوں کا رجحان ٹی وی اور فیس بک سے کم ہوگیا تھا اور اماں بھی اس بات سے خوش اور بہو کی مشکور تھیں۔

☆☆☆☆

''بھابی میں سوچ رہی ہوں کہ اس بار ہم بھی ردا فیملی کا حصہ نہ بن جائیں''۔صفا نے سوالیہ نظروں سے بھابی کو دیکھا جو دھلے اور صاف ڈبوں میں تمام مصالحہ جات بند کر رہی تھی۔

''وہ کیسے......؟'' فرینہ نے کیبنٹ میں ڈبے منتقل کرتے ہوئے صفا کو دیکھا۔

''بھئی میں مروہ اور آپ ایک ایک تحریر لکھ کر ردا کو بھیج دیتے ہیں' میں تبصرہ لکھ لوں گی آپ کوئی شاعری بھیج دیں اور مروہ دوستوں کے نام عید کا پیغام بھیج دے پتہ چلے کہ ہم بھی خاموش ردا کی قاری اور ردا فیملی کا حصہ ہیں''۔

''ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے''۔فرینہ اچھل پڑی۔

''اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو پھر مستقل لکھیں گے''۔

''ٹھیک بالکل ٹھیک''۔صفا کی آنکھیں انجانی خوشی سے جگمگانے لگیں۔اور پھر واقعی انہوں نے لکھنے کا کارنامہ سرانجام دینا شروع کیا' تینوں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

''ویسے یار تبصرہ لکھنا آسان کام نہیں۔آفرین ہے افشاں علی اور صبا الغنی پہ کیسے لفظوں کے موتی پیار کی خوشبو اور خلوص کی چاشنی میں ڈبو ڈبو کے سندیسے کی محفل کو چار چاند لگاتی ہیں''۔صفا نے تیسرا کاغذ توڑ مروڑ کر پھینکتے ہوئے کہا۔

مروہ نے ''ردا کی ڈائری'' کے لئے اپنی پسندیدہ شاعرہ سباس گل کا کلام منتخب کیا کہ وہ ان کے ناول اور افسانے بھی شوق سے پڑھتی تھی۔فرینہ نے ایک پیغام شہریار کے اور ایک پیغام ردا کی شہزادیوں کے نام لکھا' ویسے تو سبھی رائٹر بہت اچھے سے اپنے ہزبینڈ کے لئے محبت کا اقرار کرتی تھیں مگر ریما نور کی بات ہی الگ تھی' اس کی تقریباً ساری شاعری ان کے ہم سفر کے نام تھی اور سچی اور پاک محبت کی غمازی کرتی تھی' اپنا کام مکمل کر کے اس نے اور مروہ نے صفا کی مدد کی اور یوں ایک جامع اور دلکش تبصرہ صفحہ قرطاس پہ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

منتقل ہو گیا اور شہریار کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے اس نے خط پوسٹ کروا دیا۔

☆☆☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہو گیا تھا' عبادات' پکوان اور افطاریوں کا اہتمام ذوق و شوق سے جاری تھا' فرینہ مکمل اپنے رب سے رجوع کئے ہوئے تھی' صفا اور مروہ بھی اس کا ساتھ دینے میں پیش پیش تھیں' فرینہ کی دعاؤں میں سب کے ساتھ ساتھ ''ردا کی فیملی بھی شامل تھی۔'' ساس اور سسر کی دعائیں اس کے ساتھ ساتھ تھیں' اس کی سخت گیر ساس اس کے لئے موم ثابت ہوئیں' جب وہ سحری کے لئے اٹھتی تو وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو اٹھائیں۔

''جاؤ مدد کرو بھابھی کی نوکرانی نہیں اس گھر کا حصہ ہے وہ''۔ یوں سحری اور افطاری کا کام آسانی سے نمٹ جاتا' تب اسے فریدہ فرید کی تحریر ''ناز کی بستی'' یاد آئی جب ناز ''بھرے پرے'' خاندان کے لئے گھن چکر بنی پھرتی''۔ مگر اس کے لئے سوہنے رب نے بہت آسانیاں پیدا کی تھیں''۔ اس کی تقریباً شاپنگ عید سے پہلے ہو گئی تھی''۔ رمضان کے آخری عشرے میں طویل عبادت اور پھر گھر کی صفائی کہ عید کے دن ہر چیز چمکے اور مہکے اور پیارے رب کے انعام کا صحیح معنوں میں اقرار کیا جائے''۔ وقت کی چکی اپنی رفتار سے چلتی رہی اور یوں چاند رات بھی آ گئی' صبح صبح ''ردا'' سنگھار کی مدد سے گھریلو اشیاء سے فیشل کیا گیا' تینوں نے رات کے لئے مہندی کے ڈیزائن بھی منتخب کئے اور مہندی لگانے کی ذمہ داری مروہ کی تھی کہ وہ اس ڈپارٹمنٹ میں ماہر تھی' آخری افطاری کے بعد ''شہباز حسن'' نے والٹ نکال کر ہرے ہرے نوٹ نکالے اور بیٹیوں اور بہو میں تقسیم کر دیئے۔

''بابا! ایڈوانس میں عیدی''۔ صفا ٹھٹکی۔

''نہیں بیٹا یہ تم لوگوں کا انعام ہے انواع و اقسام کے کھانے' لذیذ پکوان نئی نئی سویٹ ڈشز جو تمہاری ماں کے ہاتھ سے تو نصیب نہیں ہوئی مگر اس بار تو تم لوگوں نے اتنا اچھا انتظام سنبھالا کہ مجھے میری اماں یاد آ گئی تھی۔ ان کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا''۔

''یاہو''۔ مروہ نے نعرہ لگایا مگر اماں کی گھوری پر جلدی سے سنجیدہ ہو گئی۔

''ویسے میاں بڑے احسان فراموش ہو ساری عمر میرے ہاتھ کا کھایا اور اس بار بہو اور بیٹیوں کے ہاتھ کا کھایا تو پینترا ہی بدل دیا آپ نے۔ انہوں نے بنایا تو جزا اور میرا کھایا پیا سزا''۔ اماں نے ان کی خبر لی تو بابا نے فوراً والٹ ان کی گود میں رکھ دیا۔

''ارے بیگم میں تو مذاق کر رہا تھا' ارے ہم بھی آپ کے ہیں اور یہ سب کچھ بھی''۔ بابا کے بیان بدلنے پر اماں بچوں کے سامنے بوکھلا گئیں اور انہیں گھورتی استغفراللہ پڑھتے ہوئے اٹھ گئیں۔

''ویسے مجھے پتہ نہیں تھا کہ ابا میاں رابعہ افضال کے ہیرو کی طرح رومینٹک اور اماں ثناء کنول کے افسانوں کی طرح شرمیلی ہیں''۔ صفا نے بابا کے جانے کے بعد پھلجھڑی چھوڑی تو تینوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

☆☆☆☆

سب کچھ سمیٹ کر اس نے کچن سنبھالا' صبح کے لئے کچھ تیاری ایڈوانس میں کی اور پھر مہندی لگوانے صفا لوگوں کے روم میں آ گئی' مہندی کے ڈیزائن صبح سے ہی منتخب کئے ہوئے تھے مروہ نے اسے بہت پیاری مہندی لگائی تھی۔

''ویسے بھابی! ماریہ یاسر کے افسانے شارٹ مگر سبق آموز ہوتے ہیں' اور عائشہ ذوالفقار کا ناول ٹاپ جا رہا ہے حائقہ کا حوصلہ اور ہمت واہ واہ''۔ صفا اپنی باری کے انتظار میں پرانا رسالہ پڑھ رہی تھی اچانک بولی۔

''ہونہہ......'' دونوں نے ہنگارا ابھرا۔

''ڈیئر حاضرین سامعین ناظرین اور اس گھر کی خواتین آج آپ لوگوں نے چاند رات پہ باہر جانے کی فرمائش نہیں کی''۔ عشاء کی نماز کے بعد شہریار نے بھی ادھر انٹری ماری کہ نظریں فرینہ کو ڈھونڈ رہیں تھیں تو وہ تینوں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''اصل میں چاند رات میں اتنا رش ہوتا ہے' لوگ صرف انجوائے منٹ کے لئے آتے ہیں' خریداری تو ویسے بھی سب کر چکے ہوتے ہیں۔ ہم پورا رمضان عبادت کریں اور پھر سے انعام سے پہلے ہی نامحرموں کو دیکھ کر یا مستی میں شامل ہو کے پھر سے کیوں خود کو گناہوں سے آلودہ کریں تو پھر وقت اور پیسوں کا ضیاع بند کیوں نہ کر دیں''۔ فرینہ نے متانت سے جواب دیا' تو شہریار نے پیار سے اس کے پاکیزہ چہرے کو دیکھا اور پھر دو پیکٹ نکال کے بہنوں کو دیئے جنہوں نے بے صبری سے چاک کئے تو چوڑیوں کے دو دو سیٹ اور ساتھ میں ''ردا'' کا عید نمبر'' دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑیں' جلدی جلدی اپنے مطلوبہ صفحات چیک کئے اور پہلے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر بے ساختہ تینوں کی چیخ نکلی ''صالحہ آپی اور نورین جی زندہ باد''۔ تینوں کی تحریریں چھپ چکی تھیں اور وہ ''ردا فیملی'' کا حصہ بن چکی تھیں۔

☆☆☆☆

کمرے میں شہریار اس کا منتظر تھا' شاور لینے کے بعد پنک نائٹی میں وہ بیڈ پر آئی تو بالوں سے پانی ٹپ ٹپ گر رہا تھا' اس کا چہرہ اس کے باطن کی روشنی سے چمک رہا تھا' اس کے چہرے پر نور اور الوہی چمک تھی' شہریار نے اسے اپنی طرف کھینچا۔

''میرا گفٹ''۔ فرینہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے شہریار نے مسکراتے ہوئے جیب سے مخملی ڈبیہ نکالی اور پیارا سا گولڈ کا بریسلیٹ اسے پہنا دیا' اور پھر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''اف شہریار......'' اس کی بے باک جسارتوں سے وہ اس کے بازوؤں میں کسمسائی۔

''یار حسن آفریدی جیسا رومانس کرنے دو ناں''۔ شہریار نے اس کے کان میں سرگوشی کی' تو وہ جھٹکے سے الگ ہوئی اور مشکوک نظروں سے شہریار کو دیکھا جو ''ردا'' کو اپنا رقیب سمجھتا تھا آج اس کے مشہور ناول کے سپر ہیرو کا تذکرہ کر رہا تھا۔

''یار! جب تم کچن سے لیٹ آتی تھیں تو تکیہ کے نیچے سے نکال کے میں ٹائم پاس کے لئے پڑھ لیتا تھا' اور میں بھی متاثرین ردا میں شامل ہوں''۔ شہریار نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔

''بے ایمان''۔ اس نے اس کے سینے پر ایک مکا مارا۔

شہریار نے پھر سے اسے خود میں سمو لیا اور اس کی خدمات اور اچھائیوں کا اعتراف کرنے لگا' اس کے پیار کی رم جھم میں بھیگی فرینہ نے زیر لب سرگوشی کی ''تھینکس مما اور تھینکس ردا سدا سلامت رہو۔ آمین۔

☆☆......☆☆......☆☆

ریحانہ آفتاب

مکمل ناول

جھلی رت

''اشنا! زندگی کی اس حسین شاہراہ پر اب ہم ایک ساتھ نہیں چل سکتے''۔
''ایسی باتیں مت کرو حیدر! میرا انڈا سا دل ہچکولے کھانے لگا ہے' میں کیسے جیوں گی تم بن' تم مجھے چھوڑ کے



مت جاؤ حیدر' میں تمہاری سر میں درد کر دینے والی بہن اور جلاد کی شکل سے ملتی تمہاری ماں کے ساتھ رہنے کو تیار ہوں تم تین وقت کھلانے کی بجائے اک وقت ریسٹورنٹ لے چلنا' میں تین وقت کا اکٹھے کھا لوں گی''۔

''اشنا! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو' میں تمہیں اپنی نام نہاد محبت سے آزاد کر رہا ہوں تم کسی اور سے شادی کر لو' میں تمہیں اپنے دوست سے ادھار مانگی بائیک میں کہیں گھمانے بھی نہیں لے جا سکتا' کیونکہ پچھلے ہی دنوں اس نے وہ کھٹارا بائیک بیچ دی ہے''۔ وہ دکھی تھا اشنا پھکوں پھکوں رونے لگی۔

''اشنا! میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ......'' حیدر عالم بے چارگی سے ہتھیلیاں مسل رہا تھا۔

''تمہیں ایسا کرنا پڑے گا اشنا! کیونکہ مجھے بلڈ کینسر ہے اور میں چند دنوں کا مہمان ہوں''۔

''اشنا آپ ہیں؟'' خشک و دبنگ آواز میں دھاڑنے والے اسٹائل سے استفسار کیا گیا' وہ جو ہاسپٹل کے نیم تاریک گوشے میں چیئر پر دونوں پیر موڑے ناول پڑھنے میں بری طرح منہمک تھی اچانک افتاد پر دہل گئی' ہلکی سی چیخ کے ساتھ ناول اس کی گود سے نیچے گر گیا' سینے پہ ہاتھ رکھ کر دھڑکن چیک کر رہی تھی' دوسرا ہاتھ لبوں پر



جا پڑا تھا' نظریں اٹھا کر اس نے نازل ہونے والے شخص کو دیکھا تھا' بلیک جینز شرٹ اور ڈارک گرے کوٹ میں سینے پہ دونوں بازو لپیٹے وہ جو کوئی بھی تھا مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا' اشنا کو بغور دیکھتے اس کے لب بھینچے ہوئے تھے۔

''آر یو اشنا عبیر؟'' درشت لہجے میں ایک بار پھر لبوں کو زحمت دی' اونچی پیشانی کی چند لکیروں کو اپنی طرف گھورتے پا کر اس نے حلق تر کیا۔

''جی! اسے میرا نام کیسے معلوم ہوا''۔

''آپ روم نمبر فور ون کی پیشنٹ کے ساتھ ہیں؟'' انداز ہنوز تھا۔

''جی روم نمبر تو مجھے یاد نہیں''۔

''وہاٹ؟'' اس کی معصومیت اسے کھولا گئی۔

''فور ٹو ون میں اسپنڈس کی مریضہ ہیں''۔ وہ ضبط کر کے گویا ہوا' وہ بدستور دونوں پیر موڑے بینچ پر بیٹھی تھی۔

''آپ یقیناً ان کی تیمارداری کرنے آئی ہیں''۔ وہ لفظ چبا کے بولا۔ اجنبی بندہ خالی پیلی میں اس پر ''تڑیاں'' لگا رہا تھا اشنا کی فطرت زیادہ دیر اس سے دور نہ رہ سکی۔

''ظاہر ہے ہاسپٹل میں کوئی پکنک منانے کے خیال سے تو آنے سے رہا''۔ وہ اپنی پرانی جون میں لوٹ گئی تھی۔

''تو یہاں بیٹھی آپ تسبیح پڑھ رہی ہیں''۔ کسی نہ تو زنظروں سے وہ ماربل پر پڑے ناول کو گھور رہا تھا۔

''اٹس مائے اون بزنس' ذرا تمیز نہیں ہے اتنی زور سے دھاڑے کہ جان نکال دی۔ اس نے جھک کے ناول اٹھایا اور انگلیوں سے گرد جھاڑنے لگی۔

''اچھی طرح جانتی ہوں آپ جیسے لڑکوں کو' جینز جیکٹ پہن کے جہاں لڑکی دیکھی نہیں کہ ہیرو بننے لگتے ہیں' نجانے کیا ہو گیا ہے آج کل کے لڑکوں کو' آج کے چھچھورے معمار' آہ جناح انکل......''

''ول یو پلیز شٹ اپ فولش لیڈی...... ایڈیٹ نان سینس''۔ اس کے غصے کا پیمانہ چھلک کر اشنا پر گرنے لگا۔

''خبردار! جواب ایک لفظ بھی کہا تو ورنہ تھوڑی بہت انگریزی مجھے بھی آتی ہے''۔ خبردار ہوشیار کی تفسیر بنی جوش وجذبات میں وہ بینچ پر کھڑی ہو گئی وہ یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہو۔

''فیس ٹو فیس بات کریں' اب بولئے کچھ' غضب خدا کا رات دھاڑے اک معصوم بھولی بھالی خوبصورت لڑکی کو نجانے کیا کیا بولے جا رہے ہیں' لیکن میں آپ کو بتا دوں آج کی لڑکی کمزور نہیں ہے آپ کے پاس ہمت مرداں ہے تو میرے پاس ہمت عورتاں ہے (پتا نہیں عورتاں میں نے صحیح کہا ہے یا غلط...... مرداں ہے تو عورتاں ہی ہو گا) آپ کے پاس بازو ہے تو میرے پاس نوک والی سینڈل''۔ اس نے پیر اٹھا کر دکھایا ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا جب کسی کونے سے نرس برآمد ہوئی' انتہائی حیرانی سے اس نے لال پیلا چہرہ لئے شخص کو دیکھا پھر بینچ پر کھڑی جاہ وجلال کا نمونہ پیش کرتی اشنا کو دیکھنے لگی۔

''اشنا! آپ کی والدہ آپ کو بلا رہی ہیں''۔ سسٹر نے سیز فائر کیا' اسے گھورتے ہوئے وہ بینچ سے عین اس کے سامنے کود گئی وہ دو قدم پیچھے ہٹ کرنا گواری سے اسے دیکھنے لگا' سسٹر نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی۔

''سسٹر ان محترمہ کا ذہنی توازن تو ٹھیک ہے ناں؟'' وہ جاتی ہوئی اشنا کو دیکھتے ہوئے استفسار کر رہا تھا وہ کانوں کی بے حد تیز تھی فوراً پلٹی۔

''مجھے تو پکا یقین ہے کہ آپ ''کھسکے'' ہوئے ہیں' جاتے ہوئے ڈاکٹر سے ٹیسٹ کروا لیجئے گا اور مجھے رپورٹ

ضرور دکھایئے گا''۔ اس کے لب بھینچ گئے تھے سسٹر بے ساختہ ہنس پڑی۔

''یہ اشنا ہیں سر' ان کی مدر ایڈمٹ ہیں مست ملنگ سی ہیں تمام سسٹرز سے دوستی کر چکی ہیں''۔ کسی طرف سے سسٹر کی پکار پڑی تو وہ آگے بڑھ گئی اس نے بھی قدم اٹھائے دو چار قدموں میں ہی اشنا عبیر کو جا لیا۔

''میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ اس کے سامنے تن کے کھڑی ہو گئی اک پل کو وہ بھونچکا رہ گیا۔

''محترمہ! برداشت کا مادہ مجھ میں بہت کم پایا جاتا ہے اس سے پہلے کہ میں آپ کو یہیں پٹخ دوں راستہ چھوڑیں''۔

''نہ دوں تو......؟'' وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھور رہی تھی' چند ثانیے دونوں طرف سے یہی عمل ہوتا رہا نجانے بھوری آنکھوں کے کون سے زاویئے تھے جنہوں نے اسے جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ میں اتنی بزدل تو کبھی نہیں تھی۔

''اگر آپ نے تیل کا کنواں دریافت کر لیا ہے تو جا کے شریف انکل کو خبر کر دیجئے' اس سے پہلے کہ اوباما انکل ادھر آ نکلیں''۔ اس نے بھی ضد باندھ لی تھی کہ اسے سامنے سے ہٹا کر ہی جائے گا' جو دیوار بنی کھڑی تھی وہ خاموشی سے آگے چلنے لگی۔

''بولتی بند ہو گئی غالباً!'' وہ روم میں داخل ہو رہی تھی جب وہ بھی سامنے والے روم کے دروازے پر کھڑا بولنے سے باز نہ آیا۔

''آپ زیادہ کمبل ہونے کی کوشش نہ کریں ویسے مطلوبہ روم کا انتخاب کر کے آپ نے خود شناس ہونے کا ثبوت دیا ہے''۔ تمسخرانہ انداز میں کہتی وہ چھپاک سے اندر داخل ہو گئی' اس کی نظریں فوراً ڈور پر اٹھ گئیں۔

''چار سو بیس نان سینس!'' وہ مٹھیاں بھینچ گیا۔

''کہاں رہ گئی تھیں تم؟'' اسے دیکھتے ہی امی نے پریشانی سے دریافت کیا۔

''باہر تھی' سسٹر نے بتایا آپ بلا رہی ہیں''۔ ناول سائیڈ پر رکھ کر وہ امی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تم کافی دیر سے باہر تھیں میں پریشان ہو گئی تھی پیاس محسوس ہوئی تو تمہیں آوازیں دیں تم شاید دور تھیں' آواز سن کر اک بچہ اندر آیا۔ پھر بچے نے مجھے پانی پلایا میں نے اسے تمہیں بلانے بھیجا تم سے ملا نہیں''۔ امی حیرانی سے پوچھ رہی تھیں۔

''سسٹر نے بتایا آپ بلا رہی ہیں''۔ وہ اپنا اور اس کا مارکہ گول کر گئی جواب میں امی یقیناً اس کی قصیدہ گوئی کرتیں کیونکہ ان کے لہجے میں بچے کے لئے پسندیدگی تھی۔

''سوری امی! میں ناول پڑھنے میں مگن تھی''۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ڈاکٹر راؤنڈ سے جا چکے تھے امی بھی آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھیں وہ سو گئیں تو وہ لائٹ بند کر کے کاریڈور کے پرسکون گوشے میں ناول پڑھنے بیٹھ گئی اور پھر یہ بھی فراموش کر گئی کہ وہ گھر میں نہیں ہاسپٹل میں ہے۔

''اگر وہ امی کو پانی نہیں پلاتا تو جانے کب تک امی پیاسی رہتیں ایسا بھی کیا ناول میں گم ہو جانا''۔ وہ خود کو لعن طعن کر رہی تھی۔

☆☆☆☆

اشنا عبیر چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی' ابو کی ڈانٹ ڈپٹ اور بھائیوں کی زبردستی اس نے رو دھو کے انٹر کیا تھا' ناول پڑھنا' دنگا فساد کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا گھر بھر کی آنکھ کا تارہ تھی' اس لئے کسی حد تک منہ پھٹ تھی ڈرنا



تو اس کی سرشت میں نہیں تھا' اسکول کالج کے زمانے تک تو لڑکے اس کے مرد مار انداز سے دور ہی رہے اور جنہوں نے خود کو بہادر جان کے پیش قدمی کی اشنا نے ان کی خوب عزت افزائی کی تھی۔ اگلے روز وہ گھر سے کھانا لے کر آئی تو روم میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر سامنے اٹھی تھی چیئر پر براجمان شخص نے بھی اسے دیکھا تھا وہ جتنی تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی دگنی تیزی سے باہر نکل گئی۔

''ہائیں یہ روم نمبر فور ٹو ون ہی ہے''۔ کل ہی تو اس نے یاد کیا تھا' بستر پر دراز خاتون میری والدہ ماجدہ ہی ہیں پھر موصوف یہاں کیا کر رہے ہیں اوہ کہیں پانی پلانے کا معاوضہ مانگنے تو نہیں آ گئے' دیکھوں ذرا''۔

''اشنا باہر کیوں کھڑی ہو اندر آؤ نا''۔ امی نے اسے نکلتے دیکھ لیا تھا وہ بڑے اعتماد سے قدم اٹھاتی اندر آئی' ٹفن' فلاسک اور دیگر چیزیں رکھتی وہ زردیدہ نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی گرے جینز گرے شرٹ میں وہ کل ہی کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔

''امی کے سامنے کیسے رکوع کی حالت میں بیٹھا ہے کل کیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا' تب ہی تو میرے سر میں درد ہوا تھا پانچ روپے کا سکہ اپنے سر سے وار کے فقیر کو دیا تب کہیں جا کے درد میں افاقہ ہوا' اور پانچ روپے لینے پہ فقیر کی کتنی منت کرنا پڑی' کم بخت آج کل کے فقیروں کی بھی ڈیمانڈ کو دیکھنا پڑتا ہے کیسے منہ پھاڑ کے کہہ رہا تھا۔

''باجی تم رکھ لو مجھ سے زیادہ ضرورت مند تو تم لگ رہی ہو''۔

''یہاں آؤ نا وہاں کیا کر رہی ہو؟'' امی کی پکار پر اسے آگے بڑھنا پڑا۔

''میں نے تمہیں کل بتایا تھا نا جس بچے نے مجھے پانی پلایا یہ وہی ہے''۔ امی نے بہت خوش دلی سے بتایا۔

''اچھا یہ وہی بچہ ہے جس کی آپ کل بات کر رہی تھیں''۔ بچہ پر زور تھا امی تو خاک نہ سمجھیں اس نے اک کڑی نظر ڈالی تھی اس کے لبوں کی چڑاتی مسکراہٹ نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا۔

''آ ئیجان بیٹا یہ میری بیٹی ہے''۔ امی تعارف کرا رہی تھیں۔

''السلام علیکم''۔ انداز جتانے والا تھا وہ کون سا کم تھی۔

''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ دودوں نہائیں پوتوں پھلیں''۔ آخری جملہ اس نے آہستگی سے کہا تھا مگر وہ حسب عادت بھڑک گیا۔

''دی جان کہتی ہیں بڑوں کی دعائیں لینے سے زندگی بڑی اچھی گزرتی ہے' بنڈل آف تھینکس''۔ اب کڑھنے کی باری اس کی تھی امی ہنس پڑیں۔

''اوکے آنٹی! میں چلتا ہوں دی جان اکیلی ہیں''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چائے تو پیتے جاؤ!'' امی کو ہاسپٹل میں بھی مہمان داری سوجھ رہی تھی۔

''پھر کبھی سہی میں پھر آؤں گا''۔

''اللہ نہ کرے''۔ باہر نکلتے اس نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی وہ آرام سے کرسی پر جم گئی۔

''اشنا بہت بری بات ہے اک کپ چائے ہی نکال دیتیں''۔

''رہنے دیں امی! کونسا ہم نے اس سے رشتہ جوڑنا ہے''۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو بنا سوچے سمجھے بولنے کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں امی گھور رہی تھیں' ناول نکال کر وہ لاپروائی سے ورق گردانی کرنے لگی۔

☆☆☆☆

''دو دن سے کال کر رہی ہوں کہاں مر گئی تھیں تم''۔ وہ اپنی اکلوتی دوست سے مخاطب تھی۔
''پنجاب گئی ہوئی تھی روحیل آ گئے ہیں''۔
''پھر تو تمہیں دیکھتے ہی اس نے اگلی فلائٹ پکڑی ہو گی اور کینیڈا پہنچ کر ہی دم لیا ہو گا''۔
''تمہارے منہ میں نسوار وہ کراچی آئے ہوئے ہیں''۔ روحیل نادیہ کا چچازاد اور منگیتر تھا' حصول روزگار کے لئے کینیڈا گیا ہوا تھا۔
''اکیلے آئے ہیں روحیل بھائی''۔
''میں نے بھی یہ سوال کیا تو کہنے لگے پہلی شادی تم سے کرلوں پھر دوسری تیسری کسی گوری سے کرلوں گا''۔ وہ مزے سے بتا رہی تھی۔
''تم سے شادی ہو تو جائے وہ اپنی آئندہ نسل تک کو شادی نہ کرنے کا مشورہ دیں گے دوسری تیسری کی تو نوبت خواب میں بھی نہیں آئے گی''۔ شرارت سے کہنے لگی۔
''ویری فنی' سنا آنٹی کیسی ہیں؟ میں آؤں گی عیادت کرنے''۔
''شوگر کے باعث تھوڑی پریشانی ہے ورنہ اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہیں''۔
''گڈ اب جلدی سے وہ بات بتا جس کے لئے بار بار کال کر رہی تھی''۔ وہ تھی تو آخر اس کی دوست' اس نے سارا واقعہ گوش گزار کر دیا۔
''نام کیا ہے؟'' نادیہ کو دلچسپی ہوئی۔
''آئیجان عیص!''۔
''فنٹاسٹک...... دیکھنے میں کیسا ہے؟'' بس رال ٹپکنے کی دیر تھی۔
''بالکل ناولز کے ہیرو کی طرح ہائٹ' رنگت' اونچی ناک' لیکن اس کی آنکھیں سب سے کمال کی ہیں' میں لڑتے لڑتے اک دم ٹھٹک گئی تھی اس کی آنکھیں دیکھ کے مجھے اک شعر فوراً یاد آ گیا کہ۔

''میری آنکھوں کے جادو سے شاید تم ناواقف ہو
جس پہ مجھ کو پیار آ جائے اس کو پاگل کر دیتا ہوں
چھوڑ کے مجھ کو جانے والا لوٹ کے واپس آئے گا۔
دائیں بائیں آگ لگا کر سامنے جنگل کر دیتا ہوں''

''واقعی وہ اتنا ڈیشنگ ہے؟'' حیرت تھی لہجے میں۔
''تو میں جھوٹ بول رہی ہوں۔
''پھر لڑی کیوں اس سے''۔ جرح کیا۔
''پہل اس کی سائیڈ سے ہوئی تھی دشمنی کا آغاز اسی نے کیا تھا''۔ شان بے نیازی تھی۔
''بہت تعریف ہو رہی ہے خیریت ہے نا''۔ وہ چھیڑنے لگی۔
''میں جو ناول پڑھ رہی تھی ناں اس کا ہیرو بالکل اسی جیسا تھا' میں وہ کول مائنڈ تھا یہ نیور مائنڈ ہے' جب حیدر آٹو کے نیچے آ کر دار فانی سے کوچ کر گیا تو میں نہیں روئی حالانکہ تجھے خبر ہے میں ناولز کے ہیرو کے مرنے پر کتنا روتی ہوں' مزے کی بات بتاؤں اس ناول میں ہیروئن کا نام بھی اشنا تھا' ایسی ہیروئن کو اللہ غارت کر دے مٹی پلید کر دی اس نے میرے نام کی' پہلے اس نے خوب عشق جھاڑے لیکن جیسے سنا حیدر کو بلڈ کینسر ہے' اس نے

اس کے مرنے کا بھی انتظار نہیں کیا شادی رچالی' وہ تو بعد میں خبر ہوئی کہ حیدر مرنے والا نہیں ہے بلکہ حیدر کی رپورٹس چینج ہو گئی تھیں بلڈ کینسر کسی اور کو تھا پھر حیدر کی شادی اس کی پڑوسن سے ہو جاتی ہے جو اسے بچپن سے چاہتی تھی''۔
''ایکسکیوز می! مجھے اک ارجنٹ کال کرنا ہے''۔ کافی دیر سے آس پاس ٹہلتا آئیجان عیص نزدیک آ کر ترش لہجے میں بولا' فون سے چپکی کب سے جانے وہ کیا بکواس کر رہی تھی' ریسپشنسٹ بھی اشنا کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔
''تو کریں میں نے آپ کو اپنے آنچل سے باندھ رکھا ہے''۔ دخل دینے پہ وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔
''i am not talking with you''۔ وہ سرد لہجے میں گویا۔
''مس پلیز!'' اب کے ریسپشنسٹ نے اس کی طرف رجوع کیا' انداز سے صاف ظاہر تھا تمہیں منہ لگانا مجھے پسند نہیں۔
''پلیز مس آپ بعد میں بات کر لیجئے گا' ویسے بھی ہم ہاسپٹل) فون اتنی دیر بزی نہیں رکھ سکتے''۔ ریسپشنسٹ کا انداز اسے ذرا نہ بھایا' وہ تو ہینڈسم بندہ دیکھ کے بچھی جا رہی ہے جیسے یہ لگتا سکتا ہو اس کا''۔
''ارجنٹ کال کرنے والوں کو موبائل فون رکھنا چاہئے آخر سوٹ کی بھی لاج رکھ لیں''۔ اس نے اس کے سراپے پہ گہری نظر ڈال کر چوٹ کی بلیک سوٹ میں ملبوس جیکٹ بازو پہ ڈالے اس کی شخصیت سحر انگیز لگ رہی تھی!
''ان کا موبائل فون ہاسپٹل میں کہیں کھو گیا ہے''۔ ریسپشنسٹ نے جواب دیا۔
''آپ ان کی وائف ہیں؟'' معصومیت کی انتہا تھی' ریسیور ہنوز ہاتھ میں تھا' نادیہ کا ہنستے ہنستے برا حال تھا' ریسپشنسٹ شرمانے لجانے کی سرتوڑ کوشش کرنے میں مصروف تھی' آئیجان عیص نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''میں عورتوں سے بدتمیزی کرنا پسند نہیں کرتا''۔ اس نے کہا۔
''اور میں نے مردوں سے بدتمیزی کرنے میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے''۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی' ریسیور دوبارہ کان سے لگا لیا۔
''اوکے نادو میں فون بند کرتی ہوں یہاں امپورٹنٹ صاحب کھڑے ہیں ارجنٹ کال کرنے کے لئے''۔ وہ بے چارگی سے اسے دیکھ رہا تھا کہ اور کچھ کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔
''سن کیا یہی آئیجان عیص ہے؟'' آواز سنتی نادیہ نے جلدی سے استفسار کیا۔
''حالانکہ شیطان نام ہونا چاہئے تھا اوکے میں گھر سے تجھے کال کروں گی''۔ اس نے ریسیور تین فٹ کی بلندی سے کریڈل پر دے مارا' ریسپشنسٹ نے سریلی چیخ ماری۔
''کر لیجئے ارجنٹ کال''۔ اسے چڑاتی وہ زینے کی طرف مڑ گئی' کوفت بھرے انداز میں اس نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔
''سنو! ہاسپٹل میں بڑی ہلچل ہو رہی ہے' کیا بلاول بھائی آ رہے ہیں''۔ سیڑھیوں پہ ہی اسے وارڈ بوائے مل گیا اس سے دریافت کرنے لگی۔
''کون بلاول بھائی!'' وہ ہونق ہو گیا' (گدھا پاجی' ایڈیٹ' نان سینس' اس نے اک اور القاب دیا تھا ہاں

فولش مین'' ۔
''پاکستان میں رہ کر بلاول بھائی کو نہیں جانتے؟'' وہ اس پر چڑھ دوڑی۔
''آپ نے بھائی کہا تو مجھے لگا کسی عزیز کی بات کررہی ہیں''۔ وارڈ بوائے نے الجھن بتائی اس نے جیسے ناک پہ سے مکھی اڑائی۔
''یہ بتاؤ ہاسپٹل میں غیر معمولی پن کیوں ہے؟'' ''اک ایمرجنسی کیس آیا تھا' اک لڑکے کو ٹرک کچل کر گزر گیا' لڑکے کی ایک ٹانگ کی ہڈی کا چورہ ہوگیا۔
''آئے دن کوئی نہ کوئی گاڑی کے نیچے آجاتا ہے گورنمنٹ کو ایکشن لینا چاہئے اور مجرم کو بھی اسی طرح کچل کے ہلاک کیا جائے تاکہ انہیں احساس ہو کہ ان کی غیر ذمہ داری نے کسی کو کتنی اذیت دی''۔ اس نے فتویٰ جاری کیا۔
''صحیح کہا آپ نے لوگوں میں احساس ذمہ داری ناپید ہوتی جارہی ہے جو لڑکا متاثر ہوا ہے وہ غریب ماں باپ کا واحد سہارا ہے' میں اسی ہاسپٹل میں کام کرتا ہوں مگر ڈاکٹروں کی بے حسی مجھے ذرا نہیں بھاتی' پولیس کیس کہہ کر لڑکے کو ایک طرف ڈال دیا جس کی وجہ سے کافی خون ضائع ہوگیا بے چارے کے ماں باپ آپریشن کا خرچہ بھی نہیں اٹھاسکتے ہیں جس پر ڈاکٹروں نے انہیں چلے جانے کو کہا۔
''پھر......'' اس کا نرم دل زمانے کی بے حسی پر تڑپ اٹھا۔
''اس دنیا میں اچھے لوگ ابھی موجود ہیں یہ سامنے والے صاحب کو خبر ہوئی تو انہوں نے ڈاکٹرز کو خوب برا بھلا کہا' اسی وقت آپریشن کے پیسے ڈاکٹر کے منہ پر مارے' پولیس کو بھی کال کرلیا' اس سب چکر میں خون کافی ضائع ہوچکا تھا' اتفاق سے سر کا بلڈ گروپ میچ کرگیا' انہوں نے دو بیگ خون دیا' وہ مزید دینا چاہ رہے تھے مگر ڈاکٹر نے منع کردیا اس لئے ابھی مزید بلڈ ارینج کررہے ہیں' اس سلسلے میں ان کا موبائل فون کہیں گم ہوگیا''۔ وارڈ بوائے کے اشارے پہ وہ صاحب کو دیکھنے لگی' اک پل کو اس کی نظر فون پر بات کرتے آئیجان عیس پر ٹھنک گئیں' الٹے ہاتھ کی ہتھیلی کو وہ بار بار اپنے چہرے کے اوپر نیچے کررہا تھا تاثرات نہایت سنجیدہ تھے۔
''اب کیسا ہے وہ پیشنٹ''۔
''اس کی اک ٹانگ کٹ گئی ہے''۔
''اوہ نو......'' اسے بے حد افسوس ہوا۔
''ویری سیڈ''۔
''محترمہ! یہ آپ کا ڈرائنگ روم نہیں ہے جہاں آپ راستہ روکے گفت وشنید میں مصروف ہیں''۔ جیکٹ بازو سے اٹھا کر اس نے دائیں کندھے پر رکھا تھا وہ نیچے کے اسٹیپ پر کھڑا تھا اسے یقیناً اوپر جانا تھا اور وہ راستہ بلاک کئے کھڑی تھی کچھ دیر پہلے جو اس کے لئے دل میں اچھا خیال آیا تھا بھاپ بن کر اڑ گیا۔
''اور یہ آپ کا پارک بھی نہیں ہے جو آپ ٹہل رہے ہیں''۔ وہ دو بدو بولی وارڈ بوائے نے اسے جانے کا راستہ دیا اور سیڑھیاں چڑھ گیا۔
''اتنے بڑے انسان سے آپ کیسے بات کررہی ہیں''۔ وارڈ بوائے حیران تھا۔
''تم سے مطلب......؟ اچھا انسان ہے تو ڈسکو کرے میری بلا سے''۔ وارڈ بوائے پہ چڑھ دوڑی اور زینہ طے کرگئی وہ بیچارہ ہکا بکا رہ گیا۔

☆☆☆☆

امی سو رہی تھیں' ساتھ لایا ناول وہ پورا پڑھ چکی تھی اینڈ بہت بورنگ ہوا تھا اس کا موڈ مزید خراب ہوگیا۔
''انسان کی زندگی میں کم پریشانیاں ہیں جو ناولز میں بھی انہی کا تذکرہ ملتا ہے بندہ ریفریش ہونے کے لئے ناول پڑھتا ہے نہ کہ ڈپریس ہونے کو' رائٹرز کو ہلکی پھلکی لو اسٹوری لکھنی چاہئے ہاں بیچ میں مسائل بھی ڈال دیں مگر اینڈ تو ہیپی ہونا چاہئے' یہ کیا کہ ہیرو کو مروا دیا اللہ کرے اس رائٹر کا دوسرا ناول کبھی شائع نہ ہو جب شائع کرنے بھیجے مشین خراب ہوجائے''۔ بڑبڑاتے ہوئے وہ کوریڈور کی طرف دیکھنے لگی زیادہ تر پیشنٹ کے ساتھ میل اٹینڈنٹ ہوتے تھے اس لئے اس کی آس پاس کے روم میں کسی سے دوستی نہیں تھی' نظر سامنے روم کے بند دروازے پر جم گئی تھی' ذہنی رو بھٹک گئی۔
''پتا نہیں اس کی کون عزیزہ ایڈمٹ ہے نادو کو اس کا کارنامہ سنایا تو فٹ سے کہنے لگی واقعی ریئل ہیرو ہے ہاں ہیرو تو وہ واقعی ہے صبح سے ہر سسٹر اس کے نام کی تسبیح پڑھ رہی ہے' منحوس کی پرسنالٹی بھی تو غضب کی ہے بس ذرا کھڑوس ہے' شاید ہری مرچ کثرت سے چباتا ہے' بھینچے لبوں کے ساتھ اچھا لگتا ہے جانے مسکراتے ہوئے کیسا لگتا ہے سب میں حسین اس کی آنکھیں ہیں جن میں غصہ ہی رہتا ہے کم بخت چلتا کیسے ہے جیسے اس سال ٹاپ ماڈل کا ٹائٹل اسی نے جیتا ہو' لاحول ولاقوۃ یہ میں کس بدتمیز کے بارے میں سوچے جارہی ہوں' بدکتا کیسے ہے مجھ پر''۔ اس کی نظر سامنے کوریڈور کی طرف اٹھی تھیں' جہاں سے تین بچے چلے آرہے تھے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں' بچوں میں تو اس کی جان اٹکی رہتی تھی اور وہ تھے بھی تو کتنے کیوٹ سے ان کے کپڑے ان کی امارات کا اظہار کررہے تھے بوریت دور کرنے کو اسے اچھا سامان مل گیا تھا۔
''ہیلو آئی ایم اشنا عبیر!'' آگے بڑھ کر اس نے تعارف کرایا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا' تینوں نے اک تانیے کو ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اس کے مسکراتے چہرے کو۔
''آئی ایم امجد''۔ ان سب میں بڑے تقریباً بارہ سالہ بچے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
''آئی ایم نشاء''۔ اب کے دس سالہ لڑکی نے تعارف کرایا۔
''آئی ایم احد''۔ سات سالہ بچے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
''کیوٹ''۔ اس نے بے ساختہ اسے پیار کیا۔
''مجھ سے دوستی کروگے؟'' اس کے پھیلے ہاتھ پہ تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس کے پھیلے ہاتھ پہ باری باری ہاتھ رکھ کر تجدید دوستی کرلیا' تینوں بچے کانفیڈنٹ تھے' اشنا کو بے حد بھائے' سب فوراً ہی گھل مل گئے بوریت سے بچنے کے لئے وہ لوگ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے' سب سے پہلے امجد چور بنا تھا اور اب اپنا ہی دوپٹہ آنکھوں پہ باندھے اشنا انہیں پکڑنے کی ناکام کوشش کررہی تھی اچھا خاصا شور مچ گیا تھا۔
''وہاٹ ہیپنڈ!'' اسے قریب ہی جانی پہچانی آواز سنائی دی' سرعت سے دوپٹا آنکھوں سے ہٹا کر اس نے سامنے دیکھا' دونوں انگوٹھے جینز کی جیبوں میں ڈالے وہ شرربار نظروں سے اسے ہی گھور رہا تھا' تینوں بچے دبک گئے' اسے دھیان آیا کہ اس کا دوپٹا تک ہاتھ میں ہے' خفت پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے دوپٹا شانوں پر ڈالا۔
''شاید آپ لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ ہاسپٹل ہے یہاں مریض ایڈمٹ ہیں جنہیں سکون کی اشد ضرورت ہے یہ تو بچے ہیں آپ کو بھی سینس نہیں ہے کہ آپ کا ایٹی ٹیوڈ قابل گرفت ہے' شرم آنی چاہئے آپ کو ایسی حرکت

کرتے ہوئے۔

''آپ آنٹی کو مت ڈانٹیں غلطی ہماری ہے سوری پپا''۔احد نے آگے بڑھ کر آئیجان عیس کی انگلی تھام لی۔

''پپ پا''۔وہ جو ابھی میدان میں اترنے کو کمر کس رہی تھی اچانک پڑنے والے میزائل پر ڈھے گئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ کبھی آئیجان عیس اور کبھی تینوں بچوں کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ تینوں گاڑی میں جا کے بیٹھیں میں آرہا ہوں''۔خشک لہجے میں کہتا وہ روم کے اندر چلا گیا۔

''بچے پھر آئیں گے''۔کہتے ہوئے بنا چوں چرا کئے آگے بڑھ گئے' گھسیٹتے قدموں سے وہ بھی چیئر پر آکے ڈھے گئی۔

''پپا پپا''۔اسے لگا ہر طرف سے اس کی بازگشت ہو رہی ہو۔

''کتنا جلاد ہے معصوم بچوں سے بات کیسے کر رہا تھا''۔وہ مسلسل سوچ رہی تھی اور نجانے کس جذبے کے تحت اس کے رخسار بھیگتے جا رہے تھے۔

☆☆☆☆

اگلے روز بھی اس کی طبیعت مکدر تھی' کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔بے دلی سے ناول کے صفحے پلٹ رہی تھی ایک لفظ پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

''السلام علیکم!''آواز پہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا دروازے پہ وہ کسی ادھیڑ عمر کی عورت کو تھامے کھڑا تھا' سرعت سے اس نے ناول چھپایا' اس کی بے ساختہ حرکت پر پہلے تو وہ حیران ہوا پھر اک چور تبسم اس کے لبوں پر جھلک دکھا کے معدوم ہو گئی' کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً مرمٹتی اس مسکراہٹ پر۔

''آؤ بیٹا!''امی تکیہ کے سہارے دراز تھیں' اس نے ادھیڑ عمر خاتون کو کرسی پر بٹھایا۔

''یہ دی جان ہیں آج ڈسچارج ہو رہی ہیں' آپ نے ملنے کی فرمائش کی تھی''۔وہ گویا تھا۔

''ملنا تو میں بھی آپ سے چاہ رہی تھی' آئیجان نے آپ کی تعریفیں بہت کی تھیں''۔دی جان نے لب کشائی کی۔

''بہت شکریہ' یہ میری بیٹی اشنا ہے''۔امی نے تعارف کرایا۔

''السلام علیکم!''لبوں پر مسکراہٹ سجائے ہوئے وہ تھرماس سے چائے نکال رہی تھی امی' دی جان اور آئیجان کے آگے خاموشی سے چائے رکھ دی' تینوں بچے بڑی شرافت سے بیٹھے تھے کولر سے جوس کے پیکٹ نکال کر تینوں کو تھمائے۔

''یہ بچے......؟''امی استفسار کر رہی تھیں۔

''یہ اسجد' نشاء اور احد ہیں آئیجان کے''۔اس سے آگے سننے کی اس میں ہمت نہیں تھی اپنا کپ اٹھا کر وہ سرعت سے کمرے سے باہر نکل گئی' پلکوں میں نمی محسوس ہو رہی تھی سائیڈ پر کپ رکھ کر وہ بینچ پر بیٹھ گئی' تینوں بچے بھی اس کے پیچھے چلے آئے۔

''آپ باہر کیوں چلی آئیں......؟''اسجد کے سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ مسکرا دی۔

''اچھا یہ بتاؤ کون سی کلاس میں پڑھتے ہو تم لوگ......؟''آج اسے یہ بچے مزید اچھے لگ رہے تھے' شاید ان کا تعلق آئیجان سے جو تھا' اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ پوچھے کہ آپ کی ماما کہاں ہیں' کل تو وہ یہ ہی سمجھتی رہی تھی کہ اس کی وائف ایڈمٹ ہے۔

''میں سکس' نشاء فائیو اور احد ٹو میں پڑھتا ہے''۔اسجد نے جواب دیا۔

''آنٹی آپ ہمارے گھر آئیے گا نا آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں''۔

''تم لوگ بھی بہت اچھے ہو بیٹا''۔وہ تینوں کو اک ساتھ بھینچ گئی روم سے نکلتے آئیجان عیس نے بڑی حیرانی سے اس منظر کو دیکھا تھا' اس کے لب مسکرا رہے تھے مگر پلکیں کسی قدر نم تھیں جانے کیوں......وہ شانے اچکا کے آگے بڑھنے لگا۔

''پاپا کہاں جا رہے ہیں......؟''احد نے صدا لگائی وہ مڑا مگر وہیں کھڑا رہا۔

''ہاسپٹل کے ڈیوز پے کر کے آرہا ہوں''۔وہ پھر مڑ گیا' اشنا نے دھندلائی آنکھوں سے اس کی پشت کو دیکھا' خود سے اقرار کرتے ہی بنی کہ وہ اس کے دل کے کونے کو چھو گیا ہے' سامنے سے نادیہ چلی آرہی تھی اس نے تیزی سے خود کو کمپوز کیا وہ بھی اتنے بڑے بڑے بچوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی اور جب آئیجان عیس کو دیکھا تو مسمرائز ہو گئی۔

''اشنا! تو نے بہت ڈنڈی ماری تھی اس کی پرسنالٹی بتاتے ہوئے کتنا ڈیشنگ ہے لیکن عمر چور بھی کہیں سے لگ رہا ہے کہ تین بچوں کا ابا ہے مائی گاڈ''۔

☆☆☆☆

''آپ نے بلایا دی جان......؟''وہ دی جان کے کمرے میں داخل ہوا۔

''آؤ بیٹھو!''

''بیٹھ گیا حکم......؟''نیم دراز دی جان کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا۔

''کتنے تھکے ہوئے لگ رہے ہو' کیوں کرتے ہو اتنی محنت''۔دی جان کے لہجے میں اک ماں کی طرح شفقت تھی۔

''محنت کرنا پڑتی ہے دی جان! ورنہ مارکیٹ میں شیئرز تاش کے پتے کی طرح گرتے ہیں اور مجھے تو پپا اور بھیا کے خوابوں کی تعبیر بننا ہے وہ مجھے بزنس ٹائیکون کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے اور جب میں بن گیا ہوں تو دیکھنے والی آنکھیں ہی نہیں رہیں''۔دی جان کو افسوس ہوا کہ ناحق اسے دکھی کیا۔

''جو لوگ دل میں بستے ہیں وہ ہمارے آس پاس ہوتے ہیں ہم انہیں دل کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں' آج میں تم سے اک درخواست کرنے جا رہی ہوں''۔وہ اصل موضوع کی طرف آئیں۔

''آپ مجھے میری ہی نظروں میں گرا رہی ہیں دی جان! میں نے آپ کو مما سے کم کبھی نہیں سمجھا حکم کیجئے''۔

''آئیجان میں چاہتی ہوں تم شادی کر لو بیٹا اس سال ستائیس کے ہو جاؤ گے۔

''اگلی بار اٹھائیس کا بھی ہو جاؤں گا''۔بات اڑائی۔

''مجھے خبر تھی ہمیشہ کی طرح یونہی مجھے جل دو گے اس لئے میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے''۔دی جان نے دھماکہ کر دیا۔

''کیا کہہ رہی ہیں دی جان......؟''

''جو تم نے سنا''۔لاپروائی سے بولیں یہ آئیجان عیس کا مان ہی تھا جو دی جان استحقاق سے گفتگو کر رہی تھیں۔

''مجھے نہیں کرنی شادی وادی میں اپنے بچوں کے ساتھ بہت خوش ہوں آپ کو کچھ بھی طے کرنے سے پہلے مجھ سے ذکر تو کرنا چاہئے تھا''۔اس کا موڈ آف ہونے لگا۔

''آج تمہاری ماں تمہارا رشتہ طے کر دیتی تو تم یونہی چراغ پا ہوتے......؟ لعنت ہے مجھ پہ کتنے مان سے میں نے رشتہ طے کر دیا' آپ جاکے کہہ آؤں گی دو جوتے مار لیں''۔ دی جان ایموشنل بلیک میلنگ کر کے دزیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''اب آپ زیادتی کر رہی ہیں میرے ساتھ' جانتی بھی ہیں میں خود سے پہلے اپنے تین بچوں کا سوچتا ہوں اور میرا خیال ہے ابھی کرہ ارض پہ ایسی لڑکی نہیں اتری جو میرے بچوں کو اک ماں کا پیار دے سکے' ان ننھے فرشتوں کو میں کسی اجنبی عورت کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے نہیں دیکھ سکتا' میرے تین بچے ہیں آپ ہیں بس ہمارا گھر مکمل ہے''۔ انداز حتمی تھا۔

''مجھے گھر میں ایک عورت کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے''۔

''آپ ہیں تو سہی''۔ انداز ہنوز تھا۔

''اس گھر کو تمہاری بیوی کی ضرورت ہے''۔ دی جان اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹیں۔

''یہ بچے صرف تمہارے ہیں میرے تو کچھ نہیں لگتے نا اور کوئی لڑکی کیسے ان معصوموں پر ظلم کرے گی کیا میں اور تم آنکھیں بند کر لیں گے''۔

''دی جان......!''

''اب تم نے مزید انکار کر کے میرے مان کو توڑا تو میں ہمیشہ کے لئے اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی' تم جانتے ہو میں ضد بہت کم کرتی ہوں اور ضد میں کیا ہوا فیصلہ بہت اٹل ہوتا ہے''۔ وہ روٹھ گئیں۔

''تو اب آپ بلیک میل کریں گی مجھے......؟''

''ہاں''۔ ان کا انداز بدستور اٹل تھا۔

''آپریشن کے باعث تو آپ گھر پہ ہیں کیا لڑکی خوابوں میں نظر آ گئی آپ کو''۔ کافی سوچ بچار کے بعد بولا' انداز ہار ماننے والا تھا' دی جان کھل اٹھیں۔

''خوابوں میں نہیں ہاسپٹل میں دیکھی ہے لڑکی''۔

''کون......؟'' اس کی نظروں میں یاد کرنے پہ بھی کوئی نہ آیا۔

''اشنا اور کون......'' دی جان نے اک بار پھر دھماکہ کیا وہ لرز گیا۔

''وہاٹ......؟'' وہ جو سرینڈر کے موڈ میں تھا بدک گیا۔

''وہ غیر ذمہ دار' غیر شائستہ گفتگو کرنے والی فتنہ فساد پھیلانے والی لڑکی دی جان! مجھے احساس ہو رہا ہے آپ میرے سر کے بالوں کی دشمن ہو رہی ہیں وہ شیرنی ہی نظر آئی آپ کو میرے لئے وہ تو مجھے اور میرے بچوں کو چیر پھاڑ کھائے گی''۔ اس نے پرزور مخالفت کر کے دہائی دی۔

''آئے ہائے کیا واہی تباہی بک رہے ہو' کتنی اچھی سلجھی ہوئی بچی ہے''۔

''اگر وہ سلجھی ہوئی ہے تو الجھی ہوئی کیسی ہوتی ہیں آہ ربا مجھے بچا لے''۔

''صرف بچے دو بار ملے ہیں اس سے' جب سے اشنا کے نام کی مالا جھپ رہے ہیں اور وہ بھی تو کیسے انہیں ساتھ لگائے کھڑی تھی' وقت رخصت کتنی آبدیدہ تھی''۔ اس کی نظروں میں بھی وہ منظر گھوم گیا۔

''لیکن دی جان! وہ بہت ان میچور ہے' بچوں کو سنبھالنے کے لئے کسی میچور لڑکی کی ضرورت ہے اس نے تو اپنے بچپن کو خود خدا حافظ نہیں کہا''۔ چھان پھٹک کے پھر اختلاف کا پہلو نکالا۔

''تم لائے تو تھے اک میچور لڑکی...... کیسے اس نے منہ پر کہہ دیا تھا اس کا بچوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا' بچے نوکر پالیں گے''۔ وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی سر جھکا گیا۔

''میں نے دھوپ میں کھڑے ہو کر بال سفید نہیں کیے جیسا اشنا کا مزاج ہے وہ بچوں کو اور بچے اسے آسانی سے سمجھ جائیں گے' ایک بار مجھ بوڑھی پر بھروسہ کر کے تو دیکھو' جتنی تمہاری عمر ہے اس سے تین گنا مجھے تجربہ ہے''۔ دی جان نے منانا چاہا۔

''اشنا کی امی نے نیم رضامندی ظاہر کی ہے بس تمہیں بردکھوے کے لئے جانا ہوگا تاکہ اس کے بھائی اور ابو تم سے مل لیں''۔ دی جان حلاوت سے سمجھا رہی تھیں وہ کشمکش میں تھا۔

''تم سمجھ کیوں نہیں رہے بیٹا! کہ میں اور تم بھلے لاکھ ہوں مگر بچے زیادہ تر ماں کے قریب ہوتے ہیں' میں اور تم ان کی ماں کی جگہ نہیں لے سکتے' اور مجھے یقین ہے اشنا میری توقعات پر پوری اترے گی''۔

''آپ کے دل میں جو آئے کریں میں بارات والے روز بھاگ جاؤں گا''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اشنا کو رخصت کرا کے لے آنا پھر بے شک بھاگ جانا''۔ دھمکی کو دی جان نے چنداں اہمیت نہ دی۔

☆☆☆☆

امی کو ڈسچارج ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا' اب وہ بالکل تندرست تھیں' ہاسپٹل سے واپسی پر سب نے اشنا عمیر میں واضح تبدیلی محسوس کی تھی لڑائی مار کٹائی' زبان سے گولے داغنا بہت کم ہو گیا تھا' سب نے بار بار اس تبدیلی کی وجہ پوچھی' گھر میں کچھ دنوں سے کھچڑی پک رہی تھی مگر وہ اپنے حواسوں میں ہوتی تب اسے احساس ہوتا۔

''اشنا ادھر آؤ''۔ گھر میں اس وقت ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا' لنچ بنا کر فارغ ہوئی تو امی نے صدا لگائی۔

''جی امی''۔ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''اشنا! تمہیں کیا ہو گیا ہے بیٹا اتنی چپ چپ کیوں رہنے لگی ہو......؟'' وہ متفکر تھیں۔

''آپ لاجواب ہیں جب بولتی تھی تب آپ ہی سرزنش کرتی تھیں اب بھی آپ ٹوک رہی ہیں''۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان کا تفکر دور کرنے کی کوشش کی۔

''تم بولتی ہی اچھی لگتی ہو''۔ امی نے اسے ساتھ لگا لیا' آنکھیں جانے کیوں بھیگ گئی تھیں۔

''اشنا! ہم نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے''۔

''جی......'' وہ سن کر رہ گئی۔

''لڑکا آج بردکھوے کے لئے آ رہا ہے تم بھی دیکھ لینا ویسے تو تم نے دیکھ رکھا ہے''۔ امی مسکرائیں۔

''کیسے......؟'' اس کی آواز گہرے کنوئیں سے نکلی۔

''ہاسپٹل میں ملی تھیں نا آبجان سے وہی آ رہا ہے''۔ امی کہہ رہی تھیں اور اس کا دماغ گھومنے لگا دوسری شادی کرنے والوں سے اسے سخت نفرت تھی۔

''آپ منع کر دیں اسے آنے سے''۔

''ہائے کیوں......؟'' امی اس کے انداز پہ حیران ہوئیں۔

''میرے لئے آپ کو تین بچوں کا ابا ہی ملا' امی میں آپ کی سگی بیٹی ہوں یا آپ نے مجھے کچرے سے اٹھایا ہے''۔

''کیا بکے جا رہی ہو''۔ امی دنگ رہ گئیں۔

''صحیح بول رہی ہوں' آئے ذرا وہ چھٹی کا دودھ نہ یاد کروا دیا تو میرا نام بھی اشنا عمیر نہیں' تین بچوں کے ہوتے

اسے شادی کی سوجھ رہی ہے' پتا نہیں بیوی زندہ بھی ہے یا کمبخت نے جلا کے مار دیا''۔ وہ تن فن کرنے لگی۔

''آئے ہائے کیا بکے جا رہی ہو' کس کی بیوی......؟ کس کے بچے؟'' امی کا تو خون خشک ہو گیا۔

''یہی آپ کے آئیجان عیص کے' تین بچوں سے آپ ہاسپٹل میں ملی تھیں نا وہ اس کے ہیں''۔ دانت پیسنے کی کوشش میں جبڑے ہل گئے۔

''تم سے کس نے کہا......؟'' امی حیران تھیں۔

''مجھ سے کون کہے گا' آنکھیں اور کان''۔

''سلامت نہیں ہیں تمہارے''۔ امی نے ٹکڑا لگایا۔

''ادھر آؤ میری عقل مند بیٹی''۔ امی نے اسے قریب کر لیا۔

''نیم حکیم خطرہ جان ٹھیک ہی کہتے ہیں''۔ امی بالآخر مسکرا دیں۔

''جس خاتون سے تم ہاسپٹل میں ملی تھیں وہ دی جان ہیں آئیجان عیص کی ماں کے ساتھ جہیز میں آئی تھیں' آئیجان عیص سے دس سال بڑا بھائی تھا' مجموعی لحاظ سے ان کے گھر میں خوشیوں نے دھاوا بول رکھا تھا' بڑے بھائی کی شادی ہوئی تو آنے والی بہو نے محنت و یگانگت کو فروغ دیا' مگر غم ان کے گھر کے آس پاس کھڑا منہ چڑا رہا تھا' شہر سے باہر کسی عزیز کی شادی تھی' آئیجان کے ایگزام ہو رہے تھے اس کے باعث دی جان بھی رک گئی تھیں اور بچے تو آئیجان پہ جان دیتے تھے' آئیجان کے مما' پپا' بھیا اور بھابی خوشیوں بھرے سفر کو روانہ ہوئے تھے مگر لقمہ اجل بن گئے' گرچہ غم بہت گہرا تھا مگر آئیجان جو میچورڈ تھا اس نے خود کو سنبھالا' اسے جینا تھا' بھتیجے بھتیجی کو اپنے بچے سمجھ لئے' بڑے دونوں تو سمجھدار تھے مگر احد آئیجی کو پپا کہنے لگا''۔ اس کی نظریں جھک گئیں' اندر کہیں سکون پھیل گیا۔

''آپ کو یہ سب کس نے بتایا......؟''

''دی جان نے جب رشتہ مانگا تو ساری تفصیل بتائی' ہمیں تم پر فخر ہے بیٹا تم ہمیں شرمندہ مت کرنا' ان بچوں کو سمیٹ لینا''۔ امی کہہ رہی تھیں وہ ایکدم ہلکی پھلکی ہو گئی جو کشمکش جاری تھی اس سے نجات مل گئی تھی۔

☆☆☆☆

وہ اپنی زندگی کے نئے سفر پر سوچ بچار کر رہی تھی دروازہ کھلا پھر قدموں کی دھمک بیڈ پر آ کے معدوم ہو گئی۔

''السلام علیکم!'' کورس میں سلام کیا گیا اس نے رکی سانس خارج کی' وہ تینوں اس کے مقابل بیڈ پر براجمان ہو گئے اسے پرشوق نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں''۔ نشاء نے اس کا خالی ہاتھ محبت سے تھام لیا' وہ مسکرا کر اسے ساتھ لگا گئی۔

''آپ بھی تو حسین پری لگ رہی ہو''۔ اشنا نے خوبصورت فراک میں ملبوس نشاء کو محبت سے پیار کیا۔

''میں آپ کو چاچی نہیں کہوں گا' ٹھیک ہے نا ماما......؟'' اور معصوم آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے استفسار کر رہا تھا۔

''ہاں جان جگر!'' اس کے معصومانہ انداز نے دل موہ لیا ماں کی محبت اور گود کی گرمی سے محرومی کا عکس ان بچوں کے چہرے سے جھلکنے لگا' یہ جاننے کے بعد کہ ان معصوموں نے اتنی کم عمری میں اتنا بڑا صدمہ سہا ہے اس نے اپنے اندر ممتا کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر محسوس کیا' یتیمی کے احساس نے اس کا دل ان کے لئے مزید گداز کر دیا' تینوں اس کے ساتھ لگے بیٹھے تھے۔ آئیجان عیص اندر داخل ہوا۔

''تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو......؟'' انہیں دیکھ کر حیرانی کا مظاہرہ کیا۔

''ہم چاچی سے ملنے آئے ہیں''۔ نشاء نے انفارم کیا۔

''سونے کا وقت ہو گیا ہے جاؤ اپنے کمرے میں''۔ باہر کا راستہ دکھایا۔

''چاچو! تھوڑی دیر اور......'' اسجد نے لجاجت سے کہا وہ وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا واپس آیا تو وہ تینوں بدستور اشنا کو گھیرے بیٹھے تھے' آئیجان نے اک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔

''اب آپ لوگ اپنے کمرے میں جاؤ' صبح اسکول بھی جانا ہے' شاباش نشاء اٹھو بیٹا''۔ نشاء کے پیچھے بیٹھتے وہ گویا تھا وہ اس سے چند فٹ کی دوری پہ مقابل بیٹھا ہوا تھا' اشنا کی پلکیں حیا سے بوجھل ہو گئیں۔

''آپ کے ولیمے تک ہم نے چھٹی لی ہوئی ہے''۔

''کس نے دلائی چھٹی!'' احد کو اشنا کی گود میں دیکھتے استفسار کر رہا تھا۔

''دی جان نے''۔

''اچھا پھر سونا نہیں ہے چلو جاؤ''۔ نشاء اور اسجد اٹھ گئے احد جی دار بنا اس کی گود میں چڑھا رہا۔

''اٹھو احد''۔

''پپا! دیکھیں مما کتنی حسین لگ رہی ہیں''۔ اشنا بلش ہو گئی تھی۔ اک پل کو آئیجان بھی سٹپٹا گیا۔

''ماما!'' آئیجان نے لبوں کو جنبش دی' اشنا کو شرمانے لجانے کے علاوہ کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔

''آنٹی نے کہا ہے میں انہیں ماما کہہ سکتا ہوں''۔ وہ مزے سے کہہ رہا تھا' وہ اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھے گیا۔

''پپا! مما خوبصورت لگ رہی ہیں ناں......؟'' غیر متوقع سوال پہ وہ پزل ہوا' اشنا کے کان کھڑے ہو گئے۔

''پپا بتائیں نا......؟'' احد کی سوئی اٹک گئی تھی۔

''ہاں اچھی لگ رہی ہیں''۔ اسے کہتے ہی بنی' سر جھکا کر اشنا نے مسکراہٹ چھپائی۔

''گڈ نائٹ!'' احد نے پٹ سے اس کا رخسار چھو لیا۔

''اب میں تین تک گنوں گا اگر کمرا خالی نہ ہوا تو......ون......'' تینوں ہی اس کی کاؤنٹنگ پہ دوڑ لگا چکے تھے' اشنا کے لبوں پر محظوظ کن مسکراہٹ تھی وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا' اشنا اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی' بالآخر انتظار کے لمحات اختتام پذیر ہوئے۔

''میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا''۔ وہ جو کوئی دلربا سی بات سننے کو تیار بیٹھی تھی اس کی سماعت کو زیر دست دھچکا لگا وہ اس کی صورت دیکھنے لگی۔

''دی جان کے کہنے پر مجھے یہ شادی کرنی پڑی یہ بچے میری زندگی ہیں اور اگر ان پھولوں کے پر ذرا بھی جھلسے تو اچھا نہیں ہوگا' آپ چینج کر کے سو سکتی ہیں گڈ نائٹ''۔ وہ بیڈ کے دوسرے سرے پر دراز ہو گیا۔

''یہ آپ کی رونمائی!'' دی جان نے دیا ہے مجھے یاد نہیں رہا' صبح سب اس کے متعلق پوچھیں گے''۔ لیٹے لیٹے بلو مخملیں کیس اس کی طرف سرکا دیا۔

''اشنا عبیر کو اپنا حق وصول کرنا آتا ہے یہ تحفہ میں اس دن وصول کروں گی جب آپ محبت سے مجھے خود دیں گے' اشنا عبیر بھیک نہیں لیتی''۔ اپنی بات کہہ کے وہ کروٹ بدل گئی اس کے بولڈ انداز پہ وہ ہکا بکا ملگجے اندھیرے میں اسے دیکھ کے رہ گیا۔

☆☆☆☆

وہ سخت برہم کمرے میں داخل ہوا' کوٹ صوفے پر پٹخ کے ٹائی کی ناٹ کھول کر بیڈ پر اچھال دیا' جوتے اتگ

اچھال دیئے وہ سخت برہم نظر آ رہا تھا۔
"اینی پرابلم"۔ اس کے جھلائے چہرے کو دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔
"دی جان کا کہنا ہے ہماری شادی کو مہینہ ہونے والا ہے اور ہم کہیں ہنی مون کے لئے نہیں گئے۔ اس لئے پہلی فرصت میں آپ کو لے کر کہیں گھومنے جاؤں"۔ وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے فساد کی جڑ وہی ہو۔
"انہی فضولیات کے باعث میں شادی کے خلاف تھا"۔ وہ جھلایا۔
"ڈونٹ ویسٹ یور انرجی' آپ ریلیکس رہیں میں ہینڈل کرلوں گی"۔ تسلی دی ساتھ ہی اس کے بکھرے پھیلاوے کو سمیٹنے لگی۔
"کیسے ہینڈل کرلیں گی الزام تو مجھ پہ ہی آئے گا"۔ تنک کر بولا۔
"اچھی بھلی گزر رہی تھی لے کے ڈبو دیا دی جان نے"۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے صوفے پر بیٹھ گیا۔
"میں نے کہا نا میں ہینڈل کرلوں گی آپ پریشان نہ ہوں"۔ صوفے سے کوٹ اٹھا کر ہینگر میں ڈالنے لگی' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا' چلتے پھرتے غیر محسوس طریقے سے بنا ماتھے پہ بل لائے وہ چیزیں سمیٹ رہی تھی جب جوتے اٹھانے لگی تو اسے عجیب سا لگا۔
"چینج کرکے آجائیں بچے بھوکے بیٹھے ہیں"۔ ٹھنڈے لہجے میں کہتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئی' واش روم میں آرام دہ شلوار سوٹ موجود تھا' پہلے یہ سارا کام ملازم کرتے تھے مگر اشنا نے بڑی تیزی سے اس گھر کا چارج سنبھال لیا تھا۔ پہلے شام کی چائے وہ بیڈروم میں پیتا تھا مگر اشنا نے ٹی ٹائم کے لئے لان کا مخصوص گوشہ منتخب کرلیا تھا' برسوں پرانی تبدیلی پہ وہ جھنجھلایا' مگر اشنا عمیر کے ٹھہرے لہجے پہ اسے ٹھہرنا پڑا۔
"بچے سارا دن آپ کا انتظار کرتے ہیں اور آپ کی ان سے ملاقات صرف ڈنر ٹیبل پر ہوتی ہے وہ بھی صرف چند منٹوں کے لئے اس کے بعد آپ آرام کرتے چلے جاتے ہیں میں مانتی ہوں آپ آفس سے تھکے ہارے آتے ہیں لیکن اگر آپ چائے پینے لان میں آجائیں اور چند منٹ بچوں کو دیں تو ان کا گلہ بھی کسی حد تک جاتا رہے گا کہ آپ انہیں کم ٹائم دیتے ہیں"۔ اور اس نے دیکھا تھا بچوں نے اس تبدیلی پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اشنا بچوں کا بہت دھیان رکھتی تھی اس لئے نہیں کہ آئیجان عیس نے کہا تھا بلکہ وہ خود اتنے معصوم اور پیارے تھے کہ اشنا ان سے پیار کرنے پر خود کو بے اختیار محسوس کرتی تھی اور پھر کم عمری میں یتیمی نے اس کے دل میں ان کے لئے نرم گوشہ پیدا کردیا تھا زرد سورج غروب ہونے کی تیاریوں میں تھا' ٹھنڈی ہوا نے اس کے تھکے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا لان چیئر پر بیٹھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"گڈ ایوننگ"۔ بچوں نے یک زبان کہا تھا یہ تبدیلی اشنا کے آنے کے بعد رونما ہوئی تھی پہلے دن وہ حیران ہوا تھا پھر اسے بھی اچھا لگا تھا۔
"گڈ ایوننگ سوئیٹ ہارٹ"۔ وہ بے حد فریش لگ رہا تھا' اشنا عمیر نے اسے ذرا کی ذرا دیکھا' دی جان اور اسے سموسے سرو کرنے لگی' بچوں کو نوڈلز اور نگٹس سرو کرنے لگی۔
"ماما! یہ گر کیوں جاتا ہے......؟" احد نے فورک کو غصے سے پاؤں میں پٹخ دیا۔
"میں اپنی جان کو کھلاؤں گی تو بالکل نہیں گرے گا' آپ یہاں آؤ"۔ اشارہ ملتے ہی احد اس کی گود میں چڑھ گیا۔
"اسے خود ہی کھانے دیں"۔ وہ ٹوکنے لگا۔

"بچے کو ماں کے ہاتھ سے کھا کے لطف ملتا ہے' بڑے ہو کر اس نے خود ہی کھانا ہے بچپن کی کچھ باتیں تو ایسی ہوں جو بڑے ہو کر سوچنے پر لطف دیں"۔ وہ احد کو دیکھنے لگا جس کے چہرے پر روشنی بکھر گئی تھی پھر اس نے باری باری امجد اور نشاء کو بھی کھلایا۔
"تم خود تو لو اشنا"۔ دی جان ٹوکنے لگیں۔
"میں ماما کو کھلاؤں گا"۔ سموسہ اٹھا کر احد نے اس کی طرف بڑھایا تو اس نے مسکرا کر بائیٹ لی۔
"آئیجان پھر کہاں جانے کا پروگرام ہے......؟" دی جان کے سوال پہ اس کے لب بھینچ گئے جیسے کوئی ناخوش گوار ٹاپک کھل گیا ہو۔
"دی جان! شرط حیات زندگی کبھی بھی گھوم لیں گے ابھی تو میں اس گھر میں نئی ہوں بچے جو میرے قریب آئے ہیں پھر سے دور ہو جائیں گے' پندرہ دن بعد بچوں کے ایگزام شروع ہو رہے ہیں میرا دل لگ رہا ہے گا' میں یہ وقت بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں"۔
"اشنا عمیر کیا یہی تمہارا اصل روپ ہے' دیکھیں گے تم کب تک یہ ڈرامہ جاری رکھ سکتی ہو"۔ وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔
"کیا تمہاری خوشی پہ تمہارا حق نہیں......؟" دی جان کو اختلاف ہوا۔
"ماں کی خوشی بچوں کی خوشی میں ہے کیوں بھئی تم لوگ رہ لو گے میں چلی جاؤں......؟"
"بالکل نہیں...... بالکل نہیں"۔ تینوں نے یک زبان کہا تو آئیجان عیس کو مصنوعی کھانسی ہونے لگی۔
"پلیز دی جان! موڈ ٹھیک کریں' بچوں کے پیپرز ہو جائیں تو ہم سب کہیں گھومنے جائیں گے ساتھ ساتھ"۔ اشنا نے کہا تو بچے خوشی کا اظہار کرتے اپنی اپنی پسندیدہ جگہ بتانے لگے۔

☆☆☆☆

آئیجان عیس آفس کی فائل میں الجھا بیٹھا تھا کافی کا مگ خاموشی سے اشنا نے اس کے سامنے رکھ دیا' بن کہے ہی وہ اس کی ضرورتوں کا دھیان رکھتی تھی اور جواب میں وہ تھینکس تک نہیں کہتا تھا' اشنا تکیہ جگہ پر درست کرتی لیٹنے کا قصد کر رہی تھی جب دروازہ ناک ہوا۔
"ہوز دیں"۔ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے پوچھا۔
"پپا میں ہوں!" احد کی معصومانہ آواز آئی اشنا نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔
"ماما! مجھے ڈر لگ رہا ہے میں آپ کے ساتھ سو جاؤں......؟" اپنا چھوٹا تکیہ بغل میں دبائے وہ پوچھ رہا تھا' کرسی کے بیک پر دونوں بازو رکھے وہ ان کی طرف متوجہ تھا۔
"کیوں نہیں آج میرا جانو میرے ساتھ سوئے گا"۔ اشنا نے اسے تکیہ سمیت گود میں اٹھالیا' وہ کھلکھلا دیا بیڈ پر لٹا کر اشنا نے اس پر چادر ڈالی۔
"پپا! آپ بھی میرے پاس آکر سوئیں ناں"۔ احد نے فرمائش کی۔
"پپا! کام کر رہے ہیں بیٹا"۔ اشنا نے بہلانا چاہا۔
"پپا پلیز! آجائیں نا"۔ اشنا نے سفارش کی' آئیجان عیس نے اک گہری نظر اس پر ڈالی وہ نظریں چرا گئی فائل بند کرکے وہ اٹھ گیا۔
"لو آ گیا"۔ وہ اپنی جگہ پر دراز ہو گیا احد ان دونوں کے بیچ دراز تھا' اشنا کا ہاتھ پہلے ہی اس نے اپنے

چھوٹے سے سینے پر رکھا ہوا تھا اب آئیجان کا ہاتھ بھی رکھ لیا' اشنا کے ہاتھ پر آئیجان کا ہاتھ آپڑا تھا' اس نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا مگر احد نے اپنا ہاتھ اوپر رکھ لیا تھا آئیجان کے لئے بھی یہ سچویشن سٹپٹا دینے والی تھی اشنا کے ہاتھ کی لرزش اور نمی اس کی ہتھیلی میں جذب ہو رہی تھی۔

''پتا ہے پپا! میری ہمیشہ سے یہی خواہش تھی کہ میں پپا اور ماما کے درمیان سوؤں لیکن ماما' پپا تو اللہ کے پاس چلے گئے تھے نا پھر میں کیسے ان کے درمیان سوتا' پپا اچھا ہوا آپ نے ماما سے شادی کر لی' اب میں بھی کبھی آپ لوگوں کے درمیان سو سکتا ہوں نا' بھائی اور نشاء سو جاتی ہیں تو مجھے بہت ڈر لگتا ہے''۔ احد کی باتیں سن کر دونوں کا دل غیر معمولی انداز میں دھڑک رہا تھا معصوم سا بچہ کتنا ترسا ہوا تھا' اشنا نے چاہا تھا اسے پیار کر لے تب ہی اونچی ہوئی تھی عین اسی وقت آئیجان عیس نے بھی یہی حرکت کی تھی' دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا تھا اس کے ہاتھوں کی لرزش بڑھ گئی اس نے احد کی ٹھوڑی پر لب رکھ دیئے تھے اور آئیجان نے پیشانی چوم لی تھی۔

''آئندہ کبھی ایسی باتیں مت سوچنا میں ہوں نا آپ کی ماما' اللہ نے مجھے آپ کے لئے بھیجا ہے یہاں''۔ اس نے اسے بھینچ لیا وہ کافی دیر باتیں کرتا رہا پھر سو گیا' نائٹ بلب آف کر کے آئیجان نے غیر ارادی نظر اشنا عیر پر ڈالی احد کو خود سے چپکائے وہ محوِ خواب تھی معصوم مسکراہٹ ساری رات اسے اپنی طرف کھینچتی رہی۔

☆☆☆☆

''یہ رزلٹ ہے تم تینوں کا......؟'' آئیجان نے مجرم بنے امجد' نشاء اور احد کے منہ پر رپورٹس دے ماریں۔

''اگر تم لوگوں نے پڑھنا نہیں ہے تو بتا دو اپنا اور میرا ٹائم کیوں ضائع کر رہے ہو' جانتے ہو کتنی شرمندگی اٹھانا پڑی مجھے پرنسپل کے سامنے' صرف تم تینوں کے باعث یک نہ شد تین شد' جو بچے پوزیشن لیتے ہیں ان میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں تم لوگوں کی کارکردگی اتنی بری کیوں ہے......؟'' وہ تینوں کو غضبناک نظروں سے گھور رہا تھا۔

''بچے ہیں آئیجان''۔ دی جان نے اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''آپ نہیں جانتیں دی جان! آج مجھے کیا کیا سننا پڑا ان تینوں کے باعث' اسکول سے نکالنے کا کہہ دیا ہے پرنسپل نے' اگر ایسی ہی کارکردگی رہی تو......'' اشنا خاموشی سے بچوں کے جھکے سر اور آئیجان کے غصے کو دیکھ رہی تھی۔

''اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو جاؤ کمرے میں''۔ وہ دھاڑا تو تینوں مجرموں کی طرح سر جھکائے لاؤنج سے نکل گئے' اشنا تیزی سے ان کے کمرے کی اور بڑھی مگر اس کے قدم دروازے پر ہی ٹھٹھک گئے لمحے میں کمرے کا نقشہ بدل گیا تھا' تینوں نے اپنا سارا غصہ چادر' تکیہ' کشنز' کھلونے اور کتابوں پر اتارا تھا پورا کمرا بکھرا ہوا تھا تینوں بیڈ پر اوندھے پڑے تھے۔

''غصہ آ رہا ہے......؟'' وہ ان کے درمیان بیٹھ گئی۔

''ہاں......'' امجد نے چیخ کر کہا۔

''لیکن کیوں......؟''

''آپ نے سنا نہیں چاچو نے ہمیں کتنا ڈانٹا''۔ نشاء روتے ہوئے بولی۔

''چاچو نے غلط تو نہیں کہا......'' وہ احد کے بال سنوارنے لگی۔

''آپ بھی یہی کہیں گی ماما......؟'' احد کو صدمہ ہوا۔

''میں کل سے اسکول نہیں جاؤں گا نہیں پڑھنا مجھے''۔ امجد نے اعلان کیا۔

''یوں میدان چھوڑ دینے والے منزل پہ نہیں پہنچتے جانو' تم لوگ چاچو کی بات پہ رو رہے ہو رو لو لیکن جب

آنسوؤں کا اسٹاک ختم ہو جائے تو سوچنا چاچو کو کتنی بے عزتی برداشت کرنا پڑی' پوزیشن لینے والے بچوں کی ٹرافی دیکھ کر انہیں تم لوگوں کے لئے کتنا برا لگا ہوگا' جو گزر گیا اسے بھلا دو اور خوب دل لگا کر پڑھو چاچو کو پوزیشن لے کر دکھاؤ تا کہ وہ خوش ہو جائیں اور کنفس دیں' بس تھوڑی سی محنت کرنا پڑے گی اور تو کچھ نہیں نا' پھر کیا خیال ہے ہر بار چاچو سے ڈانٹ کھاؤ گے یا''۔

''نہیں' ہم پوزیشن لیں گے''۔ نشاء جھٹ سے بولی۔

''ہم بھی''۔ دونوں نے بھی ساتھ دیا' ان کے معصوم ذہنوں میں اس کی باتیں سما گئی تھیں پوزیشن لینے والے بچوں کی ٹرافی دیکھ کر انہیں کتنی جلن ہوئی تھی' کلاس کے سامنے شرمندگی الگ۔

''That`s like a good kids'' اس نے تینوں کو اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

''چاچو تم لوگوں کو تمہارے بھلے کے لئے ڈانٹتے ہیں تا کہ تم ان کی طرح کامیاب بنو خوب ترقی کرو' احد کو پائلٹ بننا ہے امجد کو انجینئرنگ' نشاء کو ڈاکٹر تو اس کے لئے پڑھنا تو پڑے گا نا''۔ تینوں نے شد و مد سے گردن ہلائی بچے کافی حد تک اس کا مطمع نظر سمجھ گئے تھے اس کا فرض تھا کہ وہ ان کے مابین دوری نہ آنے دے۔

''بچوں کے ساتھ آپ کا بی ہیویئر درست تھا......؟'' وہ ایل ای ڈی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا جب وہ اس تک آئی۔

''کہنا کیا چاہتی ہیں آپ......؟'' آئیجان نے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں۔

''آپ کا انداز درست نہیں تھا''۔ اشنا عیر نے اسے احساس دلانا چاہا۔

''آپ کے خیال میں مجھے انہیں میڈل سے نوازنا چاہئے تھا''۔ انداز حد درجہ ناگوار تھا۔

''میں نے یہ نہیں کہا' میرے بچے نالائق نہیں ہیں نااہل تو وہ ٹیوٹر تھا جسے آپ نے اپائنٹ کیا تھا''۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس سے پہلے کی طرح تنک مزاجی سے بات کر رہی تھی ''میرے بچے'' پہ وہ دنگ رہ گیا تھا۔

''آپ نے بناء پرکھے ٹیوٹر رکھ لیا' کبھی چیک نہیں کیا کہ وہ صحیح پڑھا رہا ہے یا نہیں''۔ وہ تنکی۔

''آپ کو اس گھر میں کیوں لایا گیا ہے؟ آپ دیکھ لیتیں''۔ بڑی سہولت سے وہ سارا الزام اس پر ڈال کر بری الذمہ ہو گیا' وہ بے حد چڑ گئی۔

''ایکسکیوزمی! وہ ٹیوٹر بہت پہلے سے بچوں کو پڑھا رہا ہے اینڈ فور یو کائنڈ انفارمیشن مہینہ پہلے میں نے اس ٹیوٹر کی چھٹی کر دی ہے اب بچوں کو دوسرا ٹیوٹر پڑھا رہا ہے''۔ اپنی لاعلمی پہ بجائے شرمندہ ہونے کے شانے اچکا کے رہ گیا۔

''پھر رزلٹ ایسا کیوں آیا......؟'' اپنی غلطی ماننے کو تیار نہ ہوا۔

''دس مہینوں کی پڑھائی ایک مہینے میں نہیں ہوتی''۔ وہ بیویوں والے اسٹائل میں چڑ کے بولی۔

''غلطی خود کی ہے اور لے کے میرے بچوں کو ڈانٹ دیا کتنی مشکلوں سے سب روتے روتے سوئے ہیں معلوم ہے''۔ وہ واش روم میں چلی گئی باہر نکلی تو وہ کمرے میں موجود ہیں' وہ دبے قدموں سے بچوں کے کمرے کی طرف گئی وہ بچوں کو پیار کر رہا تھا اشنا کو سکون ہوا۔

''تھینکس اللہ! ورنہ صبح سب مجھ پہ چڑھ دوڑتے کہ آپ نے تو کہا تھا چاچو ہم سے سوری کریں گے مگر وہ تو ہمارے پاس بھی نہیں آئے' وہ ہم سے محبت نہیں کرتے''۔

☆☆☆☆



''اشنا! بچے کیسے ہیں تم سے گھل مل گئے نا!'' آج وہ امی کے گھر آئی تھی بچوں کی وجہ سے کم ہی چکر لگاتی تھی کئی بار تو وہ انہیں ساتھ ہی لے آتی تھی۔

''اچھے ہیں اسکول میں ٹیسٹ ہو رہے ہیں ورنہ ساتھ ضرور آتے''۔ وہ محبت سے ذکر کر رہی تھی۔

''بن ماں باپ کے بچے ہیں اشنا! انہیں اپنی محبت کی چھاؤں میں ہی رکھنا بیٹا''۔

''آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے امی! وہ تو اتنے معصوم ہیں کہ دل خود بخود ان کی طرف کھنچتا ہے' بس محبت کے ترسے ہوئے ہیں اس لئے کبھی کبھی ابنارمل حرکتیں کرنے لگتے ہیں' آ ئیجان بھی روایتی باپ والا کردار ادا کرتے ہیں کبھی کبھی''۔

''مردوں کو بچے پالنے کا ڈھنگ کہاں ہوتا ہے یہ عورت ہی ہے جو پھولوں کی طرح بچوں کو زمانے کے سرد گرم سے بچاتی ہے بچوں اور باپ کے بیچ ماں پل کا کام کرتی ہے بچے جو بات باپ سے براہ راست نہیں کرسکتے وہ ماں سے کرتے ہیں اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے درمیان دوری نہ آنے دو' بلکہ ایسے مواقع فراہم کرو کہ وہ مزید قریب آئیں''۔ امی نے فراخدلی سے بچوں سے محبت کا اظہار کر کے اسے سمجھا رہی تھیں۔

یہ اشنا کی محبت ہی تھی جو وہ خود کو بھلائے بچوں میں لگی ہوئی تھی وہ تو اس حقیقت کو بھی جیسے بھول گئی تھی کہ اسے آ ئیجان سے محبت ہے اور وہ اس کی بیوی ہے' وہ اک کمرے میں تو رہتے تھے مگر اجنبیوں کی طرح...... آ ئیجان نے بھی اسے شاید اس لئے کمرے میں جگہ دی تھی کہ وہ اس کے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کر رہی تھی' اس سے زیادہ آ ئیجان نے کبھی اسے اہمیت نہیں دی' اشنا کو اس کی بے گانگی لاتعلقی کھلتی تھی مگر وہ منتظر تھی اس وقت کی جب وہ اس کا وجود تسلیم کرتا۔

☆☆☆☆

ڈرائیور کے ساتھ گھر آئی تو دی جان لاؤنج میں ہی مل گئیں گھر والوں کی خیریت پوچھتی رہیں پھر بچوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا ان سے فارغ ہو کر بیڈروم میں آئی تو آ ئیجان عیس کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا' انداز عجلت لئے ہوئے تھا وہ حیرانگی سے سوٹ کیس کو دیکھ رہی تھی۔

''کہیں جا رہے ہیں آپ......؟'' صبح تک تو اس کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

''بزنس میٹنگ کے لئے فارن جا رہا ہوں''۔ وہ کلائی میں رسٹ واچ باندھ رہا تھا یقیناً سب کچھ پلان تھا بس وہ ہی لاعلم تھا۔

''کب تک آئیں گے......؟'' استحقاق سے پر سوال پر وہ اسے دیکھنے لگا وہ بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کچھ کنفرم نہیں ہے اللہ حافظ''۔ وہ باہر نکل گیا وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا اس سے شادی کر کے اس نے سب سے بڑی غلطی کی ہے شرعی بیوی اس کے کمرے میں ہوتی تھی مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کوئی دلی وابستگی محسوس نہیں ہوتی تھی مگر اشنا کو تو اس سے محبت تھی اور وہ اس کی پہل کی منتظر ہی رہتی تھی مگر اپنی انا بہت عزیز تھی' وہ اس پر نظر کرم نہیں کرتا تھا تو وہ بھی دور جا کھڑی ہوتی تھی اس کی غیر موجودگی میں دن بڑے بے کیف گزر رہے تھے جبکہ بچوں کو بہلانے کے لئے پارک ریسٹورنٹ کا چکر لگا لیتی تھی۔ ایک ہفتے بعد وہ لوٹ آیا تھا اشنا کو بے حد خوشی ہوئی' ڈنر کے بعد وہ سب کے گفٹ نکال رہا تھا۔

''اشنا کے لئے کچھ نہیں لائے......؟'' دی جان کو حیرانی ہوئی۔

''اسے بعد میں دوں گا''۔ دور کھڑی اشنا کے لب مسکرا دیئے جانے ایسی کیا چیز تھی جو وہ اسے اکیلے میں دینا

چاہتا تھا۔ وہ بالوں میں برش کررہی تھی جب آئیجان کا عکس مرر پر اس کے سنگ جھلملانے لگا کئی ثانئے وہ مرر پر پڑتے اس کے عکس سے نگاہ نہ ہٹا سکی' وہ کف لنکس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔

''سوری میں آپ کے لئے گفٹ لانا بھول گیا''۔ اس کے ہاتھ برش کرتے ساکت رہ گئے۔

''آپ ڈرائیور کے ساتھ جاکر کچھ لے لیجئے گا''۔ اس کے دل سے بے خبر وہ اپنی کئے جارہا تھا اشنا برش رکھ کر اپنی جگہ لیٹ گئی۔

''مجھے آپ کے گفٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے سمجھے آپ''۔ وہ کروٹ بدل گئی' ورنہ دل تو چاہ رہا تھا اس کی ہستی کو تہس نہس کردے۔

☆☆☆☆

''آئیجان! میں دیکھ رہی ہوں تم اشنا سے لاپروا ہوتے جارہے ہو' بھول گئے ہو کہ اس گھر میں تمہاری بیوی بھی رہتی ہے''۔ چھٹی کے دن وہ فارغ تھا اس لئے دی جان کو اس کے کان کھینچنے کا موقع مل گیا۔

''اس نے آپ سے شکایت کی......؟'' وہ سیدھا ہوا۔

''او چھاپن نہیں ہے اس میں''۔

''پھر......؟'' وہ جاننا چاہتا تھا' اپنے تئیں تو اس نے اشنا کو کوئی تکلیف نہیں دی تھی وہ اپنی مرضی سے زندگی گزار رہی تھی اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی۔

''میری آنکھوں میں ابھی لینز سلامت ہیں تم تو اشنا کا نام سنتے ہی بدک گئے تھے' بچی نے کیسے سارے گھر کو سمیٹ لیا' بچے ہر وقت اس کے گن گاتے ہیں''۔ دی جان اشنا کی تعریف میں زمین آسمان ایک کررہی تھیں۔

''یقیناً میرے خلاف بھڑکاتی ہوگی''۔ اس نے چڑایا۔

''فضول باتیں مت کرو آئیجان! ہمارے علم میں لائے بغیر وہ اس گھر کے لئے ہر کام اشناء کررہی ہے نشاء اب بڑی ہورہی ہے اور کچھ دنوں پہلے اسے ایک لڑکے کا خط ملا جسے محبت نامہ کہتے ہیں''۔ دی جان نے گذشتہ قصہ سنایا۔

''وہاٹ''۔ وہ جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

''اتنی چھوٹی تو ہے کہاں ہے وہ خط کس نے کی تھی وہ حرکت......؟'' وہ چراغ پا ہوگیا۔

''زیادہ گرمی مت کھاؤ' میں اور اشنا اسکول گئے تھی بچے کے پیرنٹس کو بھی بلوایا اس نے' اشنا نے بہت باتیں سنائیں لڑکے کے والدین کو پرنسپل کو بھی وارننگ دی' نشاء اس سچویشن سے خوفزدہ ہوگئی تھی وہ تو اسکول جانے کو تیار ہی نہ تھی اشنا نے اس کی برین واشنگ کی تو وہ نارمل ہوئی عمر کا یہی مقام ہوتا ہے جہاں خصوصاً بچیوں کو ماں کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اشنا اس کردار کو بخوبی نبھا رہی ہے' میں تمہیں بتا نہیں سکتی' آئیجان مجھے اس وقت کتنی خوشی ہورہی تھی جب اشنا اس لڑکے کے والدین سے بات کررہی تھی اس کا انداز ایسا تھا جیسے نشاء واقعی اس کی بیٹی ہو''۔ دی جان کے لہجے میں اشنا کے لئے مان و فخر تھا تب ہی اشنا چلی آئی۔

''دی جان! ڈرائیور کو بازار بھیج رہی ہوں' آپ نے سامان کی لسٹ دینی تھی نا وہ دے دیں''۔

''ہاں میں لاتی ہوں''۔ دی جان اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں' آئیجان عیس بڑی دیر تک اسے تکتا رہا' اس نے بلیو کلر کا سوٹ پہن رکھا تھا اور بڑی تر و تازہ لگ رہی تھی۔

''میں آپ کو ہی ڈھونڈ رہی تھی''۔ وہ سامنے والے صوفے پر براجمان ہوگئی۔ آج وہ گھر پہ تھا فرصت سے تھا

تو اسے بات کرنے کا موقع ملا تھا جس کی تلاش میں وہ کئی دنوں سے تھی۔

''خیریت''۔ وہ چونک گیا پہلے اس نے اچھی طرح معائنہ کیا کہ آس پاس کوئی ہے یا نہیں پھر گویا ہوئی۔

''مجھے لگ رہا ہے اسجد کا رجحان بھائی ٹائپ فلموں کی طرف ہوگیا ہے چند دنوں سے اس کے لہجے میں بڑی تبدیلی محسوس کررہی ہوں' خالصتاً پوری بن رہا ہے' کچھ نئے ایڈمیشن ہوئے ہیں اس کی کلاس میں...... نئے دوست بنے ہیں اپنے طور پر میں نے پرنسپل سے کمپلین کردی ہے' انہوں نے ہامی بھری ہے کہ وہ بچوں کو چیک کریں گی لیکن میں چاہتی ہوں آپ کسی دن وقت نکال کر اسجد کے فرینڈز کو گھر پر انوائٹ کریں تاکہ ان سے مل کر اندازہ ہو کہ ہمارے بچے کے دوست کیسے ہیں' آپ اس کے فرینڈز پر نظر رکھیں ان فیکٹ یہی عمر ہوتی ہے جس پر بچوں کی شخصیت پروان چڑھتی ہے' پلیز دھیان دیجئے گا''۔ اپنی بات مکمل کرکے وہ چلی گئی آئیجان عیس کافی دیر تک اس کے بلیو آنچل کو دیکھتا رہا' وہ اسے حیران کررہی تھی بظاہر میچورڈ دکھنے والی اشنا عیر کتنی سمجھدار اور بردباری سے اس کے تمام مسائل پر دھیان رکھے ہوئے تھی اور وہ اسے بدلے میں کیا دے رہا تھا' کچھ بھی نہیں' تعریف کا ایک جملہ تک نہیں۔

☆☆☆☆

وہ اشیاء خورد و نوش لے کر لوٹی تو گھر میں غیر معمولی پن محسوس ہوا' ملازم سے استفسار پر خبر ہوئی دھوپ میں پتنگ بازی کرنے پر آئیجان عیس نے سرزنش کیا اسجد نے بدتمیزی کی تو آئیجان نے اسجد کو تھپڑ دے مارا۔ دی جان اپنے کسی عزیز کے گھر گئی ہوئی تھیں یہ سب جان کر اسے افسوس ہوا۔ اسجد اپنے بیڈ پر لیٹا رونے میں مصروف تھا' اس کے بیڈ پر بیٹھ کر وہ بال سہلانے لگی اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا' دائیں گال پر پانچ انگلیوں کے نشان واضح تھے' اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''منع کرکے گئی تھی نا دھوپ میں پتنگ نہیں اڑانا''۔

''اب میں روز پتنگ اڑاؤں گا کتنا ماریں گے چاچو' جان سے ماردیں تو اچھا ہے''۔ روتے ہوئے وہ چیخ کر بولا۔

''ایسا نہیں کہتے بیٹا''۔ اس کا دل تڑپ اٹھا۔

''تمہیں چاچو سے بدتمیزی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کیوں وہ مجھے بچے کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں یہ کرو وہ نہ کرو مجھے اچھا نہیں لگتا یہ سب آج میرے ماما بابا ہوتے تو وہ مجھے کبھی نہیں مارتے' پتا نہیں کیوں چلے گئے دونوں''۔ اسجد کی زود رنجی عروج کو چھو رہی تھی اسے سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔

''اچھا اب چپ ہو جاؤ' آئندہ چاچو سے بدتمیزی مت کرنا' وہ بڑے ہیں اور آپ سے بہت محبت بھی کرتے ہیں''۔ بڑی مشکلوں سے اسے بہلایا کمرے میں آئی تو وہ بیڈ پر دراز تھا اس کی موجودگی محسوس کرکے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

''خیریت آپ اس وقت......؟'' وہ بیڈ پر بیٹھ گئی' اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے چلا آیا آکر خبر ہوئی گھر ملازموں پر چھوڑ کر آپ شاپنگ کو نکلی ہوئی ہیں کیا سارے ملازم مر گئے ہیں جو آپ مرچ مسالہ لینے چلی گئیں بچوں کو اکیلا چھوڑ کر''۔ وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

''بحالت مجبوری جانا پڑا' ملازم معیاری چیزیں نہیں لاتا اور پیسے بھی دبا لیتا ہے' گھر چلاتے وقت تمام باتوں کا دھیان رکھنا پڑتا ہے ورنہ آپ مردوں کا کیا ہے سارا الزام عورت پر لگا کر کنارے ہوجاتے ہیں''۔ اسجد کے

باعث پہلے ہی دل خراب تھا اس کے لہجے نے اور چراغ پا کر دیا۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں"۔ وہ اٹھ گیا کڑے تیوروں کے ساتھ۔

"وہی جو آپ سمجھنا نہیں چاہ رہے"۔ وہ اپنے نیلز دیکھنے لگی۔

"اسجد نے آج مجھ سے مس بی ہیو کیا کچھ خبر ہے آپ کو"۔ اس نے جیسے لفظ چبائے۔

"ملازم نے بتایا مجھے"۔ اس کے لہجے میں اقرار گناہ تھا۔

"آج سے پہلے یہ بچے ایسے نہیں تھے......؟" الزام دیتا لہجہ تھا۔

"آپ کے خیال میں میں انہیں بدتمیزی کرنا سکھا رہی ہوں"۔ وہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھنے لگی۔

"شاید"۔ اشنا کو غصہ بہت آیا مگر ضبط کر گئی۔

"میں ایمانداری سے آپ کو آپ کے بارے میں ایک بات کہوں آپ اپی سی کرنے والے روایتی مرد کسی حد تک سیلفش ہیں جسے دوسروں کے احساسات کی رتی برابر پرواہ نہیں ہے"۔ وہ دھڑلے سے اس کی برائی اس کے منہ پر کر رہی تھی وہ اس کی جرأت پر دنگ رہ گیا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں بچوں پر وحشیانہ پن ظاہر کر کے آپ انہیں سدھار رہے ہیں......نہیں...... مانا یہ بچے آپ کی زندگی ہیں مگر کبھی آپ نے ان بچوں کے دلوں میں جھانکنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟ کبھی آپ نے یہ جاننے کی خواہش کی ہے کہ یہ بچے اندر سے کتنے ناآسودہ ہیں والدین کی کمی نے انہیں انتازر درنج بنا دیا ہے کہ بعض اوقات وہ ابنارمل بچوں جیسا بی ہیو کرتے ہیں کبھی آپ نے اپنی حرکت پر غور کیا کہ آپ کی روک ٹوک بچوں کو اچھی نہیں لگتی کبھی آپ نے غور کیا کہ اسجد جو کر رہا ہے وہ اس کی عمر کی تقاضا ہے یاد کیجئے وہ دور جب آپ اسجد کی عمر میں تھے اور جب آپ کے والدین آپ کو کسی حرکت سے روکتے ٹوکتے تھے تو آپ کو کیسا فیل ہوتا تھا؟ یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ بچہ ایکدم سے خود کو بڑا تصور کرنے لگتا ہے اسے یہ اچھا نہیں لگتا کہ سب اس سے چھوٹے بچوں جیسا بی ہیو کریں اور جب ایسا ہوتا ہے تو بچے بدتمیزی کر کے اپنے غصے اور بے چینی کا اظہار کرتے ہیں کبھی آپ نے غور کیا کہ آپ کی انہی حرکتوں کے باعث بچے آپ سے دور ہوتے جا رہے ہیں آپ سے خائف رہنے لگے ہیں بچوں کو پالنا خوبی نہیں ہے بلکہ ان پھولوں کو اچھے طریقے سے پروان چڑھانا خوبی ہے مسٹر آئیجان! بچوں کو سنبھالنے کے لئے کبھی کبھی خود بچہ بننا پڑتا ہے اگر آپ کا رویہ یہی رہا تو وہ وقت دور نہیں جب بچے آپ سے بہت دور چلے جائیں گے"۔ وہ بغیر سانس لئے بولے چلی جا رہی تھی اتنے دنوں کی بھڑاس نکل رہی تھی آئیجان عیص خاموشی سے اسے سننے پر مجبور تھا کہ وہ کچھ بھی غلط نہیں کہہ رہی تھی بلکہ اس کی غلطی گنوا رہی تھی۔

"اسجد کہہ رہا تھا کہ اگر اس کے ماما پپا ہوتے تو اسے کھیلنے سے منع نہیں کرتے تھپڑ نہیں مارتے اپنے ماں باپ غلطی نہ ہونے پر بھی ماریں تو بھی بچے کو فیل نہیں ہوتا لیکن آپ اور میں یہ حرکت کرتے ہیں تو ان بچوں کی نفسیات پر فرق پڑے گا"۔

"مسٹر آئیجان عیص! اب بھی وقت آپ کے ہاتھ میں ہے"۔ وہ جتاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آپ کے لئے میڈیسن اور کچھ کھانے کو بھیجتی ہوں"۔ ناول اٹھا کے اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ جا چکی تھی آئیجان عیص بت بنا رہ گیا جو بات اسے سالوں سمجھ نہیں آئی وہ مہینوں میں جان گئی تھی۔

☆☆☆☆

اگلا دن چھٹی کا تھا صبح کے گیارہ بج رہے تھے دریچے سے پردہ ہٹا کر وہ دریچے میں کھڑا ہو گیا موسم بہت

خوشگوار تھا بادل گھر گھر کر آ رہے تھے اس نے نظریں آسمان پر جما دیں شور کی آواز پر اس نے لان پر نظر ڈالی جہاں بچے اشنا اور گھریلو ملازم کرکٹ کھیل رہے تھے وہ دلچسپی سے نظریں نیچے کئے کھڑا تھا اشنا اسجد کی گیند پر آؤٹ ہو چکی تھی مگر اس کا کہنا تھا نو بال تھا اسی باعث اچھا خاصا غدر مچ گیا تھا لیکن جب امپائر (دی جان) نے آؤٹ ڈیکلیئر کر دیا تو اشنا نے تسلیم کر لیا۔

گرین گھاس کے درمیان ریڈ شرٹ بلیک جینز اور ریڈ اینڈ بلیک اسکارف کو سلیقے سے گلے کے پیچھے باندھ کر سامنے ڈالے سر پر کیپ لگائے اشنا دلکش لگ رہی تھی کہنی دریچے سے ٹکائے شہادت کی انگلی سے وہ اپنے لب سہلا رہا تھا نگاہیں بڑی دلچسپی سے اس کے وجود کے گرد طواف کر رہی تھیں۔

"عجیب لڑکی ہے یہ بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتی ہے اور سنجیدگی پہ آئے تو سارے ریکارڈ توڑنے لگتی ہے"۔ اس کی کل کی باتیں یاد آئیں تو وہ دریچے سے ہٹ گیا چینج کر کے لان میں چلا آیا اس وقت وہ بلیک ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس تھا اسے دیکھتے ہی ملازم کھسکنے لگے دی جان بھی پانی پینے لگیں باقی تینوں اپنی اپنی جگہ پر پوزیشن سنبھال رہے تھے اسجد بیٹنگ کی تیاری کر رہا تھا۔

"تم نے میرے ساتھ جو چیٹنگ کی ہے نا دیکھنا اس کا بدلہ میں کیسے تمہیں بولڈ کر کے لیتی ہوں"۔ اشنا عبیر بال ہاتھ میں لئے الٹے پاؤں چلتی اسجد کو دھمکی دے رہی تھی۔

"دیکھتی ہوں میں تم کیسے رنز اسکور کرتے ہو اوئی ماں"۔ اس کا وجود پیچھے سے آتے آئیجان عیص سے ٹکرایا تھا قریب تھا کہ وہ اوندھے منہ گرتی آئیجان نے اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے گرنے سے بچایا کسی ملازم کی حرکت جان کر وہ غصے سے پلٹی تھی جھٹکے سے بینڈ میں جکڑے بالوں کا آبشار دائیں شانے پر آ پڑا تھا بلیک کیپ سر پر جما ہوا تھا گلابی مکھڑے پر شہد رنگ لٹیں قیامت ڈھا رہی تھیں آئیجان عیص اس کو یک ٹک دیکھے جا رہا تھا دونوں کے چہرے چند فٹ کی دوری پر تھے پلکوں کی جھالر گرا کر اس نے گلے میں گھسا اسکارف آگے کھینچا اور اس کے بازو کے حصار سے رہا ہوئی اسے بھی ہوش آیا تھا فقط چند سیکنڈز کا کھیل تھا جس کے بعد دونوں کئی منٹ تک بدحواس رہے۔

"میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھیلوں گا کھلاؤ گے مجھے......؟" بچے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو کھیلنا آتا ہے چاچو......؟" نشاء معصومیت سے استفسار کر رہی تھی۔

"تم لوگوں نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے میں ہر بال پر چھکا مارتا تھا ناٹ سنگل"۔ اس نے احد کو گود میں اٹھا کر پیار کیا پھر نیچے اتار دیا۔

"چاچو! لمبی ڈینگیں نہ ماریں"۔ اسجد کو کل کا غصہ تھا اشنا لب دبا کر مسکراہٹ ضبط کرنے لگی۔

"تم بڑے ماہر کرکٹر لگ رہے ہو مجھے سکھاؤ گے"۔ وہ اسجد سے ہمکلام تھا اشنا عبیر نے خوشگوار سانس لی ملازم اورنج جوس لے آیا تھا وہ سب کو سرو کرنے لگی اور پھر آئیجان نے تا دیر بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلی اور آخر میں اعلان کیا کہ شام کو وہ سب ڈزنی لینڈ جائیں گے تینوں مارے خوشی کے اس پر چڑھ دوڑے۔

"ماما پپا کہیں بدل تو نہیں گئے......؟" احد شرارت سے پوچھ رہا تھا احد کے پیچھے کھڑے آئیجان عیص کو دیکھ کر وہ مسکرا دی اس نے بھی ساتھ دیا تھا۔

☆☆☆☆

"چلو آج پھر گناہ گار ہوجائیں
پھر اس کے لئے بے قرار ہوجائیں
ہزار بلاوے پہ وہ جو نہیں آیا
کیوں نا آج یونہی بیمار ہوجائیں"

وارڈ روب کی سیٹنگ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ آئیجان عیص کی تصویریں لگ گئیں البمز کو بڑی محنت اور جانفشانی سے ترتیب دیا گیا تھا پھر دونوں بھائیوں کی' آئیجان کے اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک کی تصویریں تھیں جن میں کہیں وہ شیلڈ وصول کررہا تھا کہیں میڈل ہر تصویر کے ساتھ تفصیل درج تھی' اس کے دوستوں کی بھی تصویریں تھیں جن میں ایک لڑکی ہر جگہ نمایاں تھی لڑکی کی خوبصورتی سے خائف ہوکر اس نے البم سے اس کی تصویر نکال لی تب ہی آئیجان کی ہینڈ رائٹنگ میں اسے یہ شعر تصویر کی پشت پر نظر آیا' شاعری کے الفاظ انداز اور لفظوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

"تو یہ ہے وہ وجہ جو میرے اور تمہارے بیچ حائل ہے' کیوں چھوڑ گئی یہ تمہیں؟ یہ چھوڑ کر چلی تو گئی مگر شاید اب بھی تمہارے دل میں ہے' تب ہی تو تمہیں شرعی بیوی کا دھیان نہیں آتا"۔ قدموں کی چاپ پر اس نے البمز کو واپس جگہ پر رکھ دیا جبکہ اس لڑکی کی تصویر اپنے قبضے میں کرلی نجانے کیوں آنسو بہنے لگے تھے۔

☆☆☆☆

"مشکل کہاں تھے محبت کے مرحلے
اے دل! سوال مگر دوستی کا تھا
وہ جس کی دوستی بھی متاع خلوص تھا
محسن وہ شخص بھی میرا دشمن کبھی کا تھا"

سحاب کی تصویر دیکھنے کے بعد وہ چپ سی ہوگئی تھی اس تبدیلی پر سب نے حیرانی کا مظاہرہ کیا تھا' دی جان نے استفسار بھی کیا مگر وہ ٹال گئی اور جسے پوچھنا چاہئے تھا وہ ہنوز لاپرواتھا' اس کا دل دکھ سے بھر گیا' جو اسے اپنے سنگ باندھ کر لایا تھا جب وہی اس سے انجان تھا تو وہ کیسے سکون سے رہتی' اور پھر یہ جاننے کے بعد کہ کوئی صورت اس کے دل میں بسی ہے اس کی راتیں انگاروں پر بسر ہونے لگیں' تب ہی وہ اندر کی جلن باہر نکالنے لگی جان بوجھ کر اس کا کام خراب کرنے لگی اس کی نئی امریکن جینز جان بوجھ کے جلادی' جب اس نے شور کیا تو وہ بھی چیخ چیخ کر لڑنے لگی۔

"جس گھر میں آپ بہت استحقاق سے رہ رہی ہیں یہ میرا گھر ہے یہ بچے میرے ہیں یہاں آپ کو ویسے ہی رہنا ہے جیسے میں کہوں گا ورنہ آپ جاسکتی ہیں"۔ اشنا عبیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی' کیا ہے مرد ذات؟ عورت جس گھر کو بناتی' سنوارتی ہے جس گھر کے لئے اپنا آرام چین سکون چھوڑ دیتی ہے اسی گھر سے نکل جانے کو مرد کتنے آرام سے کہہ گزرتا ہے مردوں کی قوم واقعی بڑی خودغرض ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

"مجھے اکثر ستاروں سے یہی آواز آتی ہے
کسی کے ہجر میں نیندیں گنوا کے کچھ نہیں ملتا
جگر ہوجائے گا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی

وصی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملتا"

اشنا کے بھائی کی انگیجمنٹ طے ہوگئی تھی اسے اچھا بہانہ ملا تھا وہ چند دنوں کے لئے گھر چلی گئی تھی وہ آ تو گئی تھی مگر اس کا دل وہیں کہیں رہ گیا تھا' بچے اسے ہر روز فون کرکے آنے پر اصرار کرتے تھے مگر اس کے دل میں موہوم سی خواہش تھی کہ وہ خود اسے بلائے اس کی کمی اسے بھی تو محسوس ہو۔

"نہ بلائے میں بھی نہیں جاؤں گی' پتا لگے اس کھٹور انسان کو"۔ اسجد کی کال آئی تھی دی جان کی طبیعت خراب تھی اور اسے آتے ہی بن پڑی بخار میں دھت دی جان برسوں کی مریضہ لگ رہی تھیں۔

"میکے جاکے بیٹھ جانے کی کیا تک تھی؟ دی جان بوڑھی ہوگئی ہیں بچوں کی عادتیں تو تم نے بگاڑ رکھی ہیں"۔

"چلو تم نے کچھ تو مانا"۔

"زہر لگتی ہیں مجھے وہ لڑکیاں جو اپنا گھر چھوڑ کر میکے جابیٹھتی ہیں"۔ اس کی صورت دیکھتے ہی وہ برس پڑا۔

"اپنا گھر"۔ اس نے تمسخرانہ لہجے میں جتایا تو وہ نظریں چرا گیا۔

"تمہارا نام نہاد خول میں نے نہیں اتارا تو میرا نام بھی اشنا نہیں"۔ وہ سگے بیٹے کی طرح دی جان کی دیکھ بھال کررہا تھا۔

"آپ ہٹیں میں پٹیاں رکھتی ہوں"۔ اس کے تھکے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہوکر کہا۔

"بچے سوگئے؟" بیڈ سے اٹھ کر کرسی پر فردکش ہوگیا۔

"دی جان کے باعث خاصے اپ سیٹ ہوگئے ہیں بڑی مشکلوں سے سلا کے آئی ہوں' آپ کافی پی لیں تھکے ہوئے لگ رہے ہیں"۔ اس نے مگ تھمایا آئیجان عیص اسے دیکھتا رہ گیا' اس کے آنے کے بعد بچے جس طرح سنبھلے تھے اور دی جان بخار میں بھی جس طرح آسودہ نظر آرہی تھیں یہ سب دیکھ کر اسے اپنے اعصاب پرسکون محسوس ہورہے تھے ورنہ تو اسے رہ رہ کر اس کی غیر موجودگی پہ طیش آرہا تھا۔

"میں دی جان کے پاس ہی سوجاؤں گی"۔ پٹیاں بدلتے اس نے کہا تو وہ اور پرسکون ہوگیا۔ صبح اس کی آنکھ معمول سے پہلے ہی کھل گئی تھی وہ دی جان کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا مگر دروازے میں ہی ٹھٹھک گیا وہ دی جان کے بیڈ کے دوسرے کونے میں سورہی تھی ناول سینے سے لگا ہوا تھا' دایاں ہاتھ ناول کے اوپر تھا جبکہ بایاں ہاتھ ارض کے نیچے تھا' وہائٹ سوٹ میں اس کا حسن پھوٹ پڑ رہا تھا' وہائٹ دوپٹے کا ایک سرا شانے پر اٹکا ہوا تھا باقی کارپٹ پر پڑا ہوا تھا' اس کے خوابیدہ حسن سے وہ بمشکل نگاہ چرا کے نیچے لان میں چلا آیا۔ صبح صادق کی ٹھنڈی ہوا اعصاب کو بے حد بھلی لگ رہی تھی وہ گھاس پر واک کررہا تھا اس کی سوچوں کا مرکز وہی تھی۔

اشنا عبیر جسے اس نے بحالت مجبوری زندگی میں شامل کیا تھا مگر اس نے قدم قدم پر احساس دلایا تھا کہ وہ اس گھر کے لئے کتنی لازم ہوتی جارہی تھی اسے اقرار تھا وہ جھلی سی لڑکی اس کے دل میں گھر کرگئی تھی مگر وہ اسے بتا نہیں پارہا تھا اسے ڈر تھا کہ اگر وہ اسے اپنی محبت کے حصار میں لے گا تو وہ اس کی محبت میں کہیں بچوں کو فراموش نہ کردے اور یہ وہ کبھی نہیں چاہتا تھا' اس نے کبھی فاصلہ پاٹنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ ہر کسی سے گھنٹوں باتیں کرتی تھی مگر کمرے میں آتے ہی اس کی زبان کہیں کھوجاتی تھی وہ لاتعلقی جتاتا تھا تو وہ اجنبی بن بیٹھی تھی۔

"چائے"۔ اشنا کی آواز قریب سے سنائی دی اس کے قدم بے ساختہ رک گئے گردن موڑ کر اسے دیکھا چائے کے دو مگ لئے حاضر تھی۔

”اپنے لئے بنارہی تھی تو آپ پر بھی نظر پڑگئی“۔ آئیجان نے مگ تھام لیا وہ اپنا مگ لے کر جانے لگی۔
”اشنا!“ وہ بے ساختہ پکار بیٹھا اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔
”جی“۔
”یہاں میرے ساتھ چائے پینے میں کوئی مسئلہ ہے؟“ وہ جانے کس جذبے کے تحت کہہ بیٹھا' اشنا نے بے حد چونک کراسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا نفی میں سر ہلا کر وہ لان چیئر پر بیٹھ گئی وہ بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا۔
”آپ جلدی جاگ گئے“۔ آئیجان نے مگ میز پر رکھا۔
”ٹھیک سے نیند نہیں آئی“۔ وہ اس کے دھلے دھلے مکھڑے کو دیکھ رہا تھا' صبح کی نرم ہوا کے ساتھ اس کی موجودگی خوبصورت لگ رہی تھی۔
”اتنی بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی جب میں نے کہا تھا کہ میں دی جان کے پاس ہوں تو......“ نظریں گلہ آمیز تھیں۔
”یہ بات نہیں تھی“۔ نجانے کیوں وہ وضاحت پیش کرنے لگا۔
”پھر......؟“
”کیسی طبیعت ہے اب دی جان کی......؟ ٹمپریچر کم ہوا......؟“ وہ بات بدل گیا وہ یہ اظہار نہ کرسکا کہ بیڈ کا ایک کونا خالی ہو تو اسے نیند نہیں آتی تھی ساری رات اس کونے کو تکتے گزر گئی' اس تکیے کو بھینچے رکھا خود سے جس میں اس کی خوشبو اس کا لمس تھا۔
”پٹیاں بدلنے سے کافی فرق پڑا ہے' تھینکس ٹو اللہ اب بہت بہتر ہے' میں نماز پڑھ لوں پھر بچوں کو اسکول کے لئے تیار کرنا ہے آپ آفس جائیں گے ناں......؟“ وہ خالصتاً بیویوں والے انداز میں گویا تھی وہ سر ہلانے لگا۔
”اشنا میں معذرت چاہتا ہوں اس دن“۔ وہ بات مکمل نہ کرسکا۔ اشنا جو خود چاہتی تھی وہ معافی مانگے اور اب جب وہ مانگ رہا تھا تو جانے کیوں اسے خود اچھا نہیں لگ رہا تھا اسے شرمسار دیکھنا۔
”کوئی بات نہیں سچ ہی کہا ہے آپ نے' یہ گھر آپ کی بیوی کا ہے...... میں تو......“ اشنا کے حلق میں کوئی چیز پھنس گئی تھی اس نے مگ لبوں سے لگا لیا اور گرم چائے حلق سے انڈیلنے لگی۔
”تمہیں شک ہے کہ تم میری بیوی نہیں ہو“۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھائے وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا وہ ادرگرد نظر دوڑا رہی تھی جیسے اس صورتحال سے فرار چاہ رہی ہو لان میں اترتے کبوتر اس کی توجہ کا مرکز تھے۔
”یقین ہے“۔ وہ مسکرائی تھی ایک پل کو اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے گرم چائے کا گھونٹ اندر اتارا' آئیجان عیس سے اس کی آنکھوں کی اداسی چھپی نہ رہ سکی' اپنا خالی مگ لے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا' اس سے جان چھڑانے کو اس نے گرم چائے منٹوں میں ختم کردی تھی جس کا ایک گھونٹ بھی آئیجان نے ابھی نہیں پیا تھا وہ اس جھلی لڑکی کا مجرم خود کو سمجھنے لگا اس کی اداسی اسے بھی بے کل کر گئی تھی۔

☆☆☆☆

”احد! میں آپ سے کچھ باتیں پوچھوں گا آپ سچ سچ جواب دو گے“۔ بطور رشوت چاکلیٹ کا ریپر اتار کے اس کی طرف بڑھایا' جسے احد نے جلدی سے تھام لیا۔
”دوں گا“۔ مزے سے چاکلیٹ کھاتے احد نے شدومد سے سر ہلایا۔
”قسم کھاؤ“۔

”ماما نے قسم کھانے سے منع کیا ہے' سوری' قسم تو جھوٹے لوگ کھاتے ہیں نا“۔ وہ جو کچھ جاننے کچھ سراغ لگانے بیٹھا تھا پہلے ہی مقام پر ٹپٹا گیا۔
”اچھا یہ بتاؤ ماما آپ کو کیسی لگتی ہیں......؟“ وہ مدعا کی طرف آہستہ آہستہ آرہا تھا۔
”ویری گڈ لکنگ!“ انگلی سے چاکلیٹ چاٹتے اور معصومیت سے گویا تھا۔
”میں گڈ لکنگ لگنے کی بات نہیں کررہا“۔ اس کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا۔
”پھر......“ احد کا انداز دید قابل تھا' تفتیش کے لئے اس نے احد کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ اسجد اور نشاء کی بہ نسبت وہ معصوم تھا مگر وہ اسے اپنے بال نوچنے پر مجبور کررہا تھا۔
”جب سے ماما آئی ہیں انہوں نے کبھی آپ لوگوں کو مارا پیٹا' کبھی ڈانٹا؟“ اگلا سوال ہوا' آس تھی کہ جواب ہاں میں ہوگا۔
”کبھی نہیں' ماما بولتی ہیں ایک دوسرے کو مارنے پیٹنے والے لوگ جاہل ہوتے ہیں وہ جانور بن جاتے ہیں' جب وہ کسی کو مارتے ہیں تو اس کے سر پر یہ سینگ نکل آتے ہیں لمبے لمبے دانت ہو جاتے ہیں' اسجد بھائی نے جب نشاء کی پٹائی کی تھی نا تب ماما نے سمجھایا تھا' پھر نشاء نے پوچھا تھا کیا چاچو کے سر پر بھی سینگ نکل آئیں گے اور ان کے دانت لمبے ہو جائیں گے' آپ نے اسجد بھائی کو مارا جو تھا“۔ وہ خود کو ان دو چیزوں سے آراستہ عالم تصور میں بھی دیکھ کے جھرجھری لے کر رہ گیا۔
”ماما بہت دیر تک ہنسی تھیں“۔ وہ پہلو بدل کے رہ گیا اور پھر چاکلیٹ کھانے میں مصروف ہوگیا۔
”تم لوگوں پر غصہ نہیں کرتیں......؟“ اس کے ہاتھ اشنا کے خلاف ایک بھی ثبوت نہیں لگ رہا تھا۔
”نہیں بلکہ ایک دن بھائی سے ماما کا جیولری باکس ٹوٹ گیا بھائی ڈر گیا مگر ماما نے کہا ہر چیز کے ٹوٹنے کی ایک عمر ہوتی ہے“۔ بھائی کو افسوس ہوا تھا مگر ماما نے کہا مجھے اپنے بچوں سے زیادہ کچھ عزیز نہیں“۔
”ہوں“۔ وہ ل سکوڑ کے رہ گیا۔
”ماما اک دن شاپنگ کو گئی تھیں ہمارے سوٹ کے ساتھ ماما نے اپنے لئے بھی ایک سوٹ پسند کیا تھا' نشاء سوٹ دیکھتے ہی لٹو ہوگئی' آپ کو پتا ہے نا وہ کتنی چھچھوری ہے' ماما نے اسی وقت بیٹھ کے نشاء کی فرمائش پر کرتا پاجامہ سی کر اسے پہنا دیا' دی جان نشاء کو ڈانٹنے لگیں تو انہیں سمجھایا“۔ وہ اس کی خامیاں سننے بیٹھا تھا جبکہ احد فراٹے سے اس کی خوبیاں بیان کئے جارہا تھا۔
”اچھا ذرا زور ڈالو ذہن پر اور سوچو کبھی وہ تمہیں بری لگیں......؟“ اس نے آخری آس سے پوچھا۔
”نہیں تو......“ احد نے افسوس سے سر ہلایا۔
”احد بیٹا! آپ کا انٹرویو ختم ہوچکا ہو تو آپ اسٹڈی روم میں جاؤ آپ کے ٹیوٹر آچکے ہیں“۔ اشنا دروازے میں ایستادہ تھی' آئیجان ایکدم سے ٹپٹا گیا پکڑے جانے کا احساس جو نہیں تھا۔
”ماما! چاکلیٹ کھائیں گی......؟“ بیڈ سے اتر کر احد اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔
”آپ کھاؤ رشوت آپ کو دی گئی ہے“۔ اشنا نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے آئیجان عیس پر چوٹ کی۔
”یہ تو مجھے پپا نے دی ہے چاکلیٹ...... پپا یہ چاکلیٹ ہے یا رشوت......؟“ احد معصومیت سے پوچھ رہا تھا آئیجان عیس برا پھنسا تھا۔
”ماما کل تک تو اسے چاکلیٹ بولتے تھے کیا اس کا نام چینج ہوگیا ہے“۔ وہ ازلی معصومیت و حیرانی سے

استفسار کر رہا تھا۔

''پھر کبھی فرصت سے رشوت کے متعلق بتاؤں گی' ابھی آپ پڑھنے جاؤ''۔ انگلیوں سے احد کے بال سنوار کر اسے روانہ کیا۔

''آئندہ آپ کو کسی بھی سوال کا جواب چاہئے ہو مجھ سے براہ راست بات کیجئے گا' بچوں کا ذہن خراب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ ترش لہجے میں کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆☆

''ماما! کوئی حرا ہیں پپا کا پوچھ رہی ہیں''۔ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے جب احد نے فون ریسیو کیا۔

''کہہ دو پپا گھر میں نہیں ہیں''۔ وہ یونہی بیٹھے بیٹھے بولی احد نے میسج پہنچا کر فون رکھ دیا۔

بچے کیرم کھیل رہے تھے' دی جان اشنا کو بغور دیکھ رہی تھیں جو اپنی ہتھیلی پر نظریں جمائے خاصی افسردہ نظر آرہی تھی' ابھی شادی کو سال بھی نہیں ہوا تھا مگر وہ تھکی تھکی نظر آنے لگی تھی' عورت ایک پودا ہے جسے اگر مرد کی رفاقت توجہ اور محبت کا کھاد' پانی نہ ملے تو پودا جل جاتا ہے' اکثر اوقات سوچتی تھی جب آئیجان عیص کو بیوی کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑ رہا تھا تو اسے شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی' دل اس وقت بہت دکھتا ہے جب آپ کی اپنی ہی چیز نظروں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی آپ کی پہنچ سے بہت دور ہو' اس کی رسائی کسی طور پر ممکن نہ ہو' جب کبھی زر دور بھی عروج کو چھوتی تو وہ اس کی زندگی سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیتی' مگر بچوں کا خیال اسے اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنچانے نہیں دیتا تھا' وہ بچوں کی حقیقی ماں نہیں تھی مگر اس نے بننے کی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی' اس نے بہت سے ایسے بچے دیکھے تھے جو محبت کی کمیابی کے باعث معاشرے کے لئے ناسور بن جاتے ہیں اس کی فطرت میں خود غرضی نہیں تھی۔

''تمہیں کچھ ہوش ہے کہ نہیں......؟''

''کیا ہوا دی جان......؟'' ان کے کڑے انداز پر چونک گئی۔

''اب مطلب بھی میں سمجھاؤں حرا نامی لڑکی کا فون تواتر سے آئیجان کے لئے آ رہا ہے اور تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا' کیسی بیوی ہو تم......؟'' دی جان آج اس کی کلاس لینے کے موڈ میں تھیں۔

''کوئی کام ہو سکتا ہے''۔ اس کا لہجہ کمزور تھا' جب اس نے اس کے وجود کو بطور شریک حیات تسلیم ہی نہیں کیا تھا تو وہ کیسے اس کے معاملات میں دخل دیتی۔

''ایک عورت کو مرد سے کون سا کام ہوتا ہے جو اسے بار بار فون کرے......؟'' دی جان کا انداز ہنوز تیکھا تھا۔

''مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آ رہی دی جان!'' وہ جھنجھلا گئی۔

''بیوی ہو تم آئیجان کی پوچھو اس سے کیوں اک اجنبی عورت فون کر کے اسے پوچھتی ہے اور صرف اسی وقت جب آفس ٹائم ختم ہو جاتا ہے''۔ دی جان کی ہر بات پر نظر تھی اسے حیرانی ہوئی کہ وہ اتنی لاپرواہ کیسے ہو گئی شاید اس لئے کہ وہ ابھی تک سحاب کو سوچ رہی تھی پھر اتنی جلدی حرا صاحبہ کہاں سے اگ آئیں''۔

''یا اللہ یہ مرد ہے یا گھن چکر' لعنت ہو اشنا عبیر تمہیں محبت کرنے لائق ملا بھی تو کون......؟'' وہ سخت کبیدہ ہوئی' دی جان مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

''مرد تو ناقابل اعتبار قوم ہے جلتے توے پر ہاتھ رکھ کر بھی کہے کہ اس کی زندگی میں کوئی عورت نہیں تو بھی عورت کو آنکھیں کھلی رکھنی چاہئے' جانے کب کہاں وہ ہرجائی بن جائے''۔ اور یہ دی جان کی باتوں کا ہی اثر تھا

جب رات وہ اس سے تیکھے انداز میں استفسار کر رہی تھی۔

''یہ حرا کون ہے......؟'' آئیجان عیص نے چونک کر اسے دیکھا جو دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اسے گھور رہی تھی' اس نے توجہ پھر اپنے کام میں مرکوز کر لی' وہ آفس کی فائل بیڈ پر بکھیرے مصروف تھا۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں......؟'' اسے ہنوز فائل پر نظریں جمائے دیکھ کر اشنا نے اس کے آگے سے فائل کھینچ لی۔

''یہ کیا کر رہی ہو......؟'' وہ بھنا گیا اس کی جرأت پر دنگ رہ گیا۔

''کون ہے حرا! کیوں فون کر کے آپ کا پوچھتی ہے''۔ اس کی خاموشی اسے مزید غصہ دلا رہی تھی وہ ذرا مرعوب نہ ہوئی۔

''منع کر دوں گا گھر کے نمبر پر فون کرنے سے' فائل دو''۔ آئیجان عیص نے اب کے پرسکون لہجے میں کہا' اسے آگ لگ گئی۔

''تو گویا آپ قبول کر رہے ہیں کہ آپ اسے جانتے ہیں......؟'' وہ کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ظاہر ہے میری پرسنل سیکریٹری ہے''۔ اس نے جیسے لطف لیا۔

''گھر میں فون کیوں کر رہی ہے......؟'' اس کا پرسکون لہجہ مسکراتا چہرہ اسے آگ بگولہ کر رہا تھا جی چاہا اس کا سکون درہم برہم کر دے۔

''ظاہر ہے آفس آورز کے بعد میں گھر میں ہوتا ہوں اور اکثر سیل فون بند رکھتا ہوں تو وہ گھر میں ہی کال کرے گی نا''۔ اس نے بھی جیسے ہر سوال کا جواب دینے کی قسم کھا لی تھی' اب دوسری فائل کھول کر دیکھنے لگا۔

''کیوں کرتی ہے وہ آپ کو فون......؟'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے بیٹھے آئیجان عیص کو تہس نہس کر دے۔

''ایک عورت ایک مرد کو کیوں فون کرتی ہے......؟'' وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا' مستی بھری آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں بغور جھانکا وہ تلملا گئی۔

''آپ نے بتایا نہیں آپ میرڈ ہیں''۔ غضبناک ہو کر پوچھا۔

''ہاں میں نے بتایا ہے میرے گھر میں میری منکوحہ رہتی ہے''۔ سر جھکا کر فائل دیکھنے لگا۔

''کہہ دیجئے گا اپنی لگتی سگتی کو آئندہ فون نہ کرے ورنہ......''

''ورنہ کیا......؟'' اس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا' اشنا نے فائل کا رول بنا کر اس کے شولڈر پر دے مارا اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''اپنی لگتی کو کہہ دیجئے گا اور آپ بھی یاد رکھئے گا کہ اشنا عبیر اپنے حقوق کسی کو غضب کرنے نہیں دیتی''۔ تن فن کرتی اپنے پیچھے اس نے اتنی زور سے دروازہ بند کیا کہ آئیجان عیص نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور کب کی رکی ہنسی کو باہر آنے کا موقع دیا' سر جھکا کے وہ مسلسل اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا' وہ دیکھ لیتی تو مزید چراغ پا ہو جاتی۔

☆☆☆☆

اشنا عبیر کا سکون غارت ہو گیا تھا' آئیجان نے جس طرح کا انداز اپنا رکھا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ معاملہ کچھ اور ہے' رونے کے ساتھ اسے غصہ بھی آ رہا تھا' وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی جب فون بجنے لگا' اس کا دھیان حرا کی طرف گیا' صبح سے ہی وہ اس کی کال کی منتظر تھی۔

''سر سے بات کروادیں''۔نرم آواز سنائی دی۔
''آپ کون......؟''اس نے شک دور کرنا چاہا۔
''میں حرا ہوں''۔
''کیا کام ہے آئیجان سے''۔اشنا کا لہجہ آگ اگل رہا تھا۔
''یہ میں انہیں ہی بتاؤں گی''۔وہ چہک کر گویا ہوئی۔
''پہلے کتنی جگہوں پر پرسنل رہ چکی ہو......؟''اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔
''آپ کون......؟''حرا نے ناگواری سے پوچھا۔صاف ظاہر تھا سوال پسند نہیں آیا۔
''مسز آئیجان عیص''۔اشنا کا انداز جتانے والا تھا۔
''سر گھر پہ نہیں ہیں کیا......؟''
''کیا سر سر کی رٹ لگا رکھی ہے شرم نہیں آتی کسی کے میاں پر ڈورے ڈالتے' مر کے تم نے یہیں رہنا ہے قبر میں نہیں جانا جہاں جہنم کا دروازہ تمہارا انتظار کر رہا ہے''۔وہ دہاڑی' بس چلتا تو فون میں گھس کے اس کی چوٹی کھینچ دیتی۔
''میرا خیال ہے آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے''۔
''مجھے تو تمہاری نیت خراب لگ رہی ہے' خبردار! جو تم نے میرے میاں کو پھر فون کیا تو......''
''ورنہ کیا کرلیں گی آپ......؟''حرا اچھل کر سامنے آئی۔
''مجھ سے پنگا نہ لو میں خود پنگے باز ہوں''۔
''مجھے مت ڈرایئے اپنی فطرت بھی کچھ اسی قسم کی ہے''۔حرا کا انداز بھی چیلنج والا تھا۔
''مجھے کیوں سنا رہی ہیں ہو سکے تو اپنے میاں کو سمجھا لیجئے ویسے یہ میری سلور جوبلی ہے آپ جیسی بے چاری عورت میں نے کئی دیکھی ہیں جنہوں نے میرے ہاتھ پاؤں جوڑے کہ میں ان کے شوہر کا پیچھا چھوڑ دوں''۔حرا کا لہجے میں غرور تھا۔
''اوہ......تو یہ تمہارا پروفیشن ہے سبحان اللہ''۔اشنا نے جلتی پر تیل ڈالا۔
''وہ اور عورتیں ہوں گی جو تم جیسی زہریلی ناگن کے پاؤں پڑتی ہوں گی اب کے تمہارا سامنا اشنا عبیر سے ہوا ہے' چار چوٹ کی ایسی مار لگاؤں گی کہ گولڈن جوبلی کے خیال سے ہی روح کانپنے لگے گی''۔اس کے لہجے میں پرانا جاہ وجلال عود کر آیا جسے اس نے تھپک تھپک کر سلا دیا تھا۔
''تو ٹھیک ہے اپنے میاں کو بچا سکتی ہیں تو بچا لیجئے''۔چیلنج کر کے حرا نے فون رکھ دیا تھا کچھ سوچتے ہوئے اشنا نے بھی فون رکھ دیا۔

☆☆☆☆

''السلام علیکم!''میں مسز آئیجان عیص ہوں' حرا یہیں رہتی ہیں......؟''وہ متوسط علاقے کے درمیانے سے گھر میں کھڑی تھی' سامنے ایک ادھیڑ عمر کی عورت اسے دیکھ کر مرعوب ہو رہی تھی پیچھے کھڑی پیجیرو میں باوردی ڈرائیور اس کی امارت کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا۔
''جی ہاں......''عورت اشنا کے مہنگے ملبوسات اور ڈائمنڈ کی نوز پن میں کھوئی ہوئی تھی۔
''میں حرا کے باس کی وائف ہوں''۔اس نے تعارف کروایا۔

''ارے آیئے نا' میں حرا کی ماں ہوں''۔انہوں نے اندر آنے کا راستہ دیا' درمیانے درجے کے صوفہ پر ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے وہ آرام سے بیٹھ گئی۔
''حرا واش روم میں ہے ابھی ابھی آفس سے لوٹی ہے نا''۔
''اسی لئے تو ابھی آئی ہوں''۔
''حرا کے غالباً دو بھائی اور والد ہیں''۔وہ ساری معلومات لے کر آئی تھی۔
''جی سب گھر میں ہیں''۔عورت بچھی جا رہی تھی۔
''آپ کے لئے ٹھنڈا منگواؤں یا گرم......؟''
''تمہاری بیٹی کو گرم کر کے میں گھر جا کے آرام سے ٹھنڈا پیوں گی''۔
''آپ حرا کے والد اور بھائیوں کو بلائیں میں ان سے ملنے آئی ہوں''۔وہ بھاگم بھاگ تینوں کو بلا لائیں' اس نے ایک نظر میں ان کے شریفانہ چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ یہ لوگ حرا سے ہٹ کے ہیں' تینوں ہی اسے عزت واحترام بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اس نے ترتیب دیا ہوا خطاب فرما دیا
''مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ جیسے شریف گھرانے کی لڑکی میرے شوہر کو بھٹکا رہی ہے' اس نے کل مجھے چیلنج کیا کہ میں اپنے شوہر کو بچا سکوں تو بچا لوں میں چاہتی تو بہت آسانی سے اسے سبق سکھا سکتی تھی مگر میں نے چاہا کہ آپ سب کے علم میں لاؤں' اگر حرا کی بدستور یہی حرکت رہی تو میں انتہائی قدم اٹھاؤں گی''۔
''آپ فکر نہ کریں بیگم صاحبہ ہمیں امید نہیں تھی ہماری بہن ایسی گھٹیا حرکت کر سکتی ہے' ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں''۔حرا کے باپ بھائی کے منہ غیرت سے سرخ ہوگئے۔
''تو میں امید رکھوں کہ......''وہ ان کی حتمی رائے جاننا چاہتی تھی۔
''ہم اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے آپ آرام سے اپنے گھر جائیں''۔حرا کے ابو غیض وغضب سے دھاڑے۔
''ٹارچر نہیں کریں' بس آپ لوگ اسے سمجھائیں''۔اشنا عبیر کی بات ادھوری رہ گئی۔
''کون ہے امی......؟''حرا بولتے ہوئے اندر تشریف لا چکی تھی باپ بھائی کو ایک اجنبی لڑکی کے سامنے دیکھ کر ٹھٹک گئی' اشنا نے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ دیں۔
''اوہ یں میں تو ہے''۔اشنا اٹھ کر اس کے قریب آئی۔
''میں مسز آئیجان عیص ہوں''۔اس نے مسکراہٹ لبوں پر سجائی' حرا کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔
''میں تمہارے گھر والوں کو مطلع کرنے آئی تھی کہ تم کیسے ان کی عزتوں کا جنازہ نکال رہی ہو''۔اشنا کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔
''ابو یہ جھوٹ بول رہی ہیں''۔حرا کا لہجہ کپکپا گیا۔
''ہمیں سچ اور جھوٹ کی پرکھ ہے''۔اس کا بھائی دھاڑا تو لرزتے ہوئے حرا نے دروازہ تھام لیا' اشنا اس کے قریب آئی۔
''میں نے کہا تھا نا حرا بیگم! وہ اور عورتیں ہوں گی جو تمہارے پاؤں پڑتی ہوں گی' اشنا عبیر ایک ہی جھٹکے میں پرابلم جڑ سمیت اکھاڑ پھینکتی ہے''۔اشنا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی حرا خوفزدہ نگاہوں سے باپ بھائی کے غصیلے

چہرے دیکھ رہی تھی کتنا مہنگا پڑا تھا اسے اشنا سے پنگا لینا۔

☆☆☆☆

اشنا عبیر بیڈ پر پیر پسارے نیل پینٹ لگا رہی تھی' تب ہی وہ تنتناتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"تم حرا کے گھر گئی تھیں......؟" وہ اس کے سر پر کھڑا ہو چھ رہا تھا۔

"چلو جی آپ سے تو نجات ملی ان کے منہ سے آپ سن کے تو دل چاہتا تھا ٹینٹی جیٹی پل سے دھکا دے دوں"۔ وہ اپنے کام میں منہمک تھی' تب ہی بازو سے گھسیٹ کے اس نے اسے اپنے سامنے کھڑا کیا' وہ ڈول کر اس کے سینے سے جا لگی۔

"اجڈ کا اجڈ ہی رہے گا یہ شخص گلے لگانے کو اتنا جی چاہ رہا ہے تو ذرا پیار سے لگائے"۔

"کیوں گئی تھیں تم حرا کے گھر......؟" شولڈرز جھنجھوڑ کے پوچھا' انداز برہم تھا۔

"اس کے گھر والوں کو بتانے گئی تھی کہ ان کی لڑکی ہاتھ سے نکل رہی ہے"۔ بظاہر پرسکون لہجہ تھا مگر اندر ہی اندر کھول گئی کہ حرا نے اتنی جلدی اسے رپورٹ کر دی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا' سمجھتی کیا ہو خود کو......؟" اس کا انداز پھاڑ کھانے والا تھا ایک پل کو تو وہ ڈر گئی۔

"ہونہہ جو ڈر گیا سمجھو مر گیا"۔

"سمجھنے کی کیا ضرورت ہے میں ہوں مسز آئیجان عیص"۔ لہجے کی مضبوطی پر آئیجان عیص عش عش کر اٹھا۔

"ان حرکتوں سے تم جتانا کیا چاہتی ہو' کیا اس شہر میں حرا کی کمی ہے"۔

"کتنا گھٹیا انسان ہے یہ"۔

"میں ہر حرا کے گھر پہنچ جاؤں گی"۔ اس کا انداز بھی نڈر تھا۔

"تم کیا سوچ رہی ہو ان ہتھکنڈوں سے مجھ پر قبضہ کر لو گی......؟" اس کے شانے چھوڑ کے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ بھر لیا' اشنا کے لئے اس کا یہ انداز خاصا سٹپٹا دینے والا تھا۔

"قبضہ تو میں عرصہ پہلے کر چکی' ہزاروں لوگ شریک ہوئے تھے ہماری شادی میں"۔ انداز استحقاق لئے ہوئے تھا' آئیجان نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"میں نے حرا کے گھر جا کر معاملہ رفع دفع کر دیا ہے خبردار جو تم نے پھر کوئی حرکت کی"۔ جھٹکے سے اسے پیچھے کیا۔

"اگر وہ مجھے دوبارہ نظر آئی تو اچھا نہیں ہو گا"۔ وہ دھاڑی۔

"اچھا کیا کر لو گی تم......؟" اس کے لال بھبھوکا چہرے کو دیکھا۔

"آپ کو بتا دوں تاکہ آپ اپنی لگتی سگتی کو تیار کر لیں"۔ بکھرے بالوں کو سمیٹنے لگی۔

"کیوں تکلیف ہو رہی ہے تمہیں......؟" اس کی آنکھوں میں بغور دیکھا' اشنا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"تم اس گھر میں بچوں کے لئے آئی ہو"۔ آئیجان نے جتایا۔

"تو آیا بنا کر لانا چاہئے تھا نا' نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔ وہ تڑک کے بولی' اتنے مہینوں بعد آئیجان کا توجہ دینا وہ بھی کسی اور لڑکی کو اسے آگ لگا گیا تھا۔

"ہاں غلطی ہو گئی"۔ آئیجان نے پرسکون انداز میں سر ہلایا' اس گھڑی بلا کا غصہ آیا تھا' اشنا عبیر نے پل بھر میں سارا کمرا تلپٹ کر دیا' چادر' تکیہ' گلدان' کشنز سب قالین پوش ہو گئے تھے' دروازے سے پشت ٹکائے وہ

خاموشی سے اس کی کارگزاری دیکھ رہا تھا' وہ وارڈ روب کی طرف بڑھی تمام کپڑے باہر پھینک کر اس نے نچلا خانہ کھولا' وہ سرعت سے اس کے پیچھے پہنچ گیا' تب تک وہ ریوالور سنبھال چکی تھی' آئیجان نے پھرتی سے اس کی کلائی تھام لی۔

"چھوڑو مجھے"۔ وہ اس کے بازوؤں میں پھڑ پھڑا کے رہ گئی' تلملا کے اس کے بازو میں دانت گاڑ دیئے۔

"میرے اللہ"۔ وہ چکرا کے رہ گیا' مگر گرفت مضبوط ہی رکھی۔

"چھوڑتے کیوں نہیں' چھوڑو مجھے"۔ اس کے فولادی جسم کے آگے ساری مزاحمت دھری کی دھری رہ گئی۔

"پاگل ہو گئی ہو......؟" اس کے شدید ردعمل پر وہ شاکڈ رہ گیا۔

"ہاں میں پاگل ہو گئی ہوں"۔ وہ چلائی۔

"حرا کو قتل کر کے کیا ملے گا تمہیں......؟"

"میں آپ کو قتل کروں گی"۔ وہ غرائی۔

"ایں......مجھے......؟" وہ دنگ رہ گیا۔

"ہاں تاکہ آپ کسی کی طرف نہ دیکھ سکیں جو چیز میری ہے اس پہ دوسرا حق جتائے تو میں اس چیز کو ہی ختم کر دوں گی"۔ اس پر جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا۔

"میں مر گیا تو تم کہاں ہو گی جانتی ہو......؟" اس نے کلائی پر گرفت مضبوط کی۔

"جیل میں"۔ لہجے کی لڑکھڑاہٹ اس سے چھپی نہ رہ سکی۔

"میں مر جاؤں گا' تم جیل چلی جاؤ گی پھر بچوں کا کیا ہو گا......؟" وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی۔

"میں آپ کو قتل کرنے کے بعد سوچوں گی"۔ وہ اڑی ہوئی تھی۔

"مگر میں ابھی مرنا نہیں چاہتا"۔ وہ دلکشی سے مسکرایا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اشنا اس کی مسکراہٹ پر مرمٹتی۔

"آپ کو مرنا ہو گا"۔ اشنا کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا' دونوں ہاتھ دائیں بائیں قابو کر کے آئیجان نے اسے دیوار سے لگا دیا تھا۔

"کہو تو تمہاری آنکھوں میں ڈوب کے مر جاؤں؟" انداز بے حد شریر تھا اس کی طرف جھکا وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا' وہ ساکت رہ گئی اس کی مستی بھری آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی اس کے سامنے آئیجان کا نیا روپ تھا' آئیجان نے پھرتی سے ریوالور اپنے قبضے میں لے کر وارڈ روب کی طرف پھینک دیا' شکست کے باعث وہ تلملا اٹھی' آئیجان کی شرٹ کا کالر نوچ کھسوٹ دیا اس پر مکوں کی بارش کر دی۔

"بڑا دم خم ہے اس دھان پان سے جسم میں"۔ وہ جھک کے گستاخی کر گیا وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی' پھر جیسے اس کی بیٹری ختم ہو گئی بازو کے گھیرے میں لئے آئیجان نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا' گھٹنوں میں چہرہ چھپائے وہ فل اسپیڈ سے رونے لگی' لاکر سے بلیو مخملیں کیس نکال کر آئیجان اس کے مقابل بیٹھ گیا' آہستگی سے ہاتھ تھام کر ڈائمنڈ کے کنگن پہنانے لگا' اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا مگر گرفت مضبوط تھی۔

"تم نے خود ہی تو کہا تھا رونمائی تم اسی دن وصول کرو گی جس دن میں خود تمہیں محبت سے دوں گا"۔ سر اٹھائے وہ ہکا بکا اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"جانتا ہوں بہت گلے ہیں تمہیں' لیکن مجھے صفائی کا موقع تو دو"۔

"مجھے نہیں چاہئے بھیک......؟" اس کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

”میں نے پورے خلوص و محبت سے پہنائے ہیں توہین مت کرو میرے جذبوں کی“۔ اس نے التجا کی۔

”آپ کے اندر جذبے بھی ہیں بہت خوب“۔ اشنا نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

”اشنا پہلے ٹھنڈے دل سے میری بات سن لو پھر تم جو کہو گی میں وہی کروں گا‘ لیکن پلیز پہلے میری بات سن لو“۔ اس کے انداز پر اسے سنجیدہ ہونا پڑا۔

”مما‘ پپا‘ بھیا‘ بھابی کے اچانک چلے جانے سے میں بہت تنہا ہو گیا تھا ٹوٹ گیا تھا‘ میرے اندر جینے کی لگن نہیں تھی مگر مجھے جینا پڑا‘ ان تین بچوں کے لئے‘ اسی دن سے میں نے اپنی ذات کو فراموش کر دیا‘ میری زندگی کا مقصد یہ بچے بن گئے‘ میں بھول گیا تھا کہ میں بھی ایک انسان ہوں جس کی ترجیحات ہیں میں نے خود کو مشین بنا لیا‘ دی جان ہمیشہ شادی پر فورس کرتیں مگر میں ڈرتا تھا کہ میرے بچے کسی غلط ہاتھ میں نہ پڑ جائیں اور میں ٹالتا رہا‘ لیکن اس دن ہاسپٹل کے نیم تاریک گوشے پر نظر پڑی تو میں‘ میں نہیں رہا‘ اس دن دل نے دھڑک کر مجھے احساس دیا تھا کہ میں بھی عام مرد ہوں جسے کسی لڑکی سے محبت ہو سکتی ہے دونوں پیر سمیٹے جب تم دنیا سے بے نیاز ناول پڑھنے میں مگن تھیں تو میں تمہیں پڑھ رہا تھا اپنے اندر کے شور سے گھبرا کر میں تم سے الجھنے لگا‘ تم مجھے جہاں بھی نظر آتیں میں تم سے الجھ جاتا میں خود سے ڈرنے لگا تھا۔

جب دی جان نے شادی کے لئے تمہارا نام لیا تو خوشی بھی ہوئی مگر میں خود سے پہلے ان بچوں کا سوچتا تھا‘ میری نظر میں تم غیر سنجیدہ لاپرواہ اور غیر ذمہ دار تھیں‘ لیکن دی جان نے میری بات کو اہمیت نہ دی اور تم اس گھر میں چلی آئیں مجھے بے حد خوشی ہوئی مگر مجھے اپنی خوشی چھپانی پڑی‘ تمہارے ساتھ بیگانہ رویہ رکھا خود سے دور اس لئے رکھا کہ مجھے لگتا تھا اگر میں تمہارے قریب رہا تو مجھ میں کھو کے تم بچوں کو فراموش کر دو گی جو کہ میں نہیں چاہتا تھا۔

تمہیں نہیں خبر میں ہر پل تمہارا امتحان لے رہا تھا‘ جانچ رہا تھا‘ تم نے قدم قدم پہ احساس دلایا کہ دی جان کا فیصلہ کتنا درست تھا‘ آج مجھے اقرار کرتے فخر ہے کہ اگر تم نہ ہوتیں تو شاید میں ان بچوں کو کھو دیتا بچے تمہارے دیوانے ہیں مجھ سے زیادہ تم سے اٹیچڈ ہیں اور سچ بتاؤں مجھے بے حد خوشی ہے تم نے ایک ماں کی طرح ان بچوں کو سمیٹ لیا میں تم سے پہلے ہی محبت کرتا تھا اب عشق کرنے لگا ہوں“۔

”پھر حرا کی گنجائش کہاں سے نکل آئی......؟“ اشنا پھٹ سے بولی تو اس کا قہقہہ بے ساختہ گونج گیا‘ وہ اپنے سیل سے کال ملا کر کان سے لگا گیا‘ دوسری طرف سے کال ریسیو ہو گئی تھی غالباً

”حرا سب کچھ ڈسکرائب ہو چکا ہے اب تم میری مسز کو سمجھاؤ“۔ وہ پہلو بدل کے رہ گئی‘ آئیجان نے فون اس کی طرف بڑھایا‘ وہ اینٹھی رہی تو زبردستی پکڑا دیا۔

”پلیز یار“۔ آئیجان نے انسسٹ کیا۔

”ہیلو“۔ اشنا نے بے دلی سے کہا۔

”اشنا! دیکھیں میری کوئی غلطی نہیں ہے سر نے کہا تھا آپ کو تھوڑا سا ڈرامہ کرنا پڑے گا‘ ایکٹنگ کا شوق تو مجھے بچپن سے ہی تھا میں نے سوچا پردے پر نہ سہی ریئل لائف میں ہی سہی‘ سر نے مجھے رول سمجھایا تو مجھے مشکل نہ لگا‘ لیکن آپ نے میرے گھر آ کر اس ڈرامے کا ڈراپ سین کر دیا‘ آفرین ہے آپ پہ...... بھائی لوگوں کے سر پر جیسے خون سوار تھا‘ وہ تو بھلا ہو سر کا جنہوں نے آپ کی گاڑی کو گزرتے دیکھ لیا‘ اور سر کی بروقت آمد نے میرے گھر والوں کو اصل صورتحال سے آگاہ کیا اور میری جان بخشی ہوئی“۔ حرا اسے تفصیل بتا رہی تھی۔

”تم نے یہ سب کیوں کیا......؟“ اشنا حیرت سے استفسار کر رہی تھی۔

”اس کا جواب میں دیتا ہوں“۔ اس نے سیل فون اشنا کے ہاتھ سے لے کر کال کاٹ دی۔

”گھر اور بچوں میں کھو کر تم بھول گئی تھیں کہ تم میری بیوی بھی ہو‘ تمہارے لئے ہر کسی کی اہمیت تھی سوائے میرے میں‘ میں نے حرا کو تھوڑا سا ڈراما کرنے کو کہا تھا‘ تاکہ یہ جان سکوں کہ تمہارے دل میں میرا خیال بھی ہے یا نہیں‘ اہمیت ہے یا نہیں‘ اسی لئے یہ ڈراما رچایا“۔ وہ حقیقت بتا رہا تھا۔

”اس ڈرامے نے میرا کتنا خون جلایا پتا ہے آپ کو......؟“ وہ نروٹھے پن سے بولی۔

”چلو یہ تو خبر ہوئی محترمہ ہم سے محبت کرتی ہیں“۔ انداز شوخ تھا۔

”بالکل نہیں“۔ وہ صاف مکر گئی۔

”رہنے دو مجھے سب خبر ہے یہ جان کر یہ بچے میرے ہیں آپ آٹھ آٹھ آنسو روئی تھیں اور ہاسپٹل میں ڈسچارج والے روز بار بار سمندر بہائے جا رہے تھے“۔ اس کی شوخی کا اشنا کے پاس جواب نہ تھا وہ بلش ہو کر سر جھکا گئی۔

”کتنی گہری نظر ہے اس کی“۔

”مجھے اقرار ہے کہ تم واحد وہ ہستی ہو جس نے پہلی اور آخری بار میرے دل میں گھر کیا ہے“۔

”پھر یہ کون ہے......؟“ وہ سحاب کی تصویر نکال لائی پہلے تو اس نے تصویر کو دیکھا پھر ہنس دیا۔

”آپ کی پہلی محبت ہے غالباً“۔ وہ غصے سے گھور رہی تھی۔

”تم سے کس نے کہا......؟“ وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

”تصویر کی پشت پر لکھی غزل نے“۔ منہ بنا کر بولی آئیجان نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا۔

”یہ سحاب ہے یونیورسٹی فیلو‘ مجھ میں انٹرسٹڈ تھی‘ مگر میں نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی‘ انہی دنوں بچوں کی ذمہ داری مجھ پر آن پڑی‘ دی جان نے شادی کے لئے فورس کیا تو میں نے سوچے سمجھے بنا اس کا نام لے دیا کہ سحاب کی خواہش تھی میں نے اسے صاف لفظوں میں سمجھا دیا کہ بچوں کی میری نظر میں کتنی اہمیت ہے اس نے کہا بچے تو نوکر پالیں گے اور میں نے اسے خدا حافظ کر دیا بس“۔

”اور یہ غزل آپ نے اس کے فراق میں لکھی تھی غالباً“۔ اسے ذرا یقین نہ آیا۔

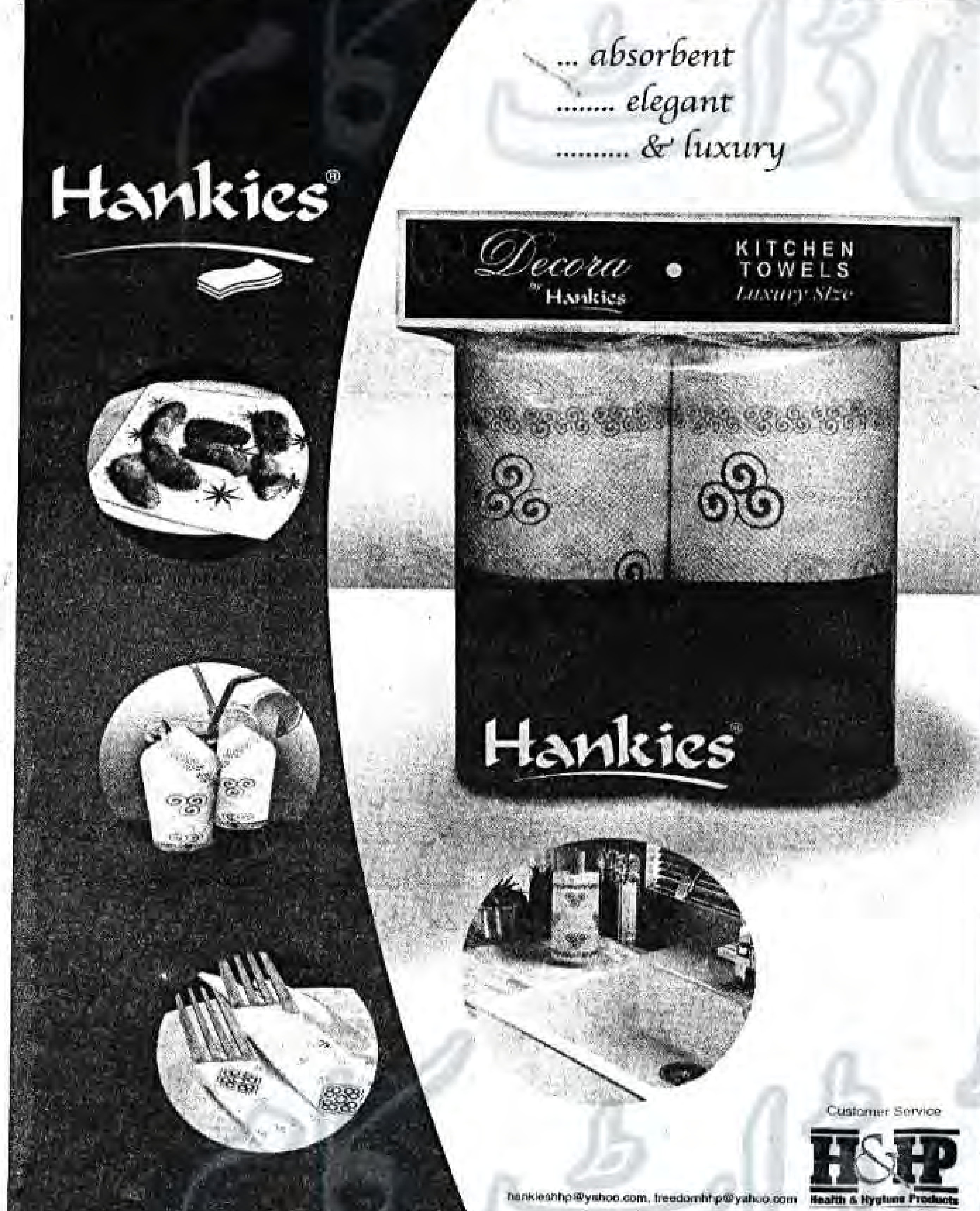
”کہاں پھنسا ہوں میں‘ کتنی بدگمان لڑکی ہو‘ شاعری کسے اچھی نہیں لگتی اور میں تو ان لوگوں میں سے تھا جن کی کورس کی کتابیں تک اشعار سے بھری رہتی تھیں‘ ایک بار یہ غزل سنی تھی پیڈ نہ ملا تو تصویر کی پشت پر لکھ ڈالی اب مجھے کیا خبر تھی یہ سحاب کی تصویر ہے“۔ سر کے پیچھے دونوں ہاتھ رکھے وہ دراز ہو گیا‘ نظریں بغور اس کا جائزہ لے رہی تھیں‘ بے بی پنک سوٹ میں وہ خود بھی پنک پنک خود سے الجھی نظر آ رہی تھی اسے بھی الجھا رہی تھی۔

”اک اک بات میں نے تمہیں کہہ دی ہے مان بھی جاؤ“۔ آئیجان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”اپنے دل میں جھانکو تو سہی وہاں میری ہی تصویر ہو گی“۔ گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

”زیادہ ڈائیلوگ مت جھاڑیں“۔ اعتبار تو اسے آ ہی گیا تھا‘ آئیجان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس کی سوچ یہی ہوتی کہ ایک غیر عورت بچوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرے گی انہیں ایک ماں کی محبت نہیں دے سکتی‘ مگر اشنا اس کی توقعات پر کھری اتری تھی۔

”ایکسکیوزمی! ناول میں نہیں آپ پڑھتی ہیں ویسے کبھی سوچتا ہوں تو ڈر سا لگنے لگتا ہے میرے بچے بھوک سے روتے دھوتے رہیں گے اور تم بیٹھی ناول پڑھ رہی ہو گی“۔ اشنا نے اسے گھور کر دیکھا مگر اس کی آنکھوں میں چاہت کے جلتے دیپ دیکھ کر پلکیں گرا گئی۔



''کیا میری آنکھوں میں وہ جادو نہیں جو آگ لگا دے''۔

''میری آنکھوں کے جادو سے شاید تم ناواقف ہو
جس پہ مجھ کو پیار آجائے اس کو پاگل کر دیتا ہوں
چھوڑ کے مجھ کو جانے والا لوٹ کے واپس آئے گا
دائیں بائیں آگ لگا کر سامنے جنگل کر دیتا ہوں''

غالباً یہی شعر تھا جو نادیہ بی بی کو سنایا جا رہا تھا' ویسے تم حیدر کے مرنے پر روئی کیوں نہیں تھیں؟

''یا اللہ! یہ آدمی ہے یا ہوا......'' وہ بری طرح جھینپ گئی۔

''اب تو دوستی پکی ہے نا......؟'' نرمی سے پہلو میں گھسیٹ لیا۔

''پھر کبھی کہیں گے تو نہیں نا یہ گھر بچے آپ کے ہیں''۔ نروٹھے انداز پر ہولے سے مسکرا دیا۔

''میری زمیں پر جو چاندنی ہے' وہ سب تیری ہیں
میرے فلک پر جو دلکشی ہے' وہ سب تیری ہے''

جذبات سے گندھے لہجے میں شعر پڑھ کر اسے خود سے قریب کیا۔

''کہو تو لکھ کے دے دوں یہ گھر بچے' مجھ سمیت سب تمہارا ہے''۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کو محبت سے بند کر دیا' آئیجان عیس کا اقرار اشنا کو نہال کر گیا' ایک عورت کو گھر' دریچہ اور بچے سے زیادہ کیا چاہئے ہوتا ہے' زندگی کی شاہراہ پر آئیجان عیس کا ہاتھ تھامے بناء تھکے وہ بہت دور تک چل سکتی تھی دروازے پر دستک ہوئی وہ بے چارگی سے اٹھا۔

''یقیناً میرا رقیب احد ہوگا' تم سوتی بن جاؤ میں اسے باہر سے ٹہلا کے آتا ہوں''۔ ہدایت کرتے اس نے دروازہ وا کیا' احد توقع کے عین مطابق دروازے سے نمودار ہوا۔

''پپا! میں ماما کو گڈ نائٹ کہنے آیا تھا''۔ وہ معصومیت سے کہہ رہا تھا' آئیجان دروازے پر پھیل کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹا ماما سو......'' جملہ مکمل ہونے سے پہلے احد صاحب اس کی ٹانگوں سے نکل کر کمرے میں داخل ہو چکے تھے اشنا سوتی بن گئی احد نے اپنے لب اشنا کی پیشانی پر رکھ دیئے۔

''پپا میں ماما کے پاس سو جاؤں......؟'' معصومانہ سوال پر آئیجان کو کھانسی شروع ہو گئی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں اشنا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''پپا' ماما کا فیس ریڈ کیوں ہے''۔ وہ استفسار کر رہا تھا' آئیجان برا پھنسا تھا۔

''ماما کی طبیعت خراب ہے''۔

''میں دی جان کو بلا کے لاؤں کے ماما کی طبیعت خراب ہے''۔ وہ ہمدرد بنا پوچھ رہا تھا۔

''مائی گاڈ!'' وہ چکرا گیا۔

''نہیں پھر میری طبیعت خراب ہو جائے گی''۔ احد کو گود میں اٹھا کر اس کے کمرے میں چھوڑ آیا۔

''بگاڑ کے رکھ دیا ہے تم نے بچوں کو''۔ اشنا کے چہرے سے تکیہ کھینچ کر غیض و غضب سے دھاڑا' اشنا حیرانی سے اس کے بدلتے روپ کو دیکھتی رہی۔

''اور مجھے بھی''۔ ہولے سے اقرار ہوا۔

☆☆......End......☆☆



"اماں! میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ اگر آپ سے یا نمرہ سے میرا کام نہیں ہوتا تو مجھے بتا دیا کریں، میں خود کرلیا کروں گا، کیا ضرورت تھی پری وش سے میری شرٹس دھلوانے اور پریس کروانے کی؟"۔ وہ ناراض انداز میں اماں کے پاس آیا تھا اس نے وہی شرٹ زیب تن کر رکھی تھی جو دوپہر میں پری وش نے دھو کر پریس بھی کردی تھی وہ ابھی کام سے لوٹا تھا، تو ماہین کی کال آ گئی تھی وہ اس کی طرف جانے کے لئے تیار ہو کر باہر آیا تھا۔

"نہ بھئی ہم نہیں کہتے اسے تمہارا کوئی کام کرنے کو اسے خود ہی شوق ہے بڑھ چڑھ کر تمہارا کام کرنے کا"۔ اماں نے پان دان سے چھالیہ نکال کر کترتے

ناولٹ

پھر کسی لمحے میں ٹھہرا سکون

امبر افگن شمائل

ہوئے کہا۔

"بھائی! اگر پری وش شرٹس دھو کر پریس نہ کرتی تو آپ اتنے شارٹ نوٹس پر تیار ہو کر جا نہ پاتے آپ کو تو شکر گزار ہونا چاہئے پری وش کا"۔ نمرہ اپنے نوٹس اٹھائے اندر سے باہر برآمدے میں آئی تھی وہ اس کی تیاری دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ ماہین کی طرف سے ہی بلاوا ہوگا۔

"خیر ابھی میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں واپس آکے بات کروں گا"۔ وہ بائیک کی چابی انگلیوں میں گھماتا باہر نکل گیا۔

"اماں! کیا زندگی ہے ان دونوں کی، مجھے ترس آتا ہے دونوں پر"۔ نمرہ اماں کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئی۔

"ان دونوں کا اپنا منتخب کیا راستہ ہے یہ ہم نے تو نہیں کہا تھا بلکہ میں مخالف رہی اس شادی کی اب بھگتیں دونوں"۔ اماں نے صاف ہاتھ جھاڑ دیا۔

"مانا کہ پری وش کی تو مجبوری تھی مگر عالی بھائی کی کیا مجبوری تھی اپنی زندگی اپنے ہاتھوں تباہ کرلی"۔ نمرہ کو عالی سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

"دیکھ لینا لکھ کر رکھ لو میری یہ بات ان کا یہ رشتہ زیادہ عرصہ چل نہیں پائے گا"۔ اماں تو پری وش سے ویسے ہی لگاؤ نہ رکھتی تھیں اور اب تو بہو کی صورت وہ انہیں بالکل قبول نہ تھی اور اس حقیقت سے پری وش اچھی طرح سے واقف تھی۔

"توبہ کریں اماں! اب ایسا بھی نہ کہیں ماہین جیسی نک چڑی لڑکی سے تو لاکھوں درجے بہتر ہے میں تو کہتی ہوں بھائی کی کوئی نیکی کام آ گئی جو ماہین کی بجائے ان کی شادی پری وش سے ہوگئی بس عالی بھائی ہی قدر نہیں کر رہے ان کی"۔ نمرہ کے تو سارے ووٹ ہی پری وش کی طرف تھے جس کا اظہار وہ کئی بار کر چکی تھی اور اب بھی قائم تھی۔

"توبہ تو تم کرو اور جاؤ یہاں سے دماغ نہ چاٹو میرا"۔ اماں اس سے خائف ہو کر منہ موڑ گئیں۔

"میں بھی کوچنگ بار کا ہوں اللہ حافظ"۔ اس نے بھی اپنے نوٹس جو تخت پر رکھ دیئے تھے اٹھائے اور باہر کی طرف چل دی۔

"یہ آج کل کی اولاد تو بس اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتی ہے بڑے کچھ بھی کہتے رہیں سنتے ہی

نہیں اور جب کچھ بن نہیں پاتا تو مسئلہ لے کر ہم بڑوں کے پاس ہی آجاتے ہیں"۔ اماں اپنا سادہ پان منہ میں چباتے ہوئے اپنے آپ سے ہی مخالف تھیں۔ پری وش کے کمرے کی کھڑکی جو برآمدے میں کھلتی تھی پری وش وہیں کھڑی سب سن چکی تھی' پھر اس نے ایک سرد آہ بھری اور کچن میں آ گئی رات کے کھانے کی تیاری کرنے' بڑی بھابی دو دن سے میکے گئی ہوئی تھیں' ان کے بھائی کے ہاں بیٹی ہوئی تھی اسی کو دیکھنے۔ کچن سے برتنوں کی آوازیں آنے سے اماں سمجھ گئی تھیں کہ پری وش کچن میں ہے۔

"چھوٹی بہو! سنتی ہو"۔ اماں نے اسے پکارا۔

"جی اماں!" وہ ایک ہی آواز پر دوڑی چلی آئی۔

"ایک کپ چائے بنا لاؤ' سر میں بڑا درد ہو رہا ہے میں جب تک وضو کر کے نماز پڑھ آتی ہوں"۔

"اماں نے حسب توقع حکم جاری کر دیا اور وہ ہمیشہ کی طرح سر جھکاتے ہوئے حکم کی تعمیل کے لئے چلی گئی' اماں بھی پان دان سمیٹتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف گئیں' کچن میں آ کر اس نے چائے کے لئے پانی چولہے پر رکھا دھیمی آنچ پر تا کہ دھیمی آنچ پر چائے بھی بنتی رہے اور جب تک اماں نماز بھی پڑھ لیں ساتھ ہی فریج سے گوشت نکال کر پانی میں بھگو دیا اور تھال میں چاول نکال کر چننے لگی' ساتھ ساتھ چائے کو بھی دیکھتی رہی اماں جب نماز پڑھ کر تخت پر آئیں تو وہ پہلے ہی سے ہاتھ میں چائے کا مگ لئے کھڑی تھی۔

"رکھ دو"۔ اماں نے بے زاریت سے کہا وہ کپ پان دان کے قریب ہی رکھ کر واپس کچن میں چلی گئی چائے تھوڑی ٹھنڈی ہونے کے بعد اماں چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگیں۔

"کم بخت! ہر چیز ہی اچھی بناتی ہے کوئی موقع ہی ہاتھ نہیں آنے دیتی ڈانٹنے کا"۔ اماں اسی کو کوسنے لگیں۔ مرغ پلاؤ تیار کرنے کے بعد وہ رائتہ بنا رہی تھی اسے پتہ نہیں چلا کافی دیر سے عالی کچن کے دروازے کے درمیان کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے"۔ عالی کی آواز پر اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا تھا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"اگر پہلے میں کچھ کہنا چاہوں تو......!!" اس نے سوالیہ نظروں سے عالی کو دیکھا۔

"بولو"۔ بڑی بے زاریت سے جواب موصول ہوا۔

"میں آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے کپڑے واش نہیں کرتی مگر 12 بجے کے وقت ماہین کی کال آئی تھی اس نے کہا کہ آپ کو پیغام دے دوں۔

"شام کو آپ کو ماہین نے بلایا ہے اور میں جانتی تھی آپ کے سارے کپڑے میلے پڑے ہیں' آپ مجھے اپنی بیوی تسلیم نہیں کرتے مگر میں آپ کو اپنا شوہر مانتی ہوں سو اسی تعلق کی بناء پر میرا فرض بنتا تھا کہ میں آپ کے لئے کپڑے واش کر کے پریس کر دوں تا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو' اب اس میں کیا غلط کیا میں نے"۔ تفصیل سے سمجھانے کے بعد اس نے سوال کر دیا۔

"ماہین کو کیا ضرورت پڑی تھی تمہیں فون کرنے کی"۔ عالی اس کی بات سن کر خود ہی شپٹا گیا تھا اسے اب ماہین پر غصہ آنے لگا۔

"یہ تو اب آپ ماہین سے ہی پوچھیں"۔ پری وش دوبارہ رائتے کی طرف متوجہ ہو گئی تو وہ شپٹاتا ہوا کچن سے نکل کر ماہین کو فون کرنے لگا' مگر اس کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ بیٹری لو ہو گی وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ ڈنر میں اماں' نمرہ اور پری وش کے علاوہ تیمور بھائی تھے عالی تو ماہین کے ساتھ ڈنر کر کے آیا تھا سو اب آرام کر رہا تھا۔

☆☆☆☆

پھر تقاضہ عشق ہے
پھر انتظار کی تاب نہیں
حال دل عیاں ہے ان پر
اور وہ سمجھتے ہیں ہم کے طلب گار نہیں

آج اتوار کا دن تھا تیمور بھائی صبح ہی بیوی بچوں

کو لینے سسرال پہنچ گئے' عالی کی صبح گیارہ کے بعد ہوئی تھی تب تک نمرہ اور پری وش گھر کا سارا کام نمٹا چکی تھیں' پری وش عالی کو ناشتہ دینے کے بعد برآمدے میں آ گئی جہاں آنے کا مقصد اماں سے دوپہر کا مینو پوچھنا تھا۔

"چھوٹی بہو! تین دن بعد اس گھر کی رونق واپس آ رہی ہے سو بچوں اور بڑی بہو کی پسند کا جو کھانا ہے وہ بنا دو' نمرہ سے پوچھ لینا کچھ سمجھ نہ آئے تو"۔ اماں نے تخت پر اپنے دھلے ہوئے کپڑے پھیلا رکھے تھے جنہیں تہہ کر کے رکھ رہی تھیں بڑی بھابی پر تو انہیں ضرورت سے زیادہ ہی پیار آتا تھا اور اب بھی ان کے آنے کا پتہ چلا تو نہال ہو گئیں۔

"جی اماں! ٹھیک ہے"۔ وہ حکم بجا لائی۔

"کیوں اماں! کیا آپ کی بہو پوتے اور پوتی ہی سو واٹ کے بلب ہیں باقی ہماری ایک مسکراہٹ کی انرجی سیور جیسی روشنی کسی کام کی نہیں"۔ نمرہ جو ان کے قریب ہی بیٹھی تھی بلبلا ہی اٹھی۔

"ہاں تمہاری انرجی سیور جیسی روشنی جو آئے دن فیوز ہی رہتی ہے"۔ اسی وقت عالی نے برآمدے میں انٹری دی تھی اور اماں کے برابر آ بیٹھا تھا۔

"جی آپ جو ہر وقت روشن رہتے ہیں"۔ نمرہ نے وار لوٹایا تھا اور پودوں کو پانی دینے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے آج گھر پر نظر آ رہے ہیں آج کہیں کا پروگرام نہیں ہے کیا"۔ نمرہ نے طنزیہ پوچھا۔

"بیٹا نمرہ! ہم تمہیں مایوس کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں اسی لئے تمہاری توقع کے عین مطابق تھوڑی دیر میں جا رہا ہوں اور لنچ پر میرا انتظار بھی مت کیجئے گا"۔ وہ موڈی لہجے میں کہتا کھڑا ہو گیا' پری وش کچن میں جا چکی تھی۔ نمرہ کیاری میں لگے پودوں کو پانی دینے لگی اماں اپنے کام میں مصروف ہو گئیں اور عالی اندر اپنے کمرے میں آ گیا۔ دو بجے بھائی' بھابی اور بچوں کو لے کر آ چکے تھے اور پری وش نے لنچ بھی لگا دیا تھا' سب ہی تھے اک عالی کے سوا۔ دونوں بچے دادو کو اپنے وہاں کے کارنامے سنا رہے تھے اور دادو بچوں کے درمیان خوب خوش تھیں ان سب کے درمیان ایک پری وش تھی جو چپ کا تالا ہونٹوں پر لئے بیٹھی تھی۔

"عالی تو ماہین کے ساتھ ہو گا ناں"۔ شازمین بھابی نے طنز کا تیر چلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا وہ نگاہ مزید جھکا گئی جبکہ شازمین بھابی کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی نمرہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ لنچ کے بعد سب اپنے روم میں سونے چلے گئے اور پری وش اپنی ڈائری لے کر لکھنے بیٹھ گئی یہ اس کا روز کا معمول تھا کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا۔ شام کی چائے نمرہ نے بنائی تھی سب برآمدے میں موجود تھے عالی بھی آ گیا تھا۔

"اماں! کیا آج میں امی لوگوں سے ملنے جا سکتی ہوں دو تین دن میں آ جاؤں گی' بہت دن ہو گئے ان سے ملے ہوئے"۔ اس نے نظریں جھکائے ہوئے اپنی درخواست اماں کے سامنے پیش کی تھی۔

"واہ جی! میرے آتے ہی تمہیں جانے کی پڑ گئی' ضد پکڑ لی ہے تم نے مجھ سے"۔ شازمین کی تو آنکھیں ہی تن گئی تھیں اماں کی بجائے اس نے جواب دیا۔

"بڑی بہو! اگر تم نہیں چاہو گی تو پری وش نہیں جائے گی میکے"۔ اماں نے فوراً شازمین کی سائیڈ لی تھی شازمین کی گردن غرور سے تن گئی۔

"بڑی بھابی کون ہوتی ہیں یہ فیصلہ کرنے والی کہ پری وش نے کب جانا ہے اور کب نہیں' اگر پری وش کو آج ہی میکے جانے کا دل ہے تو یہ آج ہی جائے گی جاؤ پری وش تم تیار ہو جاؤ میں تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں"۔ خلاف توقع عالی کے منہ سے یہ سب سن کر بھابی اور اماں کا منہ تو حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا جبکہ پری وش تیار ہوتے چلی گئی وہ اس پر ایسے چھوٹے چھوٹے احسانات کر دیا کرتا تھا۔

''بھائی! گڈ شارٹ''۔ نمرہ نے بھابی کو دیکھتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا بھابی اب تک ورطہ حیرت میں عالی کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

''دیکھیں اماں! مانا کہ پری وش کو میں شریک حیات کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ میری بیوی ہے اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا میرا فرض بنتا ہے اور کسی اور کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے Tont کرے''۔ عالی نے اپنی سنا کر بات ختم کردی تھی اور اٹھ کر چلا گیا تھا اس کا اشارہ بھابی کی طرف تھا۔

''دیکھا اماں! آپ نے کتنی بدتمیزی کر کے گیا ہے عالی''۔ بھابی روہانسی ہوگئی تھیں' ٹشو اٹھا کر مصنوعی آنسو صاف کرنے لگیں۔

''شاز مین! تم نے بھی تو پری وش کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا''۔ تیمور بھائی اس ساری گفتگو میں پہلی بار بولے۔

''بھابی جب آپ اپنے میکے تین دن رک کر آئیں تب تو کسی کو اعتراض نہیں تھا اور پری وش کیوں نہیں جاسکتی''۔ نمرہ کا ووٹ بھی پری وش کی طرف تھا۔

''اماں! دیکھ رہی ہیں آپ یہ سب کل کی آئی لڑکی کے ساتھ ہوگئے اور میری خدمتیں تو بھول ہی گئے''۔ شاز مین کو ایک دوسرے دکھ نے بھی آ گھیرلیا۔

''بڑی بہو! تم دل چھوٹا مت کرو یہ سب بھگتیں گے اسے''۔ اماں نے انہیں دلاسہ دیا' نمرہ طنزیہ مسکرا کر برتن سمیٹنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ان کے قریب سے وہ دونوں نکل کر گئے اور پھر بائیک کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سے وہ مزید سٹپٹا گئی تھی وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''تھینکس......'' بائیک جب گھر سے کافی دور آ گئی تو پری وش نے عالی کے کان کے قریب آ کر سرگوشی کی۔

''تھینکس یہ میرا فرض تھا''۔ اس نے نارملی جواب دیا۔

''فرض تو اور بھی ہیں جو نبھاتے ہیں''۔ اس کے دل کی صدا اس کے اندر ہی گھٹ کر رہ گئی۔ پھر سارا سفر خاموشی میں کٹ گیا اس کے میکے کے دروازے پر اس نے بس اتنی دیر کے لئے بائیک روکی کہ وہ بس اتر ہی سکی اور اس کی بائیک دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوگئی اور وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی مین گیٹ کی ڈور بیل بجادی۔ اتنے دنوں بعد پری وش کو دیکھ کر امی' بابا' جنید اور عائشہ سب ہی کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

''میری بچی خوش تو ہے ناں'' اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بابا نے پوچھا۔

''جی بابا! میں بہت خوش ہوں''۔ اس کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اکیلی آئی ہو......؟'' اماں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''نہیں اکیلی نہیں عالی چھوڑ کر گئے ہیں''۔ اس نے نگاہیں جھکالیں۔

''تو اندر کیوں نہیں آیا''۔ اماں نے کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''آپی! اب یہ مت کہنا انہیں ضروری کام یاد آ گیا تھا' جبھی آج اتوار ہے سسرال والوں کا حق تو بنتا ہے کہ مہینے میں آ کر ایک ملاقات کا شرف ہی بخش دیں''۔ عائشہ تو پہلے ہی شکایت لئے بیٹھی تھی' پری وش نے اپنے پرس سے موبائل نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ کیا ہے......؟'' عائشہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''موبائل ہے''۔ پری وش نے جواباً کہا۔

''یہ تو مجھے بھی پتہ ہے مگر مجھے کیوں دے رہی ہو......؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''خود عالی کو فون کر کے پوچھ لو کہ کیوں نہیں آیا ملاقات کا شرف بخشنے''۔ وہ پوری طرح سے بیزار تھی۔

''حد کرتی ہو آپی! تم تو میں کیسے پوچھ سکتی ہوں عالی بھائی سے''۔ عائشہ خفا لہجے میں بولی۔

''تو مجھ سے بھی مت پوچھا کرو''۔ اس نے موبائل دوبارہ پرس میں رکھ دیا۔

''زہرہ کا رویہ کیسا ہے اب تمہارے ساتھ......؟'' امی نے نگاہیں چراتے ہوئے پوچھا۔

''جس طرح آپ توقع کرسکتی ہیں''۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''اللہ تمہیں صبر دے''۔ ساتھ میں ماں نے دعا بھی دے دی۔

''بیٹا! ہم شرمندہ ہیں''۔ بابا کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہوگئے تھے۔

''نہیں بابا! آپ کیوں شرمندہ ہیں آپ نے کچھ نہیں کیا یہ سب میری قسمت کا لکھا تھا اور اسے آپ تو نہیں بدل سکتے ان سب کا مجھے سامنا کرنا ہی تھا ہاں میں مانتی ہوں آج' اماں کا رویہ میرے ساتھ اچھا نہیں' عالی کی بھی توجہ کہیں اور ہے مگر آپ یقین رکھیں میری اچھائی ان کو بدل دے گی ایک نہ ایک دن سب ٹھیک ہوجائے گا وہ گھر مجھے بہو بھی تسلیم کرلے گا' اور اماں مجھے بیٹی بھی مانیں گی بس تھوڑا وقت لگے گا اور اس وقت کا مجھے اور آپ کو تھوڑا انتظار کرنا ہوگا''۔ پری وش نے بابا کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے اور انہیں بڑے یقین سے دلاسہ دے رہی تھی اسے خود پر اپنی محبت پر اپنے خلوص پر پورا یقین تھا۔

''انشاء اللہ''۔ سب کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا تھا۔

آج میکے میں آ کر اس نے اپنی مکمل نیند لینے کے سپنے کو عملی جامہ پہنایا تھا ورنہ سسرال میں تو صبح فجر کی نماز کے ساتھ ہی اماں کی تابعداری میں جو لگتی تو رات گئے ہی کام سے فرصت ملتی۔ بھرپور نیند لینے کے بعد جب جاگی تو سب کچھ ہی اسے بہت نکھرا نکھرا لگ رہا تھا' عائشہ نے آ کر بتایا کہ ہما دو بار اس کا پوچھ کر گئی ہے فریش ہولے تو اسے بلا لے ہما پری وش کی بچپن کی دوست بھی تھی اور گریجویشن بھی انہوں نے ساتھ ہی کیا تھا' پری وش کی حادثاتی شادی کے بعد دونوں کے درمیان رابطہ ختم ہو کر رہ گیا تھا جب بھی پری وش میکے آتی تو ہما سے ملاقات ہوجاتی تھی۔ فریش ہونے کے بعد اس نے عائشہ کو چائے کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی ہما کو بھی کال کر کے بلالیا' امی ظہر کی نماز کے بعد کا وظیفہ پڑھنے میں مصروف تھیں وہ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی جہاں جنید بیٹھا اسپورٹس پر مبنی کوئی ڈاکومنٹری دیکھ رہا تھا اسے بیٹھتے دیکھا تو ریموٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ارے واہ! شادی کے بعد تو بڑی قدریں آ جاتی ہیں آج پتہ چل رہا ہے''۔ ان کے عقب سے ہما کی آواز آئی تھی وہ پہلے کی طرح ہی شوخ و چنچل بھی تھی۔

''تم بھی کرلو شادی تو تمہاری بھی خوب قدر ہوجائے گی مگر وقاص پھر بھی تمہارے ہاتھ میں ٹی وی ریموٹ نہیں دے گا''۔ چائے کی ٹرے کے ساتھ عائشہ لاؤنج میں داخل ہوئی ساتھ ہی لقمہ بھی دیا۔

''ارے چھوڑو' اس کی سنتا کون ہے' اب بھی ہائے ہائے کرتا رہتا ہے بے چارہ''۔ ہما کو اپنے ہی بھائی کی حرکتیں بتاتے ہوئے ہنسی آ رہی تھی۔

''تم بالکل نہیں بدلیں''۔ پری وش نے اسے رشک سے دیکھا۔

''تم جو اتنا بدل گئی ہو''۔ ہما اس کے برابر آ کے بیٹھ گئی پری وش کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''کیا چل رہا ہے آج کل تمہاری زندگی میں......؟'' پری وش نے بات ٹال دی ہما نے اپنا سر جھٹکا۔

''کیا یار...... اماں کی پرزور خواہش پر بی ایڈ کر رہی ہوں انہیں بڑا شوق ہے ان کی کوئی ایک اولاد تو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے استاد محترم کا رتبہ بھی حاصل کرلے اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی قربانی کا بکرا مجھ کو ہی بنادیا گیا ہے''۔ اس نے اپنا کتھارس شروع کردیا تھا اور اس کی لمبی کہانیاں تھیں جو ایک کہ بعد ایک شروع ہوتی اور پھر ختم ہوتیں' پری وش بس اسے سن رہی تھی جبکہ جنید وہاں سے جا چکا تھا اور عائشہ کچن میں آ کر کھانے کی تیاری

کرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆

دو دن میکے میں سکون سے گزارنے کے بعد وہ سسرال کی بھول بھلیوں میں داخل ہوگئی تھی بڑی بھابی خوب تنی ہوئی تھیں کیونکہ پری وش کی غیر موجودگی میں سارا کام ان ہی کو کرنا پڑ رہا تھا جبکہ نمرہ کے پیپرز شروع ہوگئے تھے اماں کی طرف سے اسے آرڈر تھا کہ وہ صرف پڑھے اور اچھی طرح سے پیپر زدے گھر کے کاموں کے لئے دو بہوئیں ہیں میکے میں تو اسے رہنا زیادہ دن تھا مگر اماں نے ہی کام کی کثرت اور بڑی بھابی کا پارہ دیکھتے ہوئے اسے بلوالیا تھا۔ اس کے گھر میں قدم رکھتے ہی بڑی بھابی نے آرام پکڑلیا تھا' ما تو اب سارا گھر اسی نے سنبھالنا تھا۔

''اگر میکے رہنے کا اتنا ہی شوق تھا تو شادی کیوں کی تھی منع کر دیتیں اماں کو کہ ابھی ان کی گود سے نہیں نکلی ہو''۔ رات کے کھانے کے دوران بھابی نے وار کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جبکہ کھانے کی تیاری پری وش نے ہی کی تھی۔

''سوری بھابی! آئندہ احتیاط کروں گی''۔ اس نے معصوم بچوں کی طرح اپنی غلطی مانتے ہوئے سر جھکالیا تھا۔

''تو اس کا مطلب بھابی! آپ تو آئندہ اپنے میکے ہرگز نہیں جائیں گی''۔ نمرہ کو بھابی کا ایسا کہنا ناگوار گزرا تھا فوراً وار لوٹایا۔

''نمرہ! کچھ غلط نہیں کہا شاز مین نے' تم اپنی حد میں رہو''۔ اماں نے ہمیشہ کی طرح بڑی بھابی کا بھرپور ساتھ دیا' جس سے بڑی بھابی کی تنی ہوئی گردن مزید تن گئی۔

''اماں! عالی کا فون آیا تھا کہہ رہا تھا کہ وہ ماہین کے گھر سے کھانا کھا کر آئے گا''۔ شاز مین نے اسے جلانے کے لئے جان بوجھ کر اس موضوع کو چھیڑا اسے کوئی فرق نہیں پڑا وہ بدستور کھانا کھانے میں مشغول رہی۔

''بھابی! سب ہی اس بات کہ عادی ہو چکے ہیں بس اک آپ ہی نہ ہوئیں جبکہ آپ کو سب سے پہلے تسلیم کرنا چاہئے تھا اس صورت حال کو''۔ حسب روایت نمرہ نے بھابی کا تیر بھابی کے ہی نشانے پر لوٹا دیا تھا' تیمور بھائی کو ہنسی آ گئی۔

''نمرہ! کیا مصیبت ہے کیوں ہر وقت پڑی رہتی ہو میری بچی کے پیچھے' بڑی بھابی ہیں تمہاری' ان کی عزت کرو''۔ اماں سے تو ہرگز برداشت نہ ہوا نمرہ کا بڑی بھابی سے مقابلہ کرنا فوراً بڑی بھابی کے دفاع کے لئے میدان میں آئیں۔

''اماں! سب کی عزت ہوتی ہے انہیں بھی کہئے دوسروں کی عزت نفس کی بھی عزت کرنا سیکھیں''۔ نمرہ پر اماں کی بات ذرا اثر نہ ہوا' اپنی بات مکمل کر کے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور اٹھ کر چلی گئی۔

''پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے گھر کے بچوں کو' ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہے ہیں''۔ اماں نے نوالہ پلیٹ میں رکھا اور اپنا سر پکڑلیا۔

''اماں! نظر نہیں یہ سارا اس کی نحوست کا اثر ہے نجمہ خالہ تو بچ گئیں نحوست کو گھر لے جانے سے' مگر ہمارے سر پڑ گئی''۔ شاز مین تو باقاعدہ اسے کوسنے لگی تھیں' ان کی اس بات سے پری وش کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا تھا وہ جس واقع کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی بھابی وہی یاد کروانے پر مصر تھیں۔

''سچ کہتی ہو بڑی بہو! نجمہ تو خوش قسمت نکلی اس کے گلے کا طوق ہمارے گلے میں آپڑا''۔ وہ برتن سمیٹنے لگی آنسوؤں کا گولہ جیسے اس کے گلے میں اٹکنے لگا تھا۔

''اور میرا معصوم بچہ ہائے کیسے کیسے ارمان تھے میرے بچے کے' سب مٹی میں مل گئے''۔ اماں کو اب عالی یاد آ گیا۔

''سچ پوچھیں تو اماں مجھے بھی عالی پر بڑا ترس آتا

ہے کتنی محبت ہے عالی اور ماہین کے درمیان اور کہاں سے یہ بیچ میں آپڑی''۔ بڑی بھابی کے لہجے میں پری وش کے لئے بس نخوت ہی تھی پتہ نہیں کیوں وہ اس سے اتنا خار کھاتی تھیں اب تو نمرہ بھی یہاں نہیں تھی کہ اس جنگ میں اس کا ساتھ دیتی۔

''بڑی بہو! فکر نہ کرو زیادہ عرصہ میں اپنے بیٹے کو اس آگ میں جلنے نہیں دوں گی' بہت جلد آزاد ہو جائے گا میرا عالی''۔ وہ برتن کچن میں رکھ کر واپس پلٹ رہی تھی جب اماں کی ترش آواز اس کے کانوں میں پڑی گویا اس کے کان وہیں سن ہو گئے تھے بڑی مشکل سے وہ کچن سمیٹ کر کمرے تک خود کو لائی تھی اور پھر اپنی قسمت پر روتے روتے پتہ نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی عالی تب تک نہیں آیا تھا۔

☆☆☆☆

اس کی صبح کچن میں گرجتے برستے برتنوں کی آوازیں سن کر ہوئی تھی رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ صبح جلدی نہیں اٹھ پائی تھی جس کی وجہ تیمور بھائی اور بچوں کو اسکول بھیجنے اور ناشتہ بنانے کے لئے شاز مین بیگم کو اٹھنا پڑا تھا جو ان سے گوارہ نہیں ہو رہا تھا اور خوب برتنوں پر اپنا غصہ نکال رہی تھیں۔ وہ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی تھی کہ کہیں بھابی کا سارا نزلہ اسی پر نہ آ گرے۔

''بھابی! کوئی کام تھا تو مجھے اٹھا دیتیں......؟'' وہ کچن میں آ گئی۔

''تو اٹھ گئی مہارانی صاحبہ صبح ہوگئی آپ کی......؟'' اسے دیکھتے ہی شاز مین کا غصہ دوچند ہوگیا۔

''پری وش کو کچھ مت کہو ہم اس کی نہیں تمہاری ذمہ داری ہیں''۔ تیمور بھائی بھی اسی وقت کچن میں آ گئے شور کی آواز سن کر۔

''اوہو...... ! بس آپ کی کمی رہ گئی تھی''۔ شاز مین طنزیہ ہوگئی اور اپنے بھاری بھرکم وجود کو لئے کچن سے نکل گئی۔

''اماں! میں کہے دے رہی ہوں' اس لڑکی کے بہت پر نکل آئے ہیں یہ ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے''۔ شاز مین کچن سے نکل کر سیدھی اماں کے پاس صحن میں تخت پر پہنچی تھی۔

''تو ہمیں پر کاٹنا بھی آتے ہیں بڑی بہو تم فکر کیوں کرتی ہو''۔ اماں مسکرائیں جیسے کچھ سوچ رہی تھیں۔

''تو جلدی کاٹیں' کہیں وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے ویسے بھی اس گھر میں دن بدن اس کے ہمدرد بڑھتے جا رہے ہیں''۔ شاز مین کو خدشات و تشویش نے گھیر لیا۔

''ہمارے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہوسکتا''۔ اماں پوری طرح اطمینان میں تھیں۔

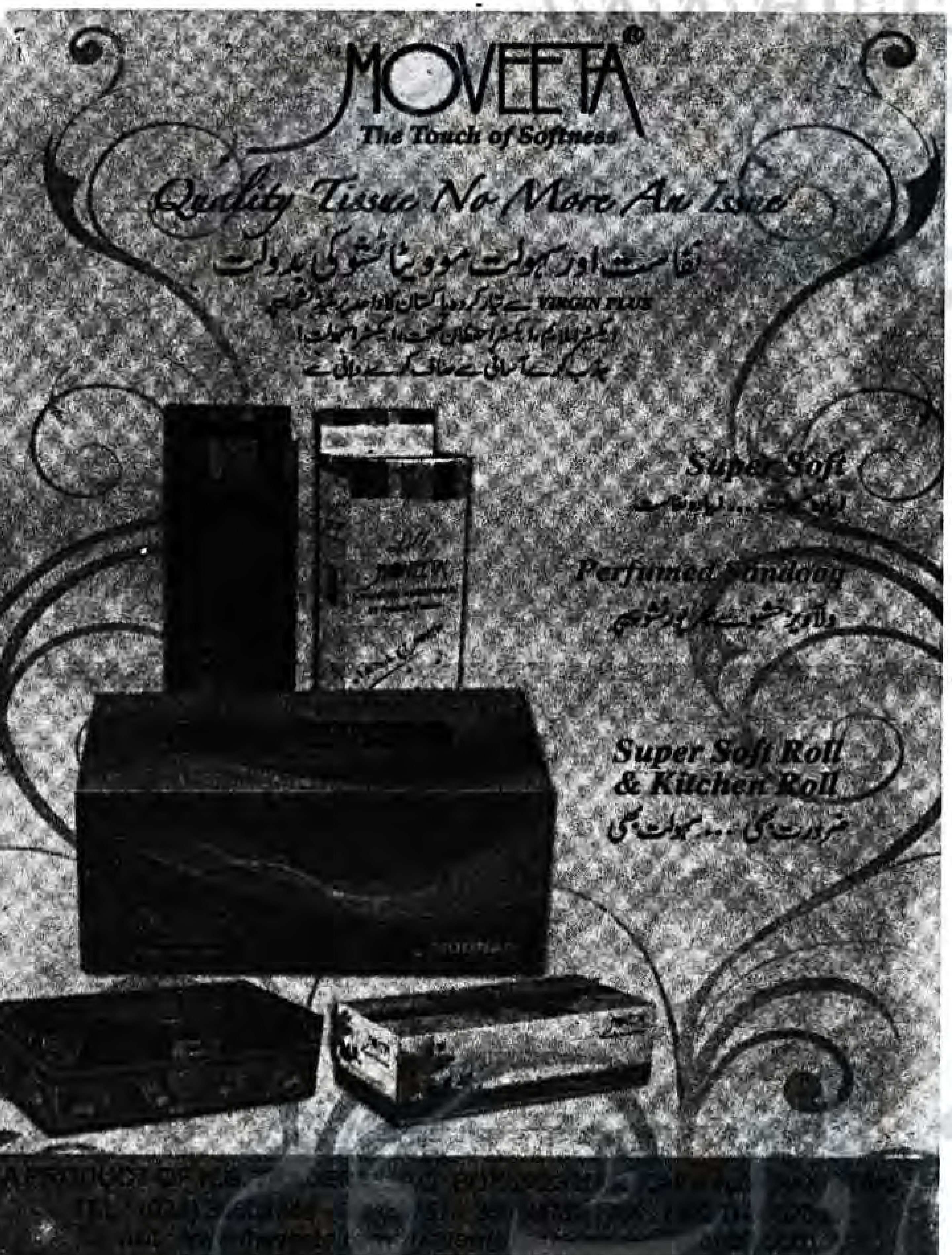
''یہ بتاؤ عالی کہاں ہے......؟'' اماں نے راز داری سے پوچھا۔

''وہ تو رات بھر گھر ہی نہیں آیا''۔ شاز مین نے بتایا۔

''لو جی جب لڑکا ہی اپنی طرف ہے تو تمہیں کاہے کا ڈر''۔ اماں نے پان دان کھول لیا۔

''بازی پلٹتے دیر تو نہیں لگتی اماں''۔ شاز مین پر سوچ انداز میں گویا ہوئیں۔

''تم جا کر تیمور کو آفس بھیجو باقی باتیں بعد میں کرتے ہیں''۔ اماں نے اس کی توجہ بانٹی تو وہ وہاں سے اٹھ کر پھر اندر آ گئی' اب پری وش کچن میں برتن دھو رہی تھی برتنوں سے فارغ ہو کر اس نے اپنے لئے ایک کپ چائے بنائی اور کمرے میں آ گئی وہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی جیسے اتنا سفر طے کرنے کے بعد وہیں کھڑی ہو جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔ اپنی شادی کا البم اٹھا کر تصویریں اٹھا کر دیکھنے لگی کہ شاید کہیں خوشی نظر آ جائے مگر کوئی ایک چہرہ نہیں تھا کہ جس پر مسکراہٹ ہو سب ہی بے زار بیزار الجھے الجھے اس نے تنگ آ کر البم بند کر دیا۔ دو تین بار اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا کہ عالی کو کال کروں گی تو پوچھ لے کہ یہاں رات بھر کیوں نہیں آئے مگر ہمت



نہ ہوئی کہ آخر کس طرح یہ پوچھے عالی نے تو اسے حق ہی نہیں دیا تھا کچھ پوچھنے کا' کوئی سوال کرنے کا کوئی جواب دینے کا۔

اس کا دھیان عالی ہی کی طرف تھا مگر اس نے خود کو گھر کے کاموں میں مشغول کر لیا نمرہ پیپر زدینے گئی ہوئی تھی بچے بھی اسکول سے نہیں لوٹے تھے شازمین لاؤنج میں فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھی جبکہ اماں ساتھ والی آنٹی کے ہاں گئی ہوئی تھیں ان کی عیادت کے لئے وہ پودے کی کیاریوں میں پانی ڈال کر وہیں بیٹھ گئی بھابی کی اندر سے صاف آواز آرہی تھی شاید دوسری طرف ماہین تھی۔

''جلدی کرو' ایسا نہ ہو کہ عالی تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے''۔ بھابی ماہین کے ساتھ مصروف تھیں۔

''کم آن بھابی! عالی صرف میرا ہے اور اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا''۔ بڑے غرور سے دوسری طرف کی آواز ابھری تھی۔

''ماہین بیگم یہ مت بھولو کہ تم صرف عالی کی محبوبہ ہو اور پری وش اس کی بیوی اور اس کا حق بے شک تم سے زیادہ ہے اور وہ کبھی بھی اپنا حق منگوا سکتی ہے اس لئے ہوش کے ناخن لو اور اپنا وقت ضائع مت کرو''۔ بھابی اسے پوری طرح سے بھڑکا کر اپنا راستہ صاف کرنا چاہ رہی تھیں پری وش کے پیروں کے نیچے سے تو زمین سرک رہی تھی یہ بھابی کیا منصوبے بنا رہی ہیں یعنی پری وش کی پوری زندگی داؤ پر تھی' وہ مزید کچھ سانسیں اپنے اندر گھسیٹتی ہوئی وہ کمرے میں آکر بے دم ہو کر پڑ گئی تھی شام کو نمرہ نے آکر اسے اٹھایا تھا وہ تو جیسے بے ہوش تھی ایکدم ہوش میں آئی تھی۔

''عالی آگیا......؟'' اس نے آنکھیں کھولتے ہی پوچھا تھا۔

''ہاں...... آگئے عالی بھائی مگر اکیلے نہیں آئے ماہین بھی ان کے ساتھ ہے' کوئی ضروری بات کری ہے لاؤنج میں سب بیٹھے ہیں تمہیں بھی بلایا ہے''۔

نمرہ سنجیدہ تھی اسے کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ وہ آزمائش کے مرحلوں سے گزرتی لاؤنج تک آئی تھی ماہین صوفے پر عالی کے ساتھ بیٹھی تھی وہ کونے میں جا کر کھڑی ہوگئی شازمین بھابی تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں کہ ان کے وار اتنی جلدی اثر کیسے کر گئے' تیمور بھائی اور اماں بھی برابر میں بیٹھے تھے۔

''دیکھو پری وش! تم پہلے دن سے جانتی ہو میں نے ماہین سے محبت کی ہے اور اسی سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر اس کے بھائی کی ایک غلطی کی سزا تمہیں اور مجھے دونوں کو ملی' تم میری بہو تو بن گئیں مگر میرے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا سکیں اور ماہین کے ہوتے ہوئے نہ ہی بنا پاؤ گی میں خود کو اور تمہیں ذہنی اذیت دے کر تھک چکا ہوں اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب میں ماہین سے شادی کرنے جا رہا ہوں' اگر تمہیں اعتراض ہے تو تم اپنا فیصلہ لے سکتی ہو میں ماہین کے ساتھ زندگی کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں ماہین ہی میری محبت ہے''۔ عالی نے بڑے کھلے لفظوں میں اس پر تیر برسانے شروع کر دیئے تھے یہ سوچے بغیر کہ اس کے نازک سے دل پر کیا گزر رہی ہوگی وہ کن صبر کے انتہائی منزلوں سے گزر رہی ہوگی وہ تو خود غرض بنا یکطرفہ فیصلے کئے جا رہا تھا اس کے ساتھ بیٹھی ماہین کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی اور شازمین اپنی مسکراہٹ کے ذریعے اسے داد تحسین دے رہی تھی اماں کو اس کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

''عالی! یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے......؟'' اس نے مرتی امید کے دامن کو پکڑا تھا' آنکھوں میں ڈھیروں آنسو تھے۔

''یہ میرا پہلا بھی فیصلہ تھا اور اب آخری بھی ہے''۔ وہ حتمی انداز میں بولا۔

''اماں! آپ نہیں روکیں گی عالی کو ایسا کرنے سے''۔ اس نے اماں کی طرف امید سے دیکھا۔

''نہ ہی میرے بیٹے نے تمہیں کبھی اپنی بیوی

تسلیم کیا اور نہ ہی میں نے تمہیں اپنی بہو میں نے ہمیشہ ماہین کو ہی اپنی چھوٹی بہو کے روپ میں دیکھا ہے' کڑے وقت میں اس نے تمہارے باپ کی ڈوبتی عزت کو بچایا تھا' اب تم میرے بیٹے کی جان بخش دو' اسے اس کی زندگی جینے دو' میں اپنے بیٹے کو دن رات جلتے کڑھتے نہیں دیکھ سکتی"۔ اماں نے تو ساری بھڑاس ایک ساتھ ہی نکال دی تھی آنسو مزید تیزی سے پری وش کے گالوں پر بہنے لگے تھے امید کی ساری کشتیاں ایک ایک کر کے جلتی جا رہی تھیں اس کی تو کوئی محنت رنگ نہیں لائی تھی کوئی خدمت صلہ دے کر نہیں جا رہی تھی اس نے آخری پر امید نظروں سے تیمور بھائی کی طرف دیکھا' انہوں نے اماں کے فیصلے کے آگے ہار مانتے ہوئے گردن جھکالی' اس نے ضبط کرتے ہوئے اپنی آنکھیں زور سے بند کر کے کھولیں۔

"عالی! اگر آپ کی خوشی ماہین ہی سے ہے تو میں آپ کے راستے میں نہیں آؤں گی اگر اس گھر کے مکین اب تک مجھے سمجھ نہیں پائے' تو کبھی بھی سمجھ نہیں پائیں گے بس آپ سے ایک درخواست ہے مجھ سے اپنے نام کا حق مت چھینیئے گا' میں گھر کے کسی کونے میں پڑی رہوں گی"۔ اس نے خود کو مضبوط رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی پھر بھی آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہے جا رہے تھے اس کے سامنے اس کی کٹیا کو آگ لگ گئی تھی عالی نے اس درخواست پر ماہین کی طرف دیکھا اس نے شان بے نیازی سے شانے جھٹکے اسے ویسے بھی دوسروں کو جلا کر مزہ آتا تھا' سو وہ پوری طرح سے پری وش کو جلانا چاہتی تھی۔

"اگر یہ نام کی بھیک میں مانگ رہی ہے تو بخشا میں نے"۔ بڑے غرور سے ماہین نے کہا تھا۔

"اگر ماہین کو اعتراض نہیں تو مجھے بھی نہیں"۔ عالی نے بھی شان بے نیازی دکھائی۔

"پری وش! کوئی تمہیں اپنی بیوی مانے یا نہ مانے بہو تسلیم کرے یا نہ کرے مگر میں نے تمہیں اپنی چھوٹی بھابی تسلیم کیا ہے' اور ہمیشہ تم ہی میری چھوٹی بھابی رہو گی اور یہ حق تم سے نہیں کوئی چھین سکتا' اور دوسری بیوی ہمیشہ دوسری ہی رہتی ہے' اور یہ دوسری کا درجہ بھی اسے پہلی کی بھیک سے ہی ملتا ہے اور ماہین تم اپنی معلومات درست کر لو تم اسے کچھ نہیں دے رہیں یہ تمہیں دے رہی ہے سو بھیک سمجھ کر رکھ لو اس کا شوہر"۔ نمرہ آخر میں سہی مگر میدان میں کود پڑی تھی اور ہمیشہ کی طرح پری وش کا مکمل دفاع کیا تھا اور اس کا ساتھ دیا تھا اور بھرپور طرح سے دیا تھا کہ ماہین کو آگ سی لگ گئی تھی۔

"عالی! دیکھ رہے ہو تمہاری چھوٹی بہن کیسی بدتمیزی کر رہی ہے"۔ اس کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئی تھیں اس قدر بے عزتی پہ۔

"ابھی تو تمہیں میری بہت سی بدتمیزیاں برداشت کرنی ہیں ماہین بیگم تیار رہنا"۔ نمرہ پاؤں جھٹکتی وہاں سے چلی گئی اور پری وش کو بھی ساتھ لے گئی اس کے ویسے بھی وہاں کھڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ان دونوں کے لاؤنج سے جانے کے بعد بھابی نے ماہین کو اس کی کامیابی پر ڈھیروں مبارک دی تھی اماں بھی خوش تھیں بہت دیر تک لاؤنج سے قہقہوں کی آوازیں پری وش کے ماتم کدہ دل پر ضربیں لگاتی رہیں مگر نمرہ کے علاوہ کسے پرواہ تھی۔ وہ پوری رات اس کے روتے ہوئے گزر گئی' عالی اس کا شوہر تھا مشرقی عورت ہونے کے ناطے نکاح کے دو بولوں کے ساتھ وہ عالی کی محبت میں بھی بندھ گئی تھی سو وہ اپنے دکھ کو اپنے آنسوؤں کے راستے بہا رہی تھی۔

☆☆☆☆

جس نے بھی یہ خبر سنی سن کر سن ہو کر رہ گیا' کوئی دکھ میں تو کوئی حیرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ شادی سے فقط دو دن پہلے لڑکا شادی سے انکار کر دے وہ بھی

ماموں کی بیٹی سے پری وش پہ تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا' اس نے ابھی تو بی اے مکمل کیا تھا وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مگر پھپھو کے بار بار اصرار اور گھر والوں کی خواہش کے آگے اس نے اپنی خواہشوں کا گلا گھونٹ کر اس شادی کے لئے ہاں کی تھی اور جب شادی کو صرف دو دن رہ گئے تو لڑکا مکر گیا کہ شادی کروں گا تو صرف منتاشہ سے جو اس کی بہن کی دوست ہے اور اگر اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تو وہ انتہائی قدم اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرے گا' جوان اولاد کی اتنی بڑی دھمکی سن کر ماں باپ تو تڑپ کر رہ گئے نجمہ نے ماتو پل صراط سے گزر کر یہ پیغام بھائی تک پہنچایا تھا' بھلا وہ بھائی کا سامنا کیسے کرتیں اس شادی کے ہو جانے کا اصرار بھی انہی کا تھا۔

"بھائی صاحب تو بس اپنا دل تھام کر بیٹھ گئے تھے گھر میں پہلی شادی کا ہی ایسا انجام...... خاندان بھر کی باتیں' بیٹی کی رسوائی' کیا کچھ تھا جو برداشت کرنا تھا۔ بالآخر نجمہ کو ہی ترکیب سوجھی اور اس اندھیرے میں انہیں عالی امید کی اک کرن نظر آیا۔ نجمہ اپنی فریاد لے کر بھانجے کے پاس پہنچیں حتیٰ کہ جانتی تھیں کہ عالی ان ہی کی بیٹی کو پسند کرتا ہے مگر اس وقت انہیں صرف اپنے بھائی کی عزت اور بھتیجی کو بنا گناہ کئے عذاب سے بچانا تھا' اس وقت انہیں اپنی بیٹی سے زیادہ بھائی کی بیٹی سے ہمدردی تھی جوان ہی کے بیٹے کے ظلم کا نشانی بنی تھی' عالی نے بہت روکا' منع کیا کہ وہ پری وش سے شادی نہیں کر سکتا مگر نجمہ بیگم نے اس کے پیروں میں اپنا دوپٹہ رکھ دیا تو بالآخر اسے ماننا ہی پڑا مقررہ تاریخ پر شادی ہو گئی مگر پری وش اور عالی کی' منتاشہ اور سلمان کی عالی کی ماں زہرہ بیگم کی لاکھ مخالفت کے باوجود بھی یہ شادی ہو کر رہی کیونکہ عالی ہاں کر چکا تھا۔ زہرہ بیگم کے گھر پری وش بہو بن کر تو آ گئی مگر انہوں نے اسے نوکرانی سے زیادہ اہمیت نہیں دی کیونکہ وہ ان کے سوتیلے بھائی کی بیٹی تھی جن سے زہرہ بیگم نے خود ہی تعلقات اچھے نہیں رکھے تھے اس شادی کے ہو جانے سے نجمہ بیگم کے سینے سے بوجھ سرکا تھا تو پری وش کے والدین بھی کچھ سرخرو ہوئے تھے کیونکہ سلمان کے بعد پری وش اچھی جگہ ہی گئی تھی عالی انہیں ہمیشہ سے پسند تھا اور عالی نے بھی ہمیشہ ان کی عزت کی تھی۔ ان تمام معاملات میں ایک پری وش تھی جو پسے جا رہی تھی عالی نے اسے صاف بتا دیا تھا کہ وہ ماہین سے محبت کرتا ہے اور اسے کبھی نہیں چھوڑے گا پری وش سے شادی صرف ایک سمجھوتہ ہے وہ چاہے تو کبھی بھی اسے چھوڑ سکتی ہے' پری وش نے اب اسے کیا چھوڑنا تھا اس نے اب عالی کو مر کر ہی چھوڑنا تھا۔ شادی کو چھ ماہ گزر چکے تھے مگر دونوں کا تعلق صرف اتنا تھا ایک گھر میں رہنے والے دو مہمان۔ پری وش اس گھر کی خدمت میں لگی ہوئی تھی اور گھر کے بیشتر مکین اسے نوکر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے جن میں اماں اور بڑی بھابی سر فہرست تھیں بڑی بھابی تو ان کی فیورٹ بہو تھیں کیونکہ وہ ان کی سگی چھوٹی بہن کی بیٹی تھیں۔ تو اماں نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا تھا' شادی کو اتنے سال گزر گئے مگر ان کا چاؤ ختم نہیں ہوا تھا اور بڑی بھابی بھی ناز اٹھوانا خوب جانتی تھیں بس اس گھر میں قدر نہیں تھی تو پری وش کی نہیں تھی۔

☆☆☆☆

عالی بہت خوش تھا' اسے اپنی محبت حاصل ہونے جا رہی تھی اسے لئے اس کی خوشی تو دیدنی تھی اور اس سے بھی کئی زیادہ خوش شازمین بھابی تھیں پتہ نہیں کیوں انہیں پری وش کا پری وش چہرہ دیکھتے ہی غصہ آ جاتا تھا' عالی اور ماہین شادی تو خاموشی سے کر رہے تھے مگر تیاریاں پورے زور و شور سے کر رہے تھے اور اماں ان کا خوب ساتھ دے رہی تھیں' بس ایک نمرہ تھی جسے ان تمام معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس

دن تیمور بھائی حسب سابق آفس گئے ہوئے تھے عالی اپنی مصروفیات میں گم تھا' بھابی اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں پری وش کو پورے ہفتے بعد اپنے کمرے کی تفصیلی صفائی کرنے کا موقع ملا تھا' حسب روایت اماں صحن میں تخت پر براجمان تھیں اور ان کے قریب نمرہ بیٹھی ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی جب نمرہ کی دلخراش چیخ سے پری وش اور بڑی بھائی اپنے کمرے سے بڑبڑاتی دوڑی چلی آئی تھیں' آگے کا منظر ہی عجیب تھا' اماں تخت پر الٹی پڑی تھیں اور نمرہ انہیں سیدھا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''یہ کیا ہوگیا اماں کو......؟'' پری وش آگے آئی اماں کو اٹھانے کے لئے اس کے ساتھ بڑی بھابی بھی تھیں۔

''پتہ نہیں بھابی کچھ کریں اماں تو کچھ بول ہی نہیں رہیں''۔ نمرہ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے دونوں نے اماں کو اٹھا کر سیدھا کیا تھا' اماں تقریباً بے ہوش ہو چکی تھیں۔

''کچھ کرو بھی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا' تیمور کو کال کرو' عالی کو بتاؤ''۔ بڑی بھابی پانی کا گلاس بھر لائیں' پری وش اماں کے پاؤں کے تلوے مسلنے لگی' نمرہ مسلسل انہیں پکارے جا رہی تھی۔

''بھابی اماں کو کیا ہوگیا ہے انہیں ہوش کیوں نہیں آ رہا یہ جواب کیوں نہیں دے رہیں''۔ نمرہ رونے لگی تھی پری وش نے آ کر اسے تھاما۔

''کچھ نہیں ہوگا اماں کو تم حوصلہ رکھو''۔ پری وش نے اس کا کاندھا تھپکا اور جلدی سے اندر جا کر اپنا موبائل اٹھا لائی تھی' تیمور بھائی' عالی سب کو ہی کال کر دی اور پھر سامنے والی آنٹی کی مدد سے ان کی گاڑی میں اماں کو اسپتال پہنچایا' تیمور اور عالی کے پہنچنے تک اماں آئی سی یو میں تھیں' ڈاکٹر نے ہائی بلڈ پریشر ہوجانے کی وجہ سے فالج کا اٹیک بتایا تھا۔ بروقت اسپتال پہنچ جانے پر ڈاکٹر نے انہیں امید بھی دلائی تھی کہ ان کے ٹھیک ہوجانے کے چانسز زیادہ ہیں کیونکہ بروقت اسپتال پہنچا دیا گیا کیونکہ اگر تھوڑی سی بھی لاپروائی کی جاتی یا کسی وجہ سے دیر ہو جاتی تو خون دماغ کی شریانوں سے نکل کر دماغ میں پھیل جاتا جس سے ان کے بچنے کے امکانات کم ہو جاتے یا اگر بچ بھی جاتیں تو کومے میں چلی جاتیں اور یہ کام بے شک پری وش نے ہی کیا تھا کہ اس نے تیمور اور عالی کے پہنچنے کا انتظار نہیں کیا تھا بلکہ اپنی مدد آپ کے تحت خود اماں کو بروقت اسپتال پہنچا دیا تھا۔ عالی تیمور بھائی اور نمرہ اس کے بے حد مشکور تھے جبکہ پری وش کے لبوں پر ایک ہی جملہ تھا کہ میں نے کوئی احسان نہیں کیا یہ میرا فرض تھا چار دن انتہائی نگہداشت میں رہنے کے بعد اماں کو جنرل وارڈ میں منتقل کر دیا گیا فالج کے اٹیک کی وجہ سے ان کا جسم کا آدھا حصہ مفلوج ہوگیا تھا' بات کرنے سے بھی قاصر ہوگئی تھیں یہ الگ بات ہے کہ ڈاکٹرز نے امید دلائی تھی کہ مستقل اور لونگ ٹرم ٹریٹمنٹ سے یہ ٹھیک ہو سکتی ہیں۔ گھر لانے کے بعد نمرہ اور پری وش ہی تھی جو ان کی خدمت میں لگی رہتی تھیں بڑی بھابی کو تو اب اپنے بچوں سے ہی فرصت نہ ملتی تھی ویسے بھی پلنگ پر پڑی اماں اب ان کے کسی کام کی نہ رہی تھیں ان کے پاس تو اب اتنا بھی ٹائم نہ رہتا کہ دو گھڑی اماں کے پاس بیٹھ کر تسلی ہی دے لیتیں۔ عالی اماں کی وجہ سے پریشان تھا اور ماہین کو اپنے نکاح ہوجانے کی پڑی تھی نجمہ خالہ بھی ماہین کو بہت کچھ سنا چکی تھیں مگر اس پر تو کسی بات کا اثر ہی نہ تھا۔

☆☆☆☆

ایک اور شام بڑی بھابی نے بڑا سا دھماکہ کر دیا کہ آفس کی طرف سے تیمور بھائی کو فلیٹ ملا ہے سو وہ لوگ وہاں شفٹ ہو رہے ہیں عالی نمرہ نے ٹوکا مگر ان پر اثر نہ ہوا اور حتیٰ کہ اماں کی التجا کرتی روتی آنکھیں بھی ان کے قدم نہ روک سکیں اور وہ دونوں گھر چھوڑ گئے' پری وش دل و جان سے اماں کی

خدمت میں لگی ہوئی تھی وہ روز فزیو تھراپی کے علاوہ بھی ان کے جسم کی مالش کرتی وقت پر کھانے کا خیال رکھتی ان کے اشارے سے پہلے ان کی طلب کو سمجھ جاتی اماں اس کی دن و رات کی کوششوں کو دل سے محسوس کر رہی تھیں وہ بنا کسی حیلے اور لالچ کے ایسا فرض نبھا رہی تھی جبکہ اس گھر کے مکینوں نے اسے اجنبیت کے علاوہ اور دیا ہی کیا تھا۔ اس دن وہ اماں کو سوپ پلا رہی تھی جب ماہین آئی تھی عالی بھی گھر پر تھا وہ اماں کے پاس آ کے خیریت معلوم کرنے کی بجائے سیدھا عالی کے پاس گئی تھی۔

''عالی! کب تک میں تمہارا انتظار کروں گی' آخر تم کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے''۔ آج وہ پوری تیاری کے ساتھ آئی تھی اور کافی غصے میں بھی تھی۔

''ماہین! اماں کی حالت تمہارے سامنے ہے تو اس حالت میں' میں اپنی شادی کیسے کر سکتا ہوں''۔ اس نے حیرت سے ماہین کی طرف دیکھا تھا جو خود غرض لگ رہی تھی۔

''تمہاری اماں نے تو اب ٹھیک نہیں ہونا پوری زندگی ایسے ہی بیڈ پر پڑے رہنا ہے ان کے بچے اپنی زندگی کیوں خراب کر رہے ہو''۔ اس نے اپنے شولڈر کٹ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے مکاری سے کہا۔

''ماہین ذرا سنبھال کر بات کرو' وہ کوئی اور خاتون نہیں میری ماں ہیں''۔ عالی کو بھی اس کی باتوں اور لب و لہجے پر غصہ آ گیا تھا۔

''ماں تو وہ تیمور بھائی کی بھی تھیں مگر وہ تو چھوڑ گئے ناں''۔ اس نے یاد دلایا۔

''کیوں کہ میں واقعی تیمور بھائی نہیں ہوں کہ جیسا انہوں نے کیا ویسا میں بھی کروں''۔ وہ غصے سے کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔

''دیکھو عالی! حقیقت پسندی سے چیزوں کو دیکھو' تمہیں اپنی ماں کی فکر ہے ٹھیک ہے' ہم ایسا کرتے ہیں شادی کر کے کہیں الگ رہتے ہیں تم خالہ سے ملنے روز آتے رہنا اور یہاں ان کی خدمت کے لئے ویسے بھی پری وش تو ہے ہی' وہ پورا دھیان رکھے گی اسے اس گھر میں رہنے کی جو جگہ بھیک میں دی ہے اس کے عوض خالہ کی خدمت کر لے گی تو کوئی احسان نہیں کرے گی''۔ ماہین نے پوری طرح سے پلاننگ کی ہوئی تھی فخریہ بتا رہی تھی عالی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا دماغ تو درست ہے اگر ہماری شادی ہو بھی جاتی ہے تو میں اماں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا اور شادی کے بعد پری وش کی جگہ تمہیں اماں کی خدمت کرنی ہوگی میں تو ویسے ہی بہت شرمندہ ہوں اس سے' اس کے احسانوں تلے دبتا چلا جا رہا ہوں''۔ عالی نے بھی کھری کھری سنا کر اس کا مزاج ٹھیک کرنے کی کوشش کی تھی۔

''مائی فٹ! میں تمہاری اماں کی خدمتیں کرنے کے لئے شادی نہیں کر رہی اور نہ تمہاری اماں میری ذمہ داری ہیں مجھ سے ایسی امید مت رکھنا''۔ وہ تنک کر بولی غصے سے اس کی ناک کے نتھنے پھولنے لگے تھے عالی بھی غصے سے باہر نکل گیا' اور یہ ساری گفتگو دوپہر کمرے میں موجود اماں نمرہ اور پری وش نے سن لی تھیں' اماں کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے تھے انہوں نے پری وش سے نظریں چرا لیں تھیں۔ جس بہو کو انہوں نے بڑے لاڈ اور چاؤ سے رکھا تھا وقت پڑنے پر وہ ساتھ چھوڑ گئی تھی اور جسے چاؤ سے بہو بنانا چاہتی تھیں وہ بھی ساتھ دینے کو تیار نہ تھی' یہاں وہی رشتے نبھا رہی تھی جسے نہ کبھی ان کے دل نے قبول کیا اور نہ گھر نے۔

☆☆☆☆

کچھ دنوں سے پری وش محسوس کر رہی تھی کہ اماں بات کرنے کی کوشش کر رہی ہیں اور ہاتھ بھی ہلانا' اٹھانا شروع کر رہی ہیں ادھر ماہین اور عالی کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں ماہین عالی پر زور ڈال رہی تھی کہ وہ سب چھوڑ کر اس کے پاس آ جائے جبکہ عالی ایسا کیسے کر سکتا تھا' اس دن وہ اماں کو نہلا کر کپڑے چینج کروانے اور ان کا پرہیزی کھانا بنانے کچن میں آ گئی تو تھوڑی دیر بعد عالی بھی کچن میں آ گیا وہ اپنے لئے چائے بنانے آیا تھا۔

''چائے چاہئے تھی تو مجھے بتا دیتے میں بنا دیتی''۔ وہ چائے کے لئے پانی ڈال رہا تھا جب نگاہیں جھکائے ہوئے پری وش نے کہا۔

''کیا کیا کرو گی تم اور کیا کیا کروائیں ہم تم سے''۔ اس کے لہجے میں یاس گھلا ہوا تھا۔

''میں نے کوئی اتنا بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا''۔ اس نے نارمل جواب دیا۔

''پری وش! میں بہت شرمندہ ہوں تم سے' یہ تمہارے کام نہیں ہیں جو تمہیں کرنے پڑ رہے ہیں''۔ وہ کیبن سے کپ نکالنے لگا۔

''مانا کہ اس گھر نے کبھی تمہیں اپنا نہیں سمجھا مگر یہ حقیقت ہے کہ میں نے اس گھر کو اور اس گھر کے مکینوں کو اپنا جانا ہے اماں صرف میری ساس ہی نہیں پھپھو بھی ہیں اور ان کے کسی کام میں آ سکوں یہ میرے لئے باعث فخر ہوگا''۔ اس نے مدلل لفظوں میں اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

''اور اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں''۔ اس نے آخری بات کر کے بات ہی جیسے ختم کر دی' عالی نے پری وش کو حیرت سے دیکھا کیسی لڑکی تھی فولاد جیسی قوت ارادی کی مالک جس پر کسی بھی غلط رویے کا اثر نہیں ہو رہا تھا وہ تو بس اپنی دھن میں لگی ہوئی تھی عالی کی چائے تیار تھی اس نے دو کپوں میں چائے نکالی ایک کپ اپنے لئے اٹھایا اور ایک پری وش کے آگے رکھا۔

''تھینک یو''۔ پری وش نے نگاہیں اٹھائے بغیر ہی شکریہ ادا کیا عالی کچن سے نکل گیا۔ اماں کی طبیعت میں دن بدن بہتری آ رہی تھی اور سب ہی اس کا کریڈٹ پری وش کو دے رہے تھے اور یہی سچ بھی تھا بڑی بھابی بھی کبھار احسان کرتے ہوئے انہیں دیکھنے چلی آتی تھیں اور کچھ دیر سے زیادہ نہ بیٹھتی تھیں اور نہ تیمور بھائی کو بیٹھنے دیتی تھیں' اماں تو شاز مین کے رویئے پر بہت دکھی تھیں مگر سچ کہتے ہیں آڑے وقت میں ہی اپنوں اور غیروں کا پتہ چلتا ہے اور برے وقت میں ان کا ساتھ پری وش نے ہی دیا تھا اور جسے وہ اس گھر کا مالک سمجھتی تھیں وہ تو آفت پڑنے پر گھر ہی چھوڑ گئی تھیں۔ اماں ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بات کرنے لگی تھیں ان کے انداز لب و لہجے میں پری وش کے لئے واضح تبدیلی آئی تھی اب وہ اس سے بہت نرمی سے پیش آنے لگی تھیں عالی بھی اس کی دن رات کی محنت دیکھ رہا تھا اور دل سے اس کی عزت اور قدر کرنے لگا کہ یہ لڑکی بنا کسی لالچ اور صلے کے اس کی ماں کی خدمت کر رہی تھی وہ پری وش پر غور کرنے لگا تھا۔ پری وش بھی محسوس کر رہی تھی کہ اب اس گھر میں ماہین کا ذکر نہیں ہو رہا اور نہ ماہین کی کالز آ رہی ہیں اور نہ ہی اب عالی گھر سے باہر رہتا ہے۔

اماں کی طبیعت بہتر ہونے کی خوشی میں عالی نے خاندان کے بیشتر لوگوں کو دعوت پر بلایا تھا جس میں شاز مین بھابی' نجمہ خالہ' زینب خالہ کے علاوہ پہلی بار تھا کہ پری وش کے میکے والوں کو بھی نجی دعوت پر نہیں بلایا گیا تھا اور یہ عالی کی طرف سے پری وش کے لئے سرپرائز تھا۔

عالی کے حکم پر پری وش اور نمرہ صبح سے ہی کچن میں مصروف ہو گئی تھیں جبکہ اماں ڈرائنگ روم میں اپنا اسپیشل چھوٹا والا تخت لگائے نیم دراز تھیں اور آنے والوں کو مسکرا مسکرا کر ویلکم کر رہی تھیں۔ زینب خالہ اور نجمہ خالہ تو خوش تھیں کہ ان کی بڑی بہن روبہ صحت ہو رہی ہیں مگر زینب کی بیٹی ان کی اپنی بہو شاز مین کو ان کے ٹھیک ہونے پر حیرت ہو رہی تھی' شام تک پری

وش کے میکے والے بھی پہنچ گئے تھے پری وش انہیں اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی اماں اور عالی نے بڑی خوش دلی سے ان کا خیر مقدم کیا تھا وہ بھی بہت تپاک سے ملے۔ شاز مین نے آنکھوں ہی آنکھوں سے ماہین کو معنی خیز اشارے کئے ماہین سے بھی برداشت نہ ہو رہا تھا ان کا آنا جبکہ نجمہ خوش تھی بھائی سے مل کر۔

''مامی! آج کی اسپیشل دعوت میں آپ کو بلایا گیا ہے یا خود ہی چلے آئے ہیں''۔ ماہین نے آخر اپنے اندر کی جلن باہر نکال ہی دی۔

''ماہین! کیا بدتمیزی ہے یہ' ایسے بات کرتے ہیں بڑوں سے''۔ نجمہ خالہ نے اسے غصے سے گھورا۔

''میں نے بلایا ہے ان کو تمہیں کوئی اعتراض ہے''۔ عالی اپنی جگہ سے اٹھ کر ماموں کے برابر آ کے بیٹھ گیا۔

''اوہ! اچھا آج کے اسپیشل اعلانات سے تم انہیں بھی باخبر رکھنا چاہتے ہو' او کے پھر ٹھیک ہے''۔ ماہین بیگم کو کچھ زیادہ ہی خوش فہمیاں تھیں ماموں نے نہ سمجھی میں عالی کو دیکھا' عالی نے انہیں ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا۔

''ہاں آج بہت سے اعلانات ہوں گے اور بہت سی پیش گوئیاں بھی' سو تم بھی تیار رہنا''۔ عالی نے فارمل سے انداز میں جواب دیا۔

سب اماں کو صحت یابی کی مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے عالی کے چکر کچن میں کچھ زیادہ ہی لگ رہے تھے ماہین نے محسوس کیا' کھانا لگ گیا تو سب کھانے کے لئے اٹھ گئے یہاں بھی ماہین نے دیکھا کہ عالی پری وش کی پوری مدد کر رہا تھا' کھانا لگانے میں' چیزیں سیٹ کرنے میں' بالکل ایک ویٹر بنا ہوا تھا' آخر میں جب وہ کھانے کے لئے بیٹھا تو اس نے اپنے ساتھ والی کرسی پری وش کے لئے پیش کی پری وش نے اسے حیرانگی سے دیکھا عالی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی ماہین کو بہت ناگوار گزرا مگر چپ رہی۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا' عالی نے ماہین کو چائے بنانے کا کہا تو اس نے صاف منع کر دیا کہ میں چائے نہیں بنا سکتی عالی طنزیہ مسکرایا' نمرہ نے سب کے لئے چائے بنائی اور عالی اور پری وش نے سرو کی۔ پری وش کے والدین' عائشہ اور جنید' بہن اور بہنوئی کو اس طرح ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے جبکہ ماہین سوچ رہی تھی کہ ان کی خوشی بس چند لمحوں کی اور رہ گئی ہے۔

''خواتین و حضرات! میری اس دعوت پر آپ سب کے آنے کا بہت شکریہ اماں کی صحت کے علاوہ آپ سب کو یہاں اکٹھا کرنے کا ایک اور مقصد بھی تھا''۔ عالی نے بولنا شروع کیا اور سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

''میں ڈیڑھ سال پہلے نجمہ خالہ کی التجاؤں اور ماموں کو رسوائی سے بچانے کے لئے ایک زبردستی کے رشتے میں بندھ گیا جو میں نے کبھی نہیں چاہا تھا مجھے خالہ کی التجاؤں اور آنسوؤں کے آگے اپنی محبت کو قربان کرنا پڑا اور اس کا الزام میں کہیں نہ کہیں خالہ کو دیتا آیا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی خوشی کے لئے میری خوشی قربان کر دی اور یہی وجہ رہی کہ میں نے پری وش کو بھی توجہ نہ دی''۔ وہ بول رہا تھا اور سب سن رہے تھے ماہین کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جبکہ پری وش کی آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔

''پھر حالات نے پلٹا کھایا اماں پر فالج کا اٹیک ہو گیا' سب ایک ایک کر کے اماں کو چھوڑ کے چلے گئے حتیٰ کہ اماں کا بڑا بیٹا اور لاڈلی بہو بھی' ماہین نے بھی ان کی ذمے داری لینے سے انکار کر دیا' ایسے میں صرف ایک پری وش ہی تھی جو امید کا دیا بن کر میرے اماں کے اور اس گھر کے ساتھ رہی' جس نے کسی بھی قدم پر احساس نہیں ہونے دیا کہ ہم اکیلے ہیں جس نے کبھی ان کی خدمت سے بیزاری ظاہر نہیں کی جس نے اماں کی اپنی ماں سمجھ کر دن رات خدمت کی اور یہ

اسی کی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج آپ اماں کو اپنے وجود پر کھڑا دیکھ رہے ہیں یوں ہنس کر باتیں کرتے سن رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتی تو اماں صحت یاب بھی نہ ہوتیں"۔ اس نے محبت لٹاتی نظروں سے پری وش کی طرف دیکھا' پری وش کی آنکھوں سے روانی سے آنسو بہہ رہے تھے جبکہ بھابی اور ماہین شدید تذبذب کا شکار ہوگئی تھیں۔

"میں نے پری وش کو چھوڑ کر ماہین کو اپنانے کا فیصلہ کرلیا تھا مگر جب ماہین نے میری ماں کی ذمے داری لینے سے انکار کردیا تو میں سوچ میں پڑ گیا' پھر میں نے نجمہ خالہ سے رابطہ کیا تمام حالات بتائے تو انہوں نے پری وش کا ساتھ دیا اور کہا کہ اس گھر کے لئے پری وش سے بہتر بہو اور کوئی بھی ثابت نہیں ہوسکتی اور انہوں نے مجھے ڈانٹا بھی اور کہا کہ تمہاری آنکھیں اب تک نہیں کھلیں' بے شک ماہین میری بیٹی ہے مگر وہ تمہارا گھر نہیں سنبھال سکتی"۔ وہ بڑے بڑے انکشافات کررہا تھا ماہین نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بہت مطمئن سی مسکرا رہی تھیں۔

"پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ پری وش میرے دل میں جگہ بناتی گئی اور اب یہ حال ہے کہ ماہین میرے دل میں کہیں بھی نہیں ہے' اگر کوئی ہے تو بس وہ صرف پری وش ہے"۔ یہ تو سب سے بڑا دھماکہ تھا جو اس نے کیا ماہین کے تو چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا' ماموں مامی کی خوشی دیدنی ہورہی تھی پری وش حیرت سے آنکھیں پھاڑے عالی کو دیکھ رہی تھی' شازمین بھی ماہین کی ہار پر افسردہ تھی۔

"میں نے بہت سے لوگوں کے درمیان اپنے اور پری وش کے ان چاہے رشتے کو قبول کیا تھا اس لئے میں چاہتا تھا کہ بہت سے لوگوں کے درمیان ہی میں اپنی چاہت کا اظہار بھی کروں' تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ یہ رشتہ اب ان چاہا نہیں رہا' سب کی غلط فہمیاں اور خوش فہمیاں دور ہوجائیں"۔ اس نے ماہین کی طرف دیکھا تھا جو غصے سے لال پیلی ہورہی تھی اور پھٹنے کو تیار تھی۔

"اماں! آپ کو کوئی اعتراض ہے تو بتائیں"۔ عالی اماں کے قدموں میں آکر بیٹھ گیا' اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"یہ سچ ہے کہ پری وش مجھے بھی پسند نہیں رہی اور میں ہمیشہ اسی سازش کا حصہ رہی کہ کب اسے اس گھر سے اور اپنے بیٹے کی زندگی سے نکال باہر کروں' مگر میری معذوری و بیماری کی وجہ سے اپنی ذات کو بھلا کر ہمارے دیئے زخموں کو درگزر کرکے جس طرح میری خدمت کی تو میں تو اب کبھی نہیں چاہوں گی کہ پری وش جیسی بہو کو کھودوں جن لوگوں پر مجھے مان تھا وہ سب ہاتھ چھڑا گئے اور جسے میں نے کھوٹا سکہ سمجھا تھا وہی میرے کام آئی تو مجھے تو اب ان سب سے بھی اور اپنی اولاد سے بھی قیمتی یہی ہے"۔ اماں نے پورے خلوص سے دل کی ساری باتیں کردی تھیں پری کا دل اللہ کے حضور سربسجود ہوگیا بن مانگے وہ سب بھی مل رہا تھا جس کا سوچا بھی نہ تھا۔

"نجمہ میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں کہ تم نے اتنا قیمتی ہیرا میرے حوالے کیا اور میں اتنی بدبخت نکلی کہ کھوٹے اور ہیرے کو پہچان ہی نہ پائی سچ مانو تو تم نے احسان کیا مجھ پر"۔ اماں اب نجمہ خالہ سے مخاطب تھیں عالی پری وش کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"بس زہرہ آپا میری قسمت کھوٹی تھی جو مجھے ایسی بہو نصیب نہ ہوئی اور میری بہو کو دیکھو میرے بیٹے کو چھین کر لے گئی ہمیں تو اب وہ پہچانتا بھی نہیں ہے"۔ نجمہ خالہ کو پری بے شک عزیز تھی اور وہ دل سے اس کی قدر کرتی تھیں۔

"بھائی' بھابی آپ لوگ بھی مجھے معاف کردیں میرا رویہ کبھی آپ لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں رہا' مگر آپ نے جس انداز میں اپنی بیٹی کی تربیت کی ہے اسے صابر و شاکر رہنے والا گر سکھایا ہے یہ بے شک

قابل تعریف ہے اور یہ اس کی محبت' لگن اور محنت کا نتیجہ ہے کہ میرے دل سے سب کے لئے نفرت کی جو دھول تھی وہ چھٹ گئی ہے اور اب ہر طرف بس اجالا ہے"۔ زہرہ بیگم نے پہلی بار اپنی انا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دل سے معافی مانگی تھی اور دونوں کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے' انہوں نے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگالیا' بھائی نے سر پر ہاتھ رکھا سب کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر خوشی کے۔

"عالی! تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے"۔ ماہین غصے سے دھاڑی تھی۔

"مس ماہین آج تک ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے آئے ہیں ہم دونوں کو ایک دوسرے سے نہیں بلکہ ایک دوسرے سے منسوب اپنی ہر غرض سے محبت تھی' تمہیں اگر مجھ سے محبت ہوتی تو مجھ سے منسوب ہر شخص میری ہر بات سے محبت ہوتی' مگر تم نے ایسا نہیں کیا' میرے ہر رشتے سے محبت کی میرے کام اپنے سر لے لئے' میری ذمے داریاں نبھائیں' سو مس ماہین اب یہاں سے تمہارے اور میرے راستے جدا ہوتے ہیں"۔ وہ پری وش کے پاس آکر کھڑا ہوگیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا اس نے شرم سے نگاہیں جھکالیں۔

"اب میں ساری زندگی پری وش کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں"۔ اس نے محبت سے کہا تھا پری وش کی آنکھیں شرم سے مزید بھیگ گئیں۔

"پری وش کیا تم مجھے اپنے قابل سمجھتی ہو کہ ساری زندگی میرے ساتھ گزار سکو"۔ عالی نے اس سے سوال کردیا اور ساتھ ہی اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا' پری وش نے کچھ پل سوچا اور پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جس کا مطلب تھا کہ وہ رضامند ہے ایک گہرا سکون عالی کے اندر تک اتر گیا سب ہی ان کے یوں ملن پر خوش تھے سوائے شازمین اور ماہین کے' ماہین سے تو برداشت نہ ہوا وہ وہاں سے چلی گئی جب کہ بھابی کے بس میں کچھ نہیں تھا تو انہیں اسی رشتے کو مانتے ہی بنی۔

"آخر ہماری چھوٹی بھابی کی خوبیوں کو سب مان ہی گئے"۔ نمرہ کی چہکتی آواز آئی۔

"ہاں بھئی تم اور تمہاری چھوٹی بھابی ہمیشہ ٹھیک تھے بس ہم ہی غلط تھے جو سمجھ نہیں پائے' اور اب اپنی چھوٹی بھابی سے کہو کہ ہمیں کھلے دل سے معاف کردے"۔ اماں نے مسکراتے ہوئے کہا تو عالی اور پری وش اماں کے پاس آگئے اماں نے دونوں کو گلے سے لگالیا۔

"اماں! مجھے معاف کردیں' میں خود غرض ہوگئی تھی"۔ بڑی بھابی کو بھی ندامت نے گھیر لیا تھا وہ بھی ہاتھ جوڑے اماں کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔

"نہیں بڑی بہو! قصوروار صرف تم ہی نہیں میں بھی ہوں' اگر چھوٹے غلطی کریں تو بڑوں کو انہیں سمجھانا چاہیئے نہ کہ ان کا ساتھ دیں اور میرے ساتھ یہی ہوا کہ تمہیں سمجھانے کے بجائے تمہاری دکھائی راہوں پر چل پڑی جبکہ تم سراسر غلط تھیں مگر میں نے تمہاری تصحیح نہیں کی اور خود بھی غلطی پر غلطی کرتی گئی یہ تو پری وش کی اچھائی ہے جس نے میری آنکھیں کھول دیں ورنہ کتنا بڑا ظلم میرے ہاتھوں ہوجاتا"۔ اماں کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہہ رہے تھے انہوں نے سارے بچوں کو بلا کر گلے لگا کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا سب کے دلوں سے نفرت' کدورت کے بادل چھٹ گئے تھے اور سب کچھ روشن روشن تھا' بھابی نے پری وش سے بھی معافی مانگ لی تھی پورا گھر ایک بار پھر ساتھ ہوگیا تھا نمرہ بہت خوش تھی بالآخر اس کی چھوٹی بھابی اس گھر کی اعلیٰ ظرف بھابی ثابت ہوئی تھی' عالی بے حد مسرور تھا اور پری وش بے حد مطمئن' بالآخر اس کی اچھائیوں نے اپنے آپ کو منوالیا تھا اور اس کا رستہ محبت نے دیکھ لیا تھا۔

☆☆......☆☆......☆☆

سعدیہ اقبال

افسانہ

بھر محبت کی یاد میں

آج دلوں کا موسم بڑا رنگین سا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ٹھنڈی میٹھی ہوا کے ساتھ رنگ برنگے گلابوں کی پنکھڑیاں ہمیں چھو کر گر رہی تھیں۔ محبت ہم میں جی رہی تھی اور ہم محبت میں زندہ تھے۔ ایک نرم و نازک معطر سی خوشبو نتھنوں کے ذریعے اندر تک کو سرشار کر رہی تھی۔ کتنا حسین منظر تھا ہر غم اور دکھ سے دور اپنی ہی دنیا میں جس میں سرشاری تھی۔

☆............☆............☆

اُسامہ کی ڈائری۔

محبت بہت خوبصورت جذبہ ہے یہ کسی خوبصورت پرندے کی طرح آزاد ہوتا ہے اور اسی خوبصورتی کا احساس مجھے اچانک ہوا تھا اور پھر میری زندگی کا اثاثہ بھی محبت بن گئی۔

وہ پھولوں جیسی نرم و نازک لڑکی مجھے ایسے پیاری ہے جیسے کسی مصنف کو اپنی ''تحریر'' کسی شاعر کو اپنی شاعری، جیسے دل کو دھڑکن اور روح کو جسم پیارا ہوتا ہے۔ جب اس کے معصوم چہرے پر نظر ڈالتا تھا تو لگتا تھا کہ نرم سفید روئی جیسا بادل ہو، جس کے چہرے پر ہر دم سنہری مسکان رہتی ہو۔ ہمیشہ تمہاری یادیں میرے گرد رقص کرتی ہیں ''پری''... مگر آج لگتا ہے زندگی کا مقصد مل گیا ہے۔ ادھوری محبت کا کنارہ مل گیا جو کبھی بھنور میں کھو چکا تھا۔

☆............☆............☆

پری کی ڈائری۔

جس عمر میں لڑکیوں کو سنبھل کے قدم اٹھانے کی تاکید کی جاتی ہے محبت اسی عمر میں میرے قدموں میں بیڑی ڈال گئی تھی، کم عمر کے نرم جذبوں کا احساس بہت ہی خوشگوار سا تھا۔

وہ آج بھی میری سانسوں میں مہکتا ہے۔ میرا دل آج بھی اسی کی لے پر دھڑکتا ہے۔ اسے سوچنا مجھے پرسکون کر دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے بہت سی اذیتوں سے دور مجھے ایک خوبصورت وادی میں لے آیا ہے جہاں شفاف پانی کے جھرنے کی پھوار میرے دل کو شانت کر رہی ہے۔ اس کی محبت کے حصار میں رہنا میں اپنا حق سمجھتی ہوں اور اب عنقریب ہمارا ملن ہوگا وہ بہت جلد لوٹنے والا ہے۔ میری محبت کی بے قراری ''اسامہ'' کے انتظار میں ہے۔

☆............☆............☆

پری اور اسامہ چچا زاد کزن تھے، بچپن سے وہ ایک ساتھ رہے، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اسامہ کو جو پہلا جذبہ محسوس ہوا وہ پری کے لئے تھا۔ وہ حیران تھا اتنا مضبوط جذبہ کب پیدا ہو گیا اس کے دل میں، دن جیسے بڑھتے گئے محبت کی بے چینی بھی بڑھتی گئی۔ بالآخر ایک دن وہ پری سے اظہار کر بیٹھا۔ وہ بھی اس کے جذبوں سے واقف ہو گئی تھی۔

اس بات کا احساس اسے تب ہوا جب ہر وقت اسامہ پری کو اپنی محبت کے حصار میں رکھنے لگا۔ دھیرے دھیرے پری بھی اس کی ہمسفر بن گئی۔ بڑی



خاموش محبت دونوں کے بیچ ہونے لگی۔ ایک احساس تھا جو دونوں کو مقید کیے رکھتا۔ جب کبھی اسامہ پری کی نظروں سے دور ہوتا وہ بے چین ہو جاتی اور جب وہ لوٹ کر آتا اس پر پیار بھری نظر ڈالتا تو وہ یکدم پرسکون ہو جاتی۔ پری کو اسامہ کی محبت کے حصار میں رہنا پسند تھا۔

وہ اس کا حد سے بڑھ کر خیال کرتا تھا وہ اس کی اتنی محبت پر نثار ہو جاتی بس ایک دن کچی عمر کے پکے جذبوں کو کسی کی نظر لگ گئی۔

☆............☆............☆

ان کے والدین کے حالات آپس میں ناساز رہنے لگے، کاروبار کے سلسلے میں جھگڑے ہونے لگے، چونکہ وہ دو ہی بھائی تھے خاندان کے نام پر ان کا کوئی نہ تھا، اسامہ اور پری ان کی اکلوتی اولادیں تھیں۔ آخرکار خون سفید ہونے لگا اور دونوں بھائی جھگڑ کر کاروبار الگ کر کے ہمیشہ کے لئے الگ ہو گئے۔ اسامہ کے والد بیرون ملک شفٹ ہو گئے اور وہ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ پری اور اسامہ کی محبت انجانے میں ختم کر گئے اور ابھی ان کی اتنی سمجھداری کی عمر نہ تھی کہ وہ اپنی محبت بتاتے بھی تو والدین بچپنا کہہ کر ٹال جاتے۔

جاتے وقت اسامہ نے اپنی سیاہ ڈائری پری کی طرف بڑھائی تھی اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ تھیں اور پری کا رو رو کے برا حال تھا۔ روتے روتے اس نے اپنی سرخ ڈائری اسامہ کی طرف بڑھائی۔

''رومت پری ورنہ میں جا نہ سکوں گا، میں اپنے ماں بابا کی وجہ سے مجبور ہوں، ہماری محبت رہے گی ہمیشہ، ہم دونوں اپنی محبت ان ڈائریوں میں رقم کریں گے، ہم ملیں گے ایک دن، تمہارے بعد یہ ڈائری میری محبت کی گواہ ہوگی''۔ اس کے سرخ گالوں سے آنسو پونچھتے ہی وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆............☆............☆

اور آج سات سال بعد نا جانے کیسے دونوں بھائیوں میں صلح ہوگئی۔ اسامہ اور پری کو اس بات سے غرض نہ تھی، کیوں، کب، کیسے؟ بس خوشی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا آج اتنے عرصے بعد ان کی محبت کو امید کی کرن نظر آئی تھی۔

آج اسامہ آرہا تھا پری سے ملنے، بس یہی لمحے بہت ہی خاص تھے۔ آج صبح سے ہی وہ تیاریوں میں مصروف تھی۔ آج پری نے اسامہ کی پسند کا گلابی قمیض اور سفید شلوار دوپٹہ پہنا تھا۔ انتظار کی ترسی آنکھوں میں کاجل کی لکیر لگائی اور لمبے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا۔

اسامہ ہر بار اس سے کہتا ”بال کھلے چھوڑا کرو ناں“ تو وہ نہ مانتی۔

”مجھے الجھن ہوتی ہے اسامہ، نہیں سنبھالے جاتے“۔ اور آج بغیر کہے کھول دیئے تھے۔

”پری تم گلابی رنگ میں ایکدم معصوم پری لگتی ہو“۔

”پری اپنی اس چھوٹی سی ناک میں لونگ پہنا کرو ناں“۔ اسامہ فرمائش کرتا۔

”نہ بابا نہ، بہت درد ہوگا ناک چھدواؤں گی تو“۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی۔ اسامہ کی باتیں ستاتی جا رہی تھیں اور وہ تھا آ ہی نہ رہا تھا۔ کئی گھنٹوں کے انتظار کے بعد آخر وہ وقت بھی آن پہنچا۔

☆..............☆..............☆

اسامہ اندر داخل ہوا اور وقت جیسے تھم گیا۔

وہ آج بھی کاٹن کے سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا، آج بھی بازو اوپر فولڈ کر رکھے تھے ہاں جسم ذرا ابھرا ہوا تھا اور قد بھی پہلے سے لمبا ہو گیا تھا۔

آج بھی وہ پہلے والا اسامہ بن کر آیا تھا لگتا ہی نہیں تھا وہ بیرون ملک سے لوٹا ہے، آمنے سامنے کھڑے وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں گم تھے۔ محبت جیسے روز اول کی طرح آنکھوں میں چمک رہی تھی۔

پھر کسی کے کھنکارنے پر دونوں کا ارتکاز ٹوٹا تھا، والدین آپس میں مل کر گلے شکوے بھلا چکے تھے۔ آج پھر وہ اسامہ کی نظروں کے حصار میں تھی کتنا خوش کن احساس تھا، وہ سرشار تھی۔

رات کے پہر وہ جانتی تھی اسامہ لان میں اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ وہ سیاہ ڈائری تھامے لان میں آگئی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ اسے دیکھتے ہی بینچ پر بیٹھا اسامہ کھڑا ہو گیا۔ ان کے اس ملن پر پھول بھی جیسے نیند سے جاگ کر انگڑائیاں لینے لگے اور فضا میں خوشبو بکھر گئی۔

پری نے ڈائری اس کی طرف بڑھائی، ڈائری اس کے ہاتھ سے تھامتے ہوئے اسامہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالیا۔ دونوں ایک دوسرے کی نگاہوں میں جھانکنے لگے۔

”میں نے کہا تھا ناں پری میں آؤں گا“۔ وہ دھیمے سے بولا۔

”ہاں مجھے یقین تھا اسامہ“۔ وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

”تم تو پہلے سے بھی زیادہ معصوم اور پیاری ہوگئی ہو“۔

”تمہاری محبت کے انتظار نے بنا دیا“۔ وہ نظریں جھکا کر بولی، اسامہ مسکرانے لگا۔

ایک سحر دونوں کے گرد ہالہ سا بنانے لگا اور پھر اقرار کی ضرورت نہ تھی اس اظہار کی رات میں چاند کو گواہ بنا کر وہ دونوں ایک دوسرے کی ڈائری تھامے ایک دوسرے کے دل کا حال جاننے میں مگن تھے۔

اور وہ دونوں ابھی تک اس اصلیت سے انجان تھے ان کے اچانک ملن کی وجہ بھی یہی ڈائریاں تھیں جو ان کے والدین تک سارا حال پہنچا چکی تھیں جس کا نتیجہ تھا وہ آج ایک تھے، صدا کے لئے محبت کے سہانے احساس کے ساتھ۔

☆..............☆..............☆

سحر مبین

افسانہ

سالگرہ

سالگرہ کا دن بہت ''خاص'' ہوتا ہے' زندگی میں بہت اہمیت کا حامل۔ میرے خالص ذاتی تجربے کے مطابق ہم سے منسلک لوگوں کا اپنے لئے رویئے پرکھنے کے پیمانوں میں سے ایک پیمانہ ہماری سالگرہ



ہوتا ہے۔ یہ وہ دن ہوتا ہے جب ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی نے اپنی مصروف ترین زندگی میں ہمیں کتنا یاد رکھا ہوا ہے' یا پھر ہم کسی کے لئے کس قدر اہم ہیں۔ ہیں بھی یا نہیں۔ یہ تقریر جیسی باتیں آج خواہ مخواہ ہی میرے ذہن میں آرہی تھیں حالانکہ میں کوئی بہت جذباتی قسم کی انسان نہیں ہوں۔ مگر واہ رے قسمت!! یہ دن بھی دکھا ڈالا' مجھ پر شدید قسم کا جذباتی حملہ ہو رہا تھا' ہائے ری قسمت!! یہ رشتے ناتے بھی ناں' کیسے کیسے دن دکھاتے ہیں یہ بھی میرا خود کا خالص بیان تھا کہ اس قدر مصروف زندگی میں کسی کی سالگرہ یاد رکھنا بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ کیسے دن آگئے' کیسا زمانہ آگیا' اب تو اپنوں کو بھی اپنوں کی سالگرہ کا دن یاد نہیں رہتا۔ میں قدرے گم صم چلتی ہوئی لفٹ تک پہنچی تھی' چند سیکنڈ لگنے تھے مجھے اپنے فلیٹ تک جانے میں مگر اف!! بجلی نہیں تھی میرے غمگین' افسردہ اور سنجیدہ تاثرات میں مزید سختی آگئی تھی اور میں پھولے سوجے منہ کے ساتھ دو منٹ مسلسل سیڑھیاں چڑھ کر فلیٹ تک پہنچی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا اور آج میں آفس سے گھر آنے میں آدھ گھنٹے سے زیادہ تاخیر کر چکی تھی۔ اس کی ایک نہایت ہی غمگین وجہ تھی میں



ہمیشہ وقت کی پابند رہی تھی اور شام پانچ بجے ضرور فلیٹ میں ہوتی تھی مگر آج کی غمگین وجہ نے مجھے آدھ گھنٹے سے زیادہ لیٹ کردیا تھا' میں نے بیگ کی زپ کھول کر چابی باہر نکالی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے فلیٹ کے اندر تھی' دھپ سے بیگ صوفے پر پھینکا اور خود بھی ستانے کو وہیں بیٹھ گئی۔ کوٹ اتار کر وہیں صوفے پر رکھا اور مایوس سی سوچنے لگ گئی۔

''اف کتنا انتظار کیا تھا میں نے آج کے دن''۔ میرے چہرے کے تناؤ میں مزید اضافہ ہوا۔

''اچھا تو میں ذرا بھی خاص نہیں کسی کے لئے بھی''۔ مزاج قدرے بگڑنے لگا تھا' میں نے ایک شوز اتار کے پھینکا۔

''اوہو...... ریلیکس یار''۔ میں نے خود کو ہی گھرکتے ہوئے پرسکون کرنا چاہا تھا اور اس دوران دوسرا جوتا بھی مخالف سمت میں پھینک دیا۔

''ابھی ٹائم ہی کتنا ہوا ہے''۔ خود کو تسلی دینے کی ہرممکن کوشش کے دوران میں نے گھڑی پر وقت دیکھا تھا' چھ بجنے والے تھے شام کے۔ یعنی اس دن کے اٹھارہ گھنٹے گزر چکے تھے اور...... اور میں ابھی بھی کہہ رہی تھی کہ ابھی ٹائم ہی کیا ہوا ہے۔ میرا پرسکون ہوتا مزاج پھر سے بگڑنے لگا تھا۔ پھر میں نے خود کو نارمل کرنے کے لئے ادھر ادھر دھیان دینا چاہا۔ مجھے پتہ نہیں کیوں آج بہت محسوس ہو رہی تھی یہ بات کہ میری ذرا بھی اہمیت نہیں ہے مگر میں سر جھٹکتے ہوئے اٹھ گئی۔ گرمیوں کی شام تھی ٹھنڈے پانی سے شاور لینے کے بعد میں کافی تروتازہ ہوگئی تھی جو ذہن پر عجیب سی جذباتی کثافت چھائی ہوئی تھی وہ قدرے ڈھل گئی تھی آفس کا لباس تبدیل کرکے میں اب گلے میں پڑی چین کو انگلی سے لپیٹتے ہوئے کچن کی طرف گئی۔ ایک کپ گرین ٹی کا تیار کیا اور کپ ہاتھ میں لئے بالکونی میں آگئی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے فلیٹ سے باہر گئی بیرونی دروازے سے اردگرد دیکھا' وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا' اس کے بعد اندرونی حصہ میں داخل ہوکر کونے کدھروں کا ایک چکر لگالیا۔ کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ ضرور کچھ سرپرائز ہوگا' کیونکہ کچھ نہ کچھ سرپرائز ہوتا تھا مگر وہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ میری بے چینی سوا ہوئی اور گرین ٹی کا پھیکا ذائقہ بے اختیار ہی کڑوا لگا۔ میں نے بے چینی سے کپ میز پر رکھا اور سیل فون اٹھائے پیغامات دیکھنے لگی۔ وہاں ایسا کوئی پیغام نہیں تھا جس میں مجھے سالگرہ کی مبارکباد دی گئی ہو۔ نہ کوئی کال موصول ہوئی تھی دن بھر اور ایسی بے چینی مجھے صبح سے ہی تھی۔ صبح آنکھ کھلتے ہی مجھے یاد آیا تھا کہ آج میری سالگرہ ہے میں نے جلدی سے سیل اٹھا کر دیکھا تھا' مگر میرا سارا جوش وخروش ماند پڑ گیا وہاں کوئی بھی پیغام' مسڈ کال کچھ بھی نہیں تھی۔ تھوڑے مایوس سے انداز میں' میں نے آفس جانے کی تیاری کی وہاں بھی جب پیون کسی کام سے آفس میں آتا تو مجھے اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر مایوسی ہوتی ورنہ میں ان میں کوئی سرخ یا رنگ برنگے پھولوں' کارڈز کی امید رکھتی تھی آفس میں بھی کسی کولیگ نے وش نہ کیا۔ اور میں اپنے منہ سے تو کہنے سے رہی' سب کو پتہ ہی تھا مگر بس یاد ہی نہیں' میں سب سے متنفر ہونے لگی۔ آفس ٹائمنگ ختم ہوئی تو میں نے فیس بک آئی ڈی آن کی' وہاں کئی دوست آن لائن تھے مگر مجھے سالگرہ کا کوئی بھی پیغام موصول نہیں ہوا تھا حالانکہ ان کے نوٹیفکیشن میں بھی یہ آرہا ہوگا کہ آج میری برتھ ڈے ہے۔ میرے موڈ نے بری طرح خراب نہیں ہونا تھا تو اور کیا ہونا تھا' میں سب سے بدگمان ہوتی جارہی تھی۔

''ہوں' مجھے بھی کسی کی ضرورت نہیں ہے' نہیں تو نہ سہی' وقت ہی ایسا آگیا ہے' کون کسی کو یاد رکھتا ہے''۔ شام گہری ہونے لگی تو میں نے گرین ٹی کا آخری گھونٹ بھر کر کچن کا رخ کیا۔ گو کہ میں گھر سے

باہر بہت ہی کم کھانا کھاتی تھی مگر آج نہ تو میرا گھر میں کچھ پکانے کا ارادہ تھا نہ ہی کچھ کھانے کا۔ لیپ ٹاپ اٹھائے بیڈ پر آگئی' آئی ڈی ایک دفعہ پھر آن کی' مگر کچھ بھی نہیں' ادھر ادھر کے کئی پیغامات تھے مگر میری سالگرہ کے متعلق کوئی بھی نہیں تھا۔

''تو واقعی کسی کو بھی یاد نہیں ہے''۔ میں رنجیدہ ہوگئی۔ آفس سے واپسی پر راستے میں خوبصورت رنگ برنگے کارڈ دیکھ کر ہی میرا دل بہت برا ہوا تھا مگر تب ایک موہوم سی امید ضرور تھی۔

''یقیناً فلیٹ میں کوئی سرپرائز منتظر ہوگا''۔

''اور نہیں تو خیر یار! ابھی پورا دن پڑا ہے''۔ خود کو تسلی دلاتے جملے بھی ٹوٹنے لگے تھے۔ دن ختم ہونے میں بس چار گھنٹے تھے۔ میری قریب کی سہیلیوں میں سے ایک کا اچانک فون آگیا اس نے رسمی حال احوال پوچھا۔

''اور سناؤ' اینی نیو......؟'' وہ ذرا فرصت سے بات کر رہی تھی۔ مجھے یاد آیا' جوزی ماموں نے مجھے ایڈوانس برتھ ڈے گفٹ بھیجا تھا' جو مجھے گذشتہ روز ہی موصول ہوا تھا میں اسے بتانے لگی۔

''یار! تمہیں پتہ بھی ہے کہ میں بینگلز سے کتنا الرجک ہوں مگر جوزی ماموں نے مجھے چڑانے کے لئے بے تحاشہ بنگلو بھیجی ہیں ایز اے برتھ ڈے گفٹ''۔

''ہوں...... ویری گڈ...... اچھا کیا ماموں نے''۔ وہ کھل کر مسکرائی تھی۔

''میں منتظر ہی رہی کہ وہ گڑبڑا کر مجھے وش نہ کرے پر سوری کرے گی مگر ایسا نہ ہوا میری مایوسی مزید بڑھ گئی تو میں نے کال آف کردی۔

اس کے بعد میرے ایک ڈیئر کزن کا بھی فون آیا' کچھ منٹ تک اس سے بھی خوشگوار رسمی بات چیت ہوتی رہی وہ آج کل میں' میرے شہر میں آنے والا تھا' کال بند ہونے کے بعد میرا روہانسا ہوجانا یقینی امر تھا۔

''کسی کو بھی میری سالگرہ یاد نہیں''۔ میں سوگ کے سے انداز میں اٹھ کر کھڑکی میں آگئی' سارا شہر روشنیوں میں نہا گیا تھا اور میں مکمل طور پر غم' اداسی میں بھیگ رہی تھی۔

''ممی' پاپا آپ کو بھی یاد نہیں رہا''۔ میں نے خود کلامی کی' شکوہ داغا۔

''انکل' آنٹی' روحی' جوزی' اینجل......'' میں نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں اپنے سے منسلک لوگوں کے نام لئے تھے کچھ دوست' کچھ رشتہ دار۔ میں آسمان کی تاریکیوں میں خود کی غلطیاں تلاشنے لگی۔ مجھے یاد تھا کہ بہت بے مروت ہونے کے باوجود بھی میں نے سب دوست' احباب کو ہمیشہ سالگرہ وش کی تھی کچھ کو تو ان کی پسند کے گفٹ بھی دلاتی رہی تھی اور مجھے بھی ہر سال بے تحاشہ تحائف ومبارکبادیں وصول ہوئی تھیں مگر!

''وقت کتنا بدل گیا ہے سب بدل گئے ہیں کسی اپنے کو بھی اپنے سے منسلک بندے کا خاص دن یاد نہیں رہتا' کافی خودغرض ہوگئے ہیں سب''۔ میرے آج کے دن کا یہی تجربہ تھا میرا یہ تلخ تجربہ۔

''کوئی کسی کے لئے اہم نہیں رہا''۔ میں خود کو سمجھاتے ہوئے بیڈ روم میں آگئی۔ اس دن کے آخری لمحات بھی تیزی سے گزرتے جارہے تھے۔ اے سی آن کیا اور کچن میں آگئی' کل کا ایک سینڈوچ پڑا تھا اوون میں گرم کرکے ایک گلاس کوک کے ساتھ چٹ کرکے پھر سے کمرے میں آگئی اس دن کا آخری گھنٹہ چل رہا تھا۔ میری آنکھوں میں دور تک نیند کے آثار نہیں تھے۔ کمرے میں اے سی کی خنکی بڑھنے لگی' تو کچھ سکون محسوس ہوا' ٹائم پاس کے لئے میں لیپ ٹاپ اٹھائے اپنے بچپن کی تصویریں دیکھنے لگی' لمحے سرکتے جارہے تھے اور میں ان تصویروں میں کسی حد تک کھو چکی تھی' دفعتاً میسج ٹون بجی اور پھر



وقفے وقفے سے موبائل گنگنانے لگ گیا' میں نے چونک کر سیل ہاتھ میں لیا۔ وہاں کہیں مختصر تو کہیں لمبے چوڑے ''ہیپی برتھ ڈے'' کے پیغامات تھے' میں حیرت سے موبائل ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی۔

''اف! میرا دماغ اتنا چل گیا آج کے دن کہ مجھے ہر شے میں بس خود کی سالگرہ دکھائی دینے لگ گئی''۔ میں قدرے تفتیش سے بولی۔ وال کلاک 12 بجا چکا تھا۔

میں نے تیزی سے لیپ ٹاپ بند کیا' لیمپ بند کیا' سیل سائلنٹ کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئی اس سالگرہ نے میرا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ مجھے تھوڑی بے بسی محسوس ہوئی مگر زور سے آنکھیں بھینچے لیٹی رہی۔ اور پھر خوش قسمتی سے بہت جلد نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہوتے ہوئے اپنی آغوش میں لے گئی' معمول کے وقت پر صبح میری آنکھ کھل گئی' سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھا کر دیکھا جو کہ بے تحاشہ مسڈ کالز اور پیغامات بھرا میری ایک نظر کا منتظر تھا اپنی سالگرہ کے پیغامات پڑھ کر اور پھر اتنی مسڈ کالز دیکھ کر میں کچھ پریشان سی ہوگئی۔ تبھی موبائل ایک بار پھر بجا تھا۔ میری قریبی سہیلیوں میں سے بٹینا کا فون تھا جو کہ رات میں مجھ سے بات کر چکی تھی میں نے موبائل کان سے لگایا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... ہیپی برتھ ڈے مائی ڈیئر''۔ وہ لہکتے ہوئے چھوٹتے ہی گنگنانے لگی۔ میری سالگرہ تو گذشتہ روز تھی میں حیران ہوئی۔

''میں 15 اگست تو کبھی بھی نہیں بھول سکتی''۔ وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ میں نے بے اختیار کیلنڈر کی طرف دیکھا۔

''جمعہ...... 15 اگست''۔ میں چونکی۔ کال تھینکس کے بغیر بند کی' بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی' کال بیل پر کوریئر سروس والا ہاتھ رکھ کر اٹھانا بھول گیا تھا میں نے تیزی سے دروازہ کھولا' اور میں نے ہاتھ سے جھپٹنے کے سے انداز میں بوکے پکڑا' سائن کیا اور ارد گرد دیکھا' کچھ کارڈز اور گفٹ پیک وہاں پڑے تھے' میں جوش وخروش سے وہ سب اٹھا کر اندر لے آئی۔

''زمانہ واقعی بدل گیا ہے' اپنے سے منسلک لوگ ہماری سالگرہ بھلائیں یا نہ مگر ہم خود ضرور خود کی سالگرہ کو بھی فراموش کر بیٹھے ہیں''۔ میں مسکراتے ہوئے خود سے بولی تھی۔ ڈھیروں فون کالز لینے کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی فیس بک آئی ڈی بھی چیک کی تھی۔ ایرے غیرے دوستوں کے بے تحاشہ پیغامات' خوبصورت کیک اور بڑی پیاری پیاری فوٹوز کے ساتھ مجھے وش کیا گیا تھا۔ گفٹس کے پیک کھولتے ہوئے جوش وخروش کے ساتھ میں اچانک سے اداس ہوگئی تھی۔ اتنے جوش وخروش میں' میں کسی کو بھی شکریہ کہنا بھول گئی تھی

''ابھی سب کو تھینکس بھی بولنا ہے''۔ میں نے خود کو یاد دلایا۔

کوئی بھی ہمیں نہیں بھولتا ہے' ہم سے منسلک لوگ ہماری چھوٹی بڑی خوشیوں اور ہمارے خاص دنوں کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں' بھول تو دراصل ہم خود رہے ہیں خود کو۔ میرا کل کا سارا دن بے تحاشہ اداس برا گزرا تھا' کیونکہ مجھے یاد نہیں تھا کہ کل 4 اگست ہے' 15 اگست نہیں' نہ میں نے یہ یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔ قالین پر ڈھیروں گفٹس' کارڈز' گفٹ ریپرز پڑے تھے' اب مجھے خود پر تھوڑی تھوڑی شرمندگی ہو رہی تھی۔ مگر یہ کیا......؟ میں صوفے پر لیٹی چاکلیٹس کھاتے ہوئے سب کو بڑے جوش سے تھینکس بول رہی تھی۔ کسی کو بھی اپنے گذشتہ روز کے کارنامے کا نہیں بتایا سوائے آپ کے۔

''بلاشبہ یہ زندگی کی یادگار سالگرہ ٹھہری''۔ میرا قہقہہ بلند ہوا۔

☆......☆☆......☆



جویریہ بانو

افسانہ

تمہ کی دنیا

بھوکے کوے تیزی سے مردار پر جھپٹ پڑے تھے اور مردہ گوشت نوچنے لگے تھے' ایک دوسرے کی پرواہ کیے بغیر اپنی سخت اور نوکیلی چونچوں سے مردار کو ادھیڑ ادھیڑ کر کھا رہے تھے' فضا کی تعفن اور گھٹن بھی ان کی تیزی کو کم نہیں کر پا رہی تھی وہ اس مردار کے جسم سے آخری ٹکڑہ یا ماس تک نوچ لینا چاہتے تھے سڑے ہوئے خون کو چونچوں میں بھر کر آنتوں میں انڈیل رہے تھے۔

کوے...... مردار خور...... اور انسان' ہاں ہاں ایسے ہی انسان بھی' انسان تو زندوں کو نہیں چھوڑتے' چونچیں نہیں ہوتیں لیکن زبان ہوتی ہے' چونچ سے زیادہ اور تیز دھار' پل بھر میں زندہ انسان کے وجود میں گھس کر اسے لہولہان کر دیتی ہے' ادھیڑ دیتی ہے اندر تک روح کو بھی۔

ہائے یہ کوے' ہائے یہ انسان...... ہائے یہ کوا نما انسان......

انسان...... ایک انسان جس کو لہولہان کر دیا گیا' جس کی روح تک کو چھلنی کر دیا ان کوا نما انسانوں نے' وہ پتہ نہیں کیوں پیدا ہو گئی۔

حالانکہ وہ پیدائش سے پہلے کہیں بھی نہیں تھی' اماں کی الٹرا ساؤنڈ رپورٹس میں صاف لکھا تھا کہ ''لڑکا'' ہوگا' پھر پتہ نہیں کیوں ہو گئی وہ ایک ''لڑکی'' ارے مانو تو اوس پڑ گئی سب کے ارمانوں پر' اماں کا دل کیا کہ بین ڈالیں' تائی حسرت سے لڑکے کے لئے خریدے کپڑے دیکھتی رہیں اور دادی...... جو پیدائش سے قبل ہی بیٹے کے ہونے کی خوشی میں دس دیگیں پکوا چکی تھیں' دل ہی دل میں اس بچی کو بددعائیں دیتی رہیں۔

''کالی شکل والی' پتہ نہیں کہاں سے آ گئی''۔

واقعی وہ پتہ نہیں کہاں سے آ گئی تھی' ایک اضافی چیز' ایک فالتو چیز' کسی کو ضرورت نہیں تھی اس کی' کسی کو بھی نہیں' چار دن تو کسی نے نام تک نہ رکھا' حالانکہ پہلوٹی کی اولاد تھی۔

''اقراء......'' نجانے کس نے نام رکھا' بس وہ بے نام سی' بالشت بھر کی بچی اقراء ہو گئی' اقراء کے دو سال بعد ہریرہ ہو گیا تو اس کی ضرورت اور بھی ختم ہو گئی' ہریرہ کے بعد اسفندیار کی آمد نے اس کی رہی سہی اہمیت بھی ختم کروا دی' کہنے کو تھی دو بھائیوں کی ''اکلوتی'' بہن...... لیکن حقیقت میں...... لاوارث' لاچار' واقعی ''اکلوتی'' تھی وہ...... اس کا کوئی بھی نہیں تھا۔

پانچویں میں گئی لیکن ابا سمجھتے رہے کہ وہ تیسری میں ہے' ہریرہ دوسری میں ہے اور اسفندیار نرسری میں' یہ خوب یاد تھا' روز شام کو جب دکان سے گھر لوٹتے تو آتے ہی دونوں بیٹوں کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر گھمانے لے جاتے' خوب سیریں کرواتے' واپسی میں بھی آئسکریم' کبھی چاکلیٹ اور وہ اکیلی' لاوارث سی حسرت سے دیکھتی رہتی' کبھی جو اماں کو خیال آ جاتا تو چاکلیٹ کا ٹکڑا توڑ کر اسے تھما دیتیں' رات گئے ابا ان دونوں سے لاڈ کرتے' گھوڑا بنتے' ان کے ساتھ کھیلتے'

اس کا بھی دل کرتا کہ ابا کی کمر پر سوار ہو ہریرہ کی طرح خوب گدگدیاں کرے ایک دفعہ وہ ابا کی کمر پر چڑھی بھی تھی' ابا آگ بگولہ ہوگئے' اس کو حقارت سے گھور کر چارپائی پر پٹخ دیا' پتہ نہیں کیوں وہ اتنی زیادہ نفرت کرتے تھے اس سے' لڑکی ہونا کیا اتنا بڑا جرم ہوتا ہے؟ آٹھ جماعتیں پڑھ لیں تو اماں نے اسکول چھڑوا دیا' ہریرہ اور اسفند البتہ جاتے تھے۔

''لڑکی ذات کو اسکول مدرسے جانے کی کیا ضرورت......؟ چار جماعتیں جو پڑھ لی ہیں بہت ہیں' حسن آراء اسے گرہستی کی چند باتیں بھی سکھا دے اب''۔ دادی جی کی ہدایت کے عین مطابق وہ چولہے ہانڈی میں جوت دی گئی' قرآن پاک نانی اماں پڑھا دیتی تھیں' بس بہت تھا' لڑکی پرایا دھن۔

☆☆☆☆

سترہ کی ہوئی' اماں نے رشتے والی بوا کو بلوا لیا' کوئی اچھا رشتہ ......زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی' احسن کمال کا رشتہ آ گیا' اچھی شکل وصورت' کچھ ڈپلومے کر رکھے تھے اس نے' مل میں سینئر منیجر کی جاب تھی' بہت تھا' تاریخ طے ہوگئی' جہیز کے نام پر چار چارپائیاں' چند پیٹیاں ٹرنک' کچھ برتن جوڑے اور بس...... ورنہ ابا کیا نہیں دے سکتے تھے' ہزاروں کا بینک بیلنس تھا' لیکن اس میں اقراء کا حصہ نہیں تھا' گلبرگ والا پلاٹ اسفند یار کے نام اور ہریرہ کے لئے وہ گھر...... اس کا کیا تھا......؟ دادی کے چند پرانے زیورات' بوسیدہ کڑھائی کے چند جوڑے اور بس......لڑکی پرایا دھن جو ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

زندگی کے سترہ برس تک سہنے والی نفرتوں کے ازالے کے لئے قدرت نے احسن کمال کی محبت رکھی تھی' احسن کمال اس کا شوہر' ہم سفر اور اس کا محبوب بھی بن گیا تھا' آج سے پہلے وہ زندگی گزارتی آئی تھی اب اس نے زندگی کو جینا سیکھا تھا' بہت فرق ہوتا ہے ''گزارنے'' اور ''جینے'' میں زندگی کو 'جیا' تب جاتا ہے جب آپ کے ہمراہ کوئی ایسا ہم سفر ہو جس کی قربت آپ کو اندر تک سرشار کر دے۔ آپ کو اداس نا ہونے دے' آپ کی زندگی کے سارے خلا پر کر دے' احسن کمال کے ساتھ اقراء کی زندگی ایسی ہی تھی' بہت معتبر سی' وہ مسکرانا سیکھ گئی' وہ ہار نہ ماننا سیکھ گئی' وہ جینا سیکھ گئی اور بہت کچھ' دو سال ایسے گزرے جیسے دو پل اور قدرت نے اسے حسان عطا کر دیا' اس کا بیٹا...... ''لڑکا'' اور حسان کے دو سال بعد ''نمرہ'' بیٹی' لڑکی جنت مکمل ہوگئی......لیکن......

جنت دنیا میں تو ہوتی ہی نہیں' دنیا تو عمل کی جولاں گاہ ہے' جنت تو آسمانوں پر ہے۔

☆☆☆☆

احسن کمال کسی کام سے پنڈی گیا تھا' واپسی میں بس کسی آئل ٹینکر سے ٹکرا گئی' باقی سب راکھ بچی۔

تین دن تک اس کا سکتہ نہ ٹوٹا' ساکت وجامد ایک جگہ جمی رہی' بے حس وحرکت' اور ٹھنڈی ایسی کہ مانو برف کی سل' پھٹی پھٹی نظروں سے دور خلاؤں کو گھورتی رہی' لاش تو ملی نہیں' بس غائبانہ نماز جنازہ ادا کر دی گئی۔

☆☆☆☆

''یہ تن کی دنیا ہے' فانی من کی دنیا اوپر ہے آسمانوں میں' اسے کوئی زوال نہیں ہے''۔ اس کا احسن کمال اسے ''تن کی دنیا'' میں اکیلا چھوڑ کر ''من کی دنیا'' میں چلا گیا تھا' اسے یہ یقین کرنے میں دو ہفتے لگے تھے اور......اور......

سارے خلاء جو پر ہوگئے تھے پھر سے اس کی زندگی میں شامل ہوئے' وہ ہنسنا بھول گئی' روتی بھی نہیں' روتی تو اس کے بچوں کا کیا ہوتا......؟ دو سال کا حسان اور چھ ماہ کی نمرہ......دو ہی ہفتوں میں اسے پتہ چل گیا کہ کمال کے بعد اس کی سسرال میں کوئی حیثیت نہیں' سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف اپنی اپنی دنیا میں مشغول' اور اس سے تو دانہ پانی بھی مانو چھین لیا گیا' بھوک سے بلکتے حسان کو ناشتہ دینے کچن میں آئی تو فریج لاکڈ' بریڈ کے چند ٹکڑے' بچا کچھا سالن جو چند لقموں کی مار تھا۔

''بھابی حسان کو دودھ دینا ہے' فریج کی چابی دے دیں''۔

''دودھ تو ختم ہوگیا''۔

''حسان ناشتے میں انڈہ لے گا''۔

''انڈے نہیں ہیں' سادہ پراٹھا دے دو''۔

''بریڈ......ختم''۔

''مکھن......ختم''۔

دو ہفتوں میں ہی اسے اچھی طرح باور کرا دیا گیا کہ کسی کے پاس بھی اس پر یا اس کے بچوں پر لٹانے کے لئے کچھ نہیں ہے' اسے حال کی فکر نہیں تھی اسے مستقبل کے اندیشے مار ڈال رہے تھے' آج تو ہتھیلی میں جوڑے ہوئے چند روپے تھے' کل جب نہیں ہوں گے تب کیا ہوگا......؟ اس کی خیر تھی' فاقوں کی عادت تھی' لیکن اس کے ناز ونعم میں پلے بچے' اس کے احسن کمال کی نشانیاں' انہیں وہ ہر آسائش دینا چاہتی تھی' ان کو 'اقراء' نہیں بنانا چاہتی تھی۔

جیسے تیسے عدت کے دن گزرے' وہ گھر سے نکل آئی' احسن کمال کی مل پہنچی' ڈگری اس کے پاس کوئی بھی نہیں تھی لیکن جاب کی اشد ضرورت تھی' وہ رفیع صاحب سے ملی' مل میں منیجر تھے' احسن کمال کے اچھے دوست تھے' اس سے وہ بہت عزت سے پیش آئے' کچھ دیر سوچنے کے بعد اڑھائی ہزار ماہوار کی نوکری دے دی' اڑھائی ہزار اور پورا مہینہ' بہت کم رقم تھی اور مہینہ بہت بڑا' ضروریات بہت زیادہ' لیکن اس نے ہاں کر دی۔

''کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے''۔ گھر آئی ساس نے کڑے تیوروں سے استفسار کیا' اس نے سر جھکا کر سب بتا دیا' نوکری کا سن کر تندوں کی آنکھیں کھل گئیں' بڑی چھوٹی بہوؤں نے کانوں کو ہاتھ لگایا' جیٹھ دیور خوب لال پیلے ہوئے۔

''اب ہمارے گھر کی عزت مل میں دھکے کھائے گی......؟ روز گھر سے نکلے گی......؟ بیوگی کی سفید چادر کو کیوں داغدار کرتی ہے منحوس' میرے مرے ہوئے بیٹے کا خیال کر''۔

''اس کے بچوں کا ہی تو خیال ہے ورنہ کب کی چھت سے کود گئی ہوتی''۔ وہ ہولے سے بولی' دیور غصے سے چلایا۔

''میں اس کی اجازت نہیں دوں گا''۔

''ٹھیک ہے نا دے اجازت' پھر میرے بچوں کے اخراجات اٹھا' کھانا' کپڑا' کچھ سالوں تک اسکول کی فیس' کتابیں' کاپیاں' وردی' کر و پورا' نہیں نکالوں گی میں ایک بھی قدم باہر''۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔

اگلی صبح اس نے چادر لی' نمرہ کو گود میں لیا' حسان کو لے کر دادی کے کمرے میں آ گئی۔

''میں جا رہی ہوں حسان کا خیال رکھئے گا''۔

☆☆☆☆

مل سے تھکی ہاری نمرہ کو کاندھے پر لادے گھر آتی تو حسان بھوک سے بلک رہا ہوتا تھا' کبھی باہر برآمدے کی چارپائی پر مکھیوں کے نرغے میں سو رہا ہوتا' دو ہفتے صرف دو ہفتے اور وہ پھول سا بچہ کملا کر رہ گیا' وہ خود بھی سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھی' اڑھائی ہزار میں سے صرف چند سو روپے بچے تھے۔

''کیسے گزرے گی زندگی......؟'' اس رات اس نے تھک ہار کر سوچا تھا' کسی مضبوط سہارے کی اشد ضرورت تھی' احسن کمال جیسا کوئی مضبوط سہارا' ویسا سہارا کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا' نا احسن کے گھر والے' نا اس کے اپنے گھر والے' اس کے بچوں کے مستقبل کا سوال تھا' وہ پوری رات سوچتے سوچتے گزر گئی' الجھنیں ہی الجھنیں' سلجھن کوئی نظر نہیں آئی

اور اگلی صبح مل میں۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے مس اقراء"۔ رفیع صاحب نے اس سے کہا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں یہ بات کیسے کروں' کروں بھی یا نہیں احسن میرے بھائیوں جیسا تھا' اس کے بچے میرے بھی بچوں کی طرح ہیں"۔ وہ بغور سن رہی تھی۔

"آپ پلیز میری بات کا غلط مطلب مت لیجئے گا' برا بھی مت مانئے گا' میں آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں"۔ اقراء کا دل زور سے دھڑکا۔

"چالیس سے اوپر کا ہوں گا میں' شادی ہوئی تھی میری لیکن بیوی سے نبھ نا سکی' چھ سال علیحدگی ہوئے ہو گئے' اپنا گھر ہے اور یہ جاب' آپ سوچیئے گا ضرور"۔

☆☆☆☆

اور اس نے اگلا پورا دن اور پوری رات سوچا' سوچتی رہی' احسن کمال کے بغیر زندگی کیسی تھی' یہ وہ کچھ ہفتوں میں ہی اچھی طرح جان گئی تھی' شوہر کے بغیر سسرال میں اپنی حیثیت کا احساس بھی تھا اسے' اور بطور ایک بیٹی' میکے میں تو اس کی کوئی جگہ تھی ہی نہیں' پھر ایسے میں اگر وہ رفیع کے پرپوزل کے بارے میں سوچے تو غلط کیا ہے' دینوی اور دنیاوی' دونوں لحاظ سے یہ اس کا حق ہے' دوسری شادی کی اجازت اسے شرع بھی دیتی ہے اور سماج بھی' ابھی تو اس کی ضروریات زندگی کا مسئلہ ہے' کچھ دنوں میں خود اس کی ذات پر بھی پتھر اچھلیں گے' اس کا سب سے بہترین اور عمدہ حل وہی تھا' نکاح...... مضبوط حصار...... شرعی لحاظ سے ایک مضبوط اور پاکیزہ بندھن اور سماجی اعتبار سے ایک مرد کا ساتھ۔

☆☆☆☆

ساس سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

"ارے خدا کا خوف کر تھوڑی شرم کر' آخرت کو یاد رکھ' ابھی تو میرے بیٹے کی قبر کی مٹی بھی خشک نہیں ہوئی اور تجھے نکاح کی پڑ گئی ہے' کیوں ہماری بنی بنائی عزت کو مٹی میں ملا رہی ہے"۔ وہ ساری سنے گئی۔

"بنی بنائی کا ہی خیال ہے مجھے اماں! ابھی نکاح کر رہی ہوں' مرحوم شوہر کی عزت کا ہی خیال ہے' اور خدا سے خوف کیوں دلا رہی ہیں؟ نکاح کی بات کی ہے' وہ بھی جائز طریقے سے' گھر سے نہیں بھاگ رہی"۔

"ہاں آج بات کی ہے کل کو بھاگ بھی جائے گی' تیرا کیا اعتبار"۔

"اماں! اس کو ابھی لگا میں ڈال لو ورنہ میرا ہاتھ اٹھ جائے گا"۔ جوشیلا غیرت مند دیور' جس کی بھابی کو 10 گھنٹے مل میں کام کرنا پڑتا تھا۔

"میں اس کی اجازت نہیں دوں گی"۔

"اماں! یہ میرے بچوں کی زندگی کا سوال ہے"۔

"اللہ مالک ہے بچوں کا' چاچے تائے زندہ ہیں بچوں کے"۔ وہ پھٹ پڑی۔

"چاچے تایوں سے دو وقت کی روٹی تو کھلائی نہیں جا رہی' پوری زندگی کی ضرورتیں کیسے پوری کریں گے......؟" بحث تکرار جاری رہی' وہ لڑتی رہی اپنے دفاع میں' تھک ہار کر وہ میکے آئی اور ماں سے بات کی' ماں نے تھپڑ جڑ دیا۔

"بے غیرت' بے حیا' ایسی دیدہ دلیری' ایسی بے شرمی"۔ ہریرہ چلایا' اسفندیار نے بے نقط سنائیں اور ابا کی وہی نفرت کی گھوریاں۔

☆☆☆☆

کوؤں کے غول کے غول مردار کو نوچ رہے تھے' کھسوٹ رہے تھے' اپنی نوکیلی چونچوں سے کھال کو ادھیڑ دیتے تھے۔ کوے تو خیر جانور تھے' لیکن انسان کو کیا ہوا......؟ وہ تو اشرف المخلوقات ہے' وہ کیوں کوا بننے کو تیار ہے؟ وہ کیوں اپنی نوکیلی تیز دھار زبان سے زندہ انسانوں کے ٹکڑے بخرے کرنے کو تیار ہے؟ اقراء کی روح کو بھی اندر تک چیر دیا تھا انسانوں

نے' ان سب رشتوں نے جو اس کے اپنے تھے' کیا مانگ رہی تھی وہ لڑکی ان کوے نما انسانوں سے؟ نکاح...... ایک عمدہ شے...... پھر کیوں......؟ پھر کیوں......؟ کس کا ڈر تھا......؟ زمانے کا......؟ زمانے کا ڈر خدا کے ڈر سے زیادہ کیوں......؟ چلیں! قرآن کی بات کر لیتے ہیں' قرآن سے بڑھ کر تو کسی کی بات نہیں ہے ناں......؟ ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ قرآن تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' قرآن کہہ رہا ہے کہ تم میں سے جن کے خاوند مر جائیں' تو عدت پوری کرنے کے بعد ان عورتوں کو اختیار ہے کہ وہ معروف طریقے سے اپنی ذات پر جو مرضی کریں' اور "نکاح" سے بڑھ کر معروف طریقہ کیا ہوگا......؟ آگے قرآن کہتا ہے کہ اے مرد حضرات! کوئی مضائقہ نہیں کہ تم بیوہ عورتوں کو نکاح کے لئے پیغام دو (عدت کے دوران یا بعد) دیکھو! خفیہ پہچان وعہد مت باندھو' اگر کوئی بات کرنی ہو تو معروف طریقے سے کرو' اور اللہ سے ڈرو۔

اللہ سے کوئی ڈرتا ہی نہیں' دوسروں کو ڈراتے ہیں' لیکن خود نہیں ڈرتے' اقراء کو خدا سے ڈرانے والی ساس خود خدا سے ڈرتی' اس کو قتل کی دھمکی دینے والے دیور کو بھی ڈرنا چاہئے تھا' ہم سب کو ڈرنا چاہئے۔

☆☆☆☆

"بہت اتاؤلی ہو گئی ہے یہ اماں! ڈھونڈو کوئی لولا لنگڑا اور دفع کرواسے"۔

"لولے لنگڑے سے نہیں کرنی مجھے کہ جسے ساری زندگی بیٹھ کر کما کر کھلاؤں میں' کسی ایسے سے کرنی ہے جو مجھے کما کر کھلائے اور میرے بچوں کو پالے"۔

"واہ واہ"۔ ساس نے ہاتھ نچائے۔

"ایسا گلفام کہاں سے لاؤں......؟ نخرے دیکھو بی بی کے"۔

"رفیع مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں' مل میں کام کرتے ہیں"۔ دیور بلبلایا۔

"دیکھا' دیکھ لیا' یہ کرتوت ہیں اس کے' یہ کرنے جاتی تھی یہ مل میں' اور دوا جاتیں' یہ مزدوریاں کی ہیں اس نے وہاں' چلا لئے چکر اس فاحشہ نے وہاں"۔

"اری تجھے ذرا شرم نہیں ہے......؟"

"لعنت ہے اس پر اماں ہزار بار کی لعنت"۔

"اس گنجے سر پر دل آیا ہوا ہے اس کا"۔ کوے ٹھونگے مار مار کر ایسے ہی لہولہان کر دیتے ہیں' جب کھرنڈوں اور زخموں سے خون بہہ نکلتا ہے تو بہت خوش ہوتے ہیں' ہائے...... کاش کوئی سمجھ پاتا' کاش' تن کی دنیا کا کوئی ایک انسان سمجھ پاتا کہ انسان کتنے خسارے میں ہے۔

☆☆☆☆

ہزار بار کی لعنت' ملامت' گالیاں' کوسنے۔ ہر بندے نے اسے ہزار ہزار سنائیں' ساری زندگی کے تعلق توڑ لئے' کبھی نا ملنے کی قسمیں کھالیں' وداع کر دیا اسے رفیع احمد کے ساتھ۔

"ہم دونوں اچھی طرح دیکھ چکے ہیں دنیا کو اور اچھی طرح سمجھ بھی چکے ہیں' جان گئے ہیں کہ تن پر مرمٹنے والی یہ دنیا من کی پاکیزگی نہیں دیکھتی' باہر کا اجلا پن دیکھتی ہے' اندر کا نہیں"۔ رفیع احمد نے اس کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

"وعدے نہیں کروں گا قسمیں نہیں کھاؤں گا' بس تمہیں اعتبار دلانے کی کوشش کروں گا' کہ میں تمہیں اور تمہارے بچوں کو بہت خوش رکھوں گا"۔ بہت لمبا سفر طے کیا تھا' اب آرام کی باری تھی' اس نے اپنا سر رفیع احمد کے کندھے پر ٹکا دیا۔

اور دکھوں کی رات جتنی بھی طویل کیوں نا ہو' سکھوں کا سورج ضرور نکلتا ہے' اور اقراء کے لئے وہ سورج' عید کے دن کا سورج تھا۔

☆......End......☆



تہمینہ الیاس

مکمل ناول

نئے دل میں دھڑکن



میوزک وڈیو شاپ میں وہ اپنی پسند کے میوزک کا کلیکشن دیکھ کر CDs لے رہا تھا' جب ہی وہ شاپ میں انٹر ہوئی اور آتے ہی اس نے سامنے رکھی ہوئی حاشر کی کلیکٹ کی ہوئی CDs اُٹھالیں۔

''اوہ...... آخر مل ہی گئیں مجھ کو ان ہی کی تلاش تھی' یہ CDs دے دیجئے''۔ اب وہ شاپ کیپر سے مخاطب تھی اور ساتھ ہی پرس سے پیسے نکال کر اس نے کاؤنٹر پر رکھے۔

''ایکسکیوزمی میم! یہ CDs میں لے رہا ہوں' آپ انہیں واپس رکھیئے''۔ حاشر نے اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی CDs کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

''آپ...... لے رہے ہیں اور میں آل ریڈی لے چکی ہوں' آپ دوسری لے لیجئے گا''۔ وہ CDs اس کو دکھاتے ہوئے بولی۔

''میں دوسری کیوں لے لوں' آپ کیوں نہیں لے لیتیں دوسری؟'' حاشر نے قدرے رُوڈ ہو کر کہا۔

''میں نے پے منٹ کر دی ہے''۔ وہ حاشر کے غصے سے ذرا نہ ڈری۔

''یہاں جتنی بھی CDs آپ دیکھ رہی ہو' یہ سب میں لے چکا ہوں''۔ حاشر نے اس سے کہا۔

''یہ ساری وڈیو شاپ آپ نے لے لی ہے' لیکن آپ اتنے سارے میوزک کلیکشن کا کریں گے کیا؟'' وہ وڈیو شاپ کے چاروں اطراف نظریں دوڑاتے ہوئے حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''ارے کہیں آپ اپنی میوزیکل لائبریری بنانے کا ارادہ تو نہیں رکھتے یا پھر آپ سنگرز سے تو متاثر نہیں ہو گئے' کیونکہ وہ اپنے ہر انٹرویو میں کہتے سنائی دیتے ہیں' ان کی اپنی میوزیکل لائبریری ہے' جس میں انہوں نے دنیا بھر کے بہترین سنگرز کے بہترین گانوں کا کلیکشن رکھا ہوا ہے یا پھر آپ کا مستقبل قریب میں سنگر بننے کا تو ارادہ نہیں ہے؟'' وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

''اوہ گاڈ! کتنا بولتی ہے یہ لڑکی''۔ حاشر نے اپنا سر تھام لیا۔

''آپ نے بتایا نہیں کہ آپ اپنی میوزیکل لائبریری کیوں بنا رہے ہیں؟'' اب وہ جرنلسٹ کی طرح سوال کر رہی تھی۔

''ارے...... یہ سب آپ نے کیسے جان لیا کہ میں سنگر بننے والا ہوں' آپ ایڈوانس میں مجھ سے آٹوگراف لے لیں' ہوسکتا ہے بعد میں آپ کو ایسا چانس نہ مل سکے' مجھ سے یوں بات کرنے اور آٹوگراف لینے کا''۔ وہ اس کے ہاتھ سے CDs لیتے ہوئے خوش اخلاقی سے بولا اور کور کھول کر CD پر اپنے سائن کرنے لگا۔

''آپ دنیا کے پہلے آرٹسٹ ہوں گے جس نے کسی دوسرے سنگر کی CD پر اپنے سگنیچر کیے ہیں اور وہ بھی میرے پیسوں سے لی ہوئی CD پر''۔ وہ حاشر پر خفا ہونے لگی۔

''میم! مجھ میں فیلڈ جیلسی بالکل نہیں ہے اور آپ شاید بھول رہی ہیں کہ فینز اپنے ہی پیسوں سے خریدی ہوئی آٹوگراف بکس پر آرٹسٹ سے آٹوگراف لیتے ہیں' ویسے آپ کا نام......؟'' وہ شرمندہ ہوئے بغیر بول رہا تھا۔

''کیوں؟ میرا نام جان کر کیا کیجئے گا' ویسے نام معلوم کرنے کا اسٹائل کافی یونیک ہے مسٹر' آپ کا''۔ ایمان نے اسے گھورا۔

''میم! آٹوگراف کے ساتھ آپ کا نام بھی تو ہونا چاہیئے نا' جب آپ لوگوں کو بتائیں گی تو لوگ آپ کی بات کو جھوٹ نہ مانیں کہ یہ سگنیچرز میرے جیسے فیمس آرٹسٹ کے ہیں اور یہ آٹوگراف خود میں نے آپ کو دیا ہے اس لئے اس CD پر آپ کا نام ہونا بھی ضروری ہے''۔ حاشر نے وضاحت کی۔

''مسٹر حاشر! آپ کی لوجک کافی اچھی ہے میں یہاں اپنا نام خود ہی لکھ لوں گی''۔ وہ CD پر سے حاشر کا نام

پڑھتے ہوئے بولی۔

''آپ کے فیملی ممبرز اور فرینڈز آپ کی ہینڈ رائٹنگ دیکھ کر آپ کو جھوٹا کہیں گے''۔ وہ مسکرایا۔

''کہنے دیں''۔ وہ لاپرواہی سے بولی اور ساتھ ہی سی ڈی بھی اُٹھالی۔

''آپ کو برا نہیں لگے گا کہ لوگ آپ کو جھوٹی کہیں گے؟'' وہ حیران ہوا۔

''نہیں لگے گا' میں اپنوں کی باتوں کا برا نہیں مانتی''۔ وہ جانے کے لئے پلٹی۔

''لیکن میں چاہتا ہوں کہ میں اس CD پر آپ کا نام خود لکھوں''۔ وہ جلدی سے اس کے پیچھے لپکا۔

''کہا نا میں خود لکھوں گی''۔ اب وہ قدرے خفگی سے بولی۔

''اوکے' تو آپ میری سی ڈی واپس کر دیں''۔ حاشر نے اس کے ہاتھ سے سی ڈی واپس لے لی۔

''اوکے' لکھیئے میرا نام''۔ وہ جھنجھلا کر بولی۔

''جی کیا نام لکھوں؟'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''صغراں''۔ وہ جان چھڑانے والے لہجے میں بولی۔

''ہو ہی نہیں سکتا' اتنی اچھی لڑکی کا اتنا بیک ورڈ نام' میں نہیں مانتا''۔ وہ نام سن کر حیران ہوا' مگر ماننے کو تیار نہیں تھا اس کی بات پر یقین جو نہیں آیا تھا۔

''ایمان! جلدی کرو' اگر ہم لیٹ ہو گئے تو عامر بھائی اپنی گاڑی دوبارہ کبھی نہیں دیں گے شاپنگ پر آنے کے لئے''۔ وہاں پر دوسری لڑکی نے آ کر اسے پکارا تو وہ مسکرا دیا۔

''تو آپ نے جھوٹ کہا تھا مجھ سے؟'' وہ کور پر اس کا نام لکھتے ہوئے بولا' جیسے ہی حاشر نے ایمان کا نام لکھا وہ تیزی سے سی ڈی اٹھا کر باہر نکل گئی اور وہ شیشوں کے پار اسے جاتا دیکھتا رہا۔

..............☆..............

''تم ابھی تک وہیں ہو' معلوم بھی ہے آج عدیل کی شادی ہے''۔ حاشر فون پہ کسی پر برہم ہو رہا تھا۔

''ہاں معلوم ہے مگر میں کیا کروں یہاں کام ہی اتنا تھا اب میں فارغ تو تھی نہیں' جب کانفرنس ختم ہوگی جب ہی تو آؤں گی نا''۔ عائشہ کو اس کی بات سن کر غصہ آ گیا۔

''تمہاری کانفرنس بھی ابھی ہی ہونی تھی' معلوم ہے تمہارے انتظار میں' میں نے ابھی تک فرح کے لئے گفٹ بھی نہیں لیا ہے''۔ وہ اب بھی خفا ہی تھا۔

''تو جا کر لے لو مارکیٹ سے' میں مارکیٹ اپنے ساتھ اٹھا کر نہیں لے گئی ہوں''۔ عائشہ نے مشورے سے نوازا۔

''وہی کروں گا اب تم پر بھروسہ کرنا ہی فضول ہے''۔ حاشر نے غصے سے فون پٹخا۔ آفس سے نکلتے وقت اس کا رُخ شاپنگ مال کی طرف تھا' شاپنگ مال میں داخل ہوتے وقت سوچا۔

''میں گفٹ کیا لوں فرح کے لئے' اگر عائشہ یہاں ہوتی تو مسئلہ ہی نہیں ہوتا' وہ خود ہی کوئی گفٹ لے آتی' خیر دیکھتے ہیں''۔ وہ یہی سوچتے ہوئے مختلف چیزیں دیکھتا رہا' مگر سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ فرح کے لئے کیا لے' یونہی چلتے چلتے اس کی نظر ایمان پر پڑی جو شاپنگ بیگ دونوں ہاتھوں میں لئے بوتیک سے نکل رہی تھی' وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

''ہائے ایمان!'' وہ کسی اجنبی کی زبان سے اپنا نام سن کر چونکی اور عقب سے آنے والی آواز پر پلٹی اور اجنبیت سے اُسے دیکھنے لگی' اس کی آنکھوں میں سوال تھا کہ وہ اس کا نام کیسے جانتا ہے۔

''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں' اس دن میوزک شاپ پر آپ سے ملاقات ہوئی تھی' میں نے آپ کی CD پر



اپنے سائن کیے تھے"۔ حاشر نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"اوہ......" وہ مسکرائی۔

"آپ یہاں کیسے؟"

"آپ کو چیس کرتا ہوا یہاں آیا ہوں"۔

"جی......اچھا......آپ مجھے چیس کر رہے تھے' مگر کیوں کر رہے تھے' آپ کو کہا کس نے کہ آپ میرے پیچھے آئیں' اس دن آپ میوزک شاپ میں سنگر بن گئے تھے اور زبردستی CD پر سائن کر دیئے تھے اور آج آپ مجھے چیس کرتے ہوئے یہاں اس شاپنگ مال میں آ گئے' آخر چاہتے کیا ہیں آپ' کیوں مجھے چیس کر رہے ہیں؟" ایمان کو یہ سنتے ہی غصہ آ گیا کہ وہ اس کے پیچھے یہاں آیا ہے' حاشر اس کے بولنے پر پریشان سا کھڑا تھا۔

"پلیز! آپ مجھے غلط مت سمجھیے' میرا مطلب ہرگز وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں"۔

"تو کیا مطلب ہے اس طرح سے لڑکی کا پیچھا کرنے کا' ہاں؟" وہ غصے سے بولی۔

"مم......مجھے آپ سے ایک Favour چاہیے"۔ وہ گڑبڑا سا گیا۔

"آپ میرا پیچھا کر رہے ہیں اور اس کے لئے میرا ہی فیور مانگ رہے ہیں' واہ کیا زمانہ آ گیا ہے ایک تو چوری اور اوپر سے سینہ زوری بھی"۔ وہ غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔

"کیا مشکل لڑکی ہے یار! کس قدر بولتی ہے اور کتنا غلط بولتی ہے او گاڈ! پلیز ہیلپ می کہاں پھنس گیا میں' یہاں تو معاملہ ہی اُلٹ ہو گیا"۔ حاشر نے اپنا سر تھام لیا۔

"دیکھیے! میں پچھلے 2 گھنٹے سے......"۔ حاشر نے بولنے کی کوشش کی' مگر ایمان نے درمیان میں بات کاٹ دی۔

"2 گھنٹے......آپ پچھلے دو گھنٹے سے میرا پیچھا کر رہے ہیں' آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرے پیچھے آنے کی' اس روز شاپ میں آپ سے بات کیا کر لی آپ فری ہی ہو گئے' دیکھیے مسٹر! یہ سب میرے ساتھ نہیں چلے گا......" ایمان شدید طیش میں آ گئی اور لگی اسے دھمکی دینے' حاشر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا کہ "اس کم عقل کو کیسے سمجھاؤں"۔ حاشر نے دل میں سوچا۔

"آپ میری پوری بات تو سن لیں' پلیز پھر بول لیجیے گا"۔

"اوکے بولیے! کیوں آئے ہیں میرے پیچھے یہاں؟" وہ اب پولیس والوں کے اسٹائل میں گویا ہوئی۔

"غلطی ہو گئی مجھے معلوم نہیں تھا' آپ خواہ مخواہ خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گی' اگر معلوم ہوتا تو کبھی آپ کے پیچھے نہ آتا"۔ دل تو چاہا یہ کہہ دے مگر کام جو کرانا تھا اس سے' اس لئے بڑی سہولت سے بولا۔

"دیکھیں! میں یہاں آپ کا پیچھا نہیں کر رہا ہوں"۔

"تو پھر کیا کر رہے ہیں یہاں؟" وہ پھر اس کی بات کاٹ کر غصے سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہاں گفٹ لینے آیا تھا' مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ میں کیا گفٹ لوں' بس اسی لئے آپ کی ہیلپ چاہیے تھی اور آپ نے نجانے کیا سمجھ لیا"۔ حاشر نے جلدی سے اپنی بات مکمل کی تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"اوہ......میں سمجھی کہ......سوری"۔

"بس رہنے دیں سوری کو' آپ میری ہیلپ کر دیں گی تو میں سمجھوں گا آپ نے مجھے معاف کر دیا"۔

"مگر معافی آپ کیوں مانگ رہے ہیں؟" وہ حیران ہوئی۔

"آپ کو اتنی ٹینشن جو ہوئی میری وجہ سے اس کے لئے"۔

"ایسی کوئی بات نہیں' اچھا بتایئے کیا گفٹ لینا ہے آپ نے"۔ وہ مسکرائی۔
"اگر گفٹ میں خود لے سکتا ہوتا' تو آپ کے پیچھے تھوڑی آتا"۔
"اوہ......ہاں بتایئے کس کے لئے گفٹ لینا تھا آپ نے؟" وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے مسکرائی۔
"یہ شاپرز مجھے دے دیجئے' آپ تھک جائیں گی انہیں اٹھائے اٹھائے"۔ وہ اس کے ہاتھ سے شاپرز لیتے ہوئے بولا۔
"ارے......نہیں رہنے دیں' میں خود اٹھا سکتی ہوں"۔
"ویسے میں آپ کے یہ شاپرز لے کر بھاگوں گا تھوڑی رہنے دیں آپ انہیں"۔ وہ ہنسا' تو ایمان مسکرا دی۔
"اچھا......آپ نے بتایا نہیں گفٹ کس کے لئے لینا ہے؟" ایمان نے دوبارہ پوچھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"دلہن......دلہن کے لئے لینا ہے؟"
"اوہ......Congratulations"۔ وہ ہنستے ہوئے مبارکباد دینے لگی۔
"یہ مبارکباد آپ کس بات کے لئے دے رہی ہیں؟" اب وہ حیران ہوا۔
"آپ کی شادی کی' آپ اپنی مسز......میرا مطلب ہے ہونے والی مسز سے ہی پوچھ لیتے کہ انہیں کیا پسند ہے' میرا خیال ہے شاید آپ انہیں سرپرائز گفٹ دینا چاہتے ہیں اس لئے ان سے نہیں پوچھا ہوگا نا؟" ایمان کو عادت تھی بہت زیادہ بولنے اور ہر بات پر تفصیل سے بات کرنے کی۔
"ایک منٹ......آپ ایک منٹ کے لئے خاموش ہوں گی مس!" حاشر نے کہا۔
"جی......" وہ اسے دیکھنے لگی۔
"آپ سے کس نے کہا میری شادی ہو رہی ہے؟" اب وہ بُرا مانتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"ابھی آپ ہی نے تو کہا دلہن کے لئے گفٹ لینا ہے"۔
"ویڈنگ گفٹ کیا صرف انسان اپنی ہی دلہن کے لئے لیتا ہے' دلہن کیا کسی اور کی نہیں ہو سکتی' شادی میرے دوست کی ہے اور گفٹ بھی میں عدیل کی مسز کے لئے لے رہا ہوں نا کہ اپنی مسز کے لئے اور میری شادی کیسے ہو سکتی ہے؟" حاشر نے اس کی غلط فہمی دور کی۔
"آپ پہلے سے میرڈ ہیں' تو پھر تو کوئی پرابلم ہی نہیں ہے' آپ یہ کام اپنی مسز سے کروا لیتے' وہ خود ہی اچھا سا گفٹ لے لیتیں"۔ وہ اس کی بات پوری سنے بغیر پھر سے بول پڑی تھی۔
"وہ ہوں گی تو لیں گی نا' وہ نہیں ہیں ابھی تک اپنے گھر ہی میں رہتی ہیں اور مس آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے' میری شادی تو کیا انگیج منٹ بھی نہیں ہوئی ہے' اگر ہو گئی ہوتی تو کیا دو گھنٹے سے یہاں Window Shoping کر رہا ہوتا"۔ وہ اس پر ناراض ہوا۔
"سوری......مجھے معلوم نہیں تھا"۔ وہ پھر شرمندہ ہوئی۔
"Its ok لیکن اب میں آپ کی سوری اسی وقت Accept کروں گا جب آپ گفٹ لینے میں میری ہیلپ کریں گی"۔ حاشر نے صاف کہہ دیا۔
"یہ تو کوئی پرابلم ہی نہیں ہے' یوں کریں رنگ لے لیں دلہن کو زیادہ تر رنگ ہی دی جاتی ہے' مجھے بھی رنگ اچھی لگتی ہے' ویسے تو مجھے چین اور لاکٹ بھی بہت پسند ہے' بالیاں بھی اچھی لگتی ہیں' ویسے آپ کو کیا پسند ہے؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے گولڈ شاپ میں آ گئی۔

"مجھے......" وہ اس کے سوال پر حیران ہوا۔
"جی آپ کو"۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔
"اوہ......انگوٹھی بھی اچھی لگتی ہے اور چین لاکٹ بھی ویسے بالیاں بھی اچھی لگتی ہیں مجھے"۔ وہ سوچتے ہوئے بولا۔ اب ایمان جیولر سے انگوٹھیاں دکھانے کا کہہ رہی تھی' جیولر نے جب انگوٹھیاں دکھائیں تو وہ اپنی انگلی میں انگوٹھیاں پہن کر دیکھنے لگی۔
"یہ والی اچھی ہے یہ لے لیں"۔ لمحے بھر میں ایمان نے اس کا مشکل ترین کام کر دیا۔
"اوکے"۔ وہ مسکرایا' جیولر سے وہ انگوٹھی لے کر ایمان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مڑا تو وہ جا چکی تھی۔
"یہ لڑکی بھی عجیب ہے خدا حافظ کہے بنا ہی چلی گئی' خیر پھر ملے گی تو تھینکس کہہ دوں گا"۔ وہ وہاں سے واپس آتے ہوئے سوچنے لگا۔

............☆............

حاشر اپنے دوستوں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا' تبھی اس کی نظر فاریہ کے ساتھ اسٹیج کی طرف جاتی ایمان پر پڑی۔
"یہ یہاں کہاں؟" وہ حیران ہوا۔
"کون کہاں؟" اویس نے پوچھا۔
"اوہ......ہوں کوئی نہیں' میں ابھی آتا ہوں"۔ وہ وہاں سے ہٹ کر فری کے پاس آ گیا۔
"فری! وہ لڑکی کون ہے؟"
"کون سی لڑکی' خیریت تو ہے حاشر! لڑکی کے بارے میں پوچھ رہے ہو"۔ وہ شریر ہوئی۔
"بدتمیزی مت کرو"۔ وہ ناراض ہو کر جانے کو پلٹا۔
"اوکے نہیں کرتی مذاق' بتائیں کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
"وہی جو اسٹیج پر فرح کے ساتھ بیٹھی ہے"۔ وہ ایمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
"وہ......وہ تو ایمان ہے' پر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ مشکوک ہوئی۔
"وہ تو میں بھی جانتا ہوں ایمان ہے لیکن ہے کون؟" وہ جھنجھلایا۔
"تم کیسے جانتے ہو اسے اور اگر جانتے ہو تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ پھر سوال کرنے لگی۔
"تم سوال کچھ زیادہ نہیں کرتی ہو فری! ویسے لڑکی ہے اچھی لیکن بولتی بہت ہے' شاید تمہاری طرح اسے بھی بولنے کا شوق ہے"۔ وہ فری پر ناراض ہوا اور ایمان کے زیادہ بولنے پر اعتراض کیا۔
"اچھا......ابھی بتاتی ہوں جا کر ایمان کو......" فری نے دھمکی دی۔
"تو جاؤ بتا دو' ویسے تم کیسے جانتی ہو ایمان کو؟" وہ بات فری سے کر رہا تھا مگر نگاہوں کا مرکز ایمان تھی۔
"فاریہ کی دوست ہے مگر آپ کو کہاں ملی ایمان"۔ فری نے سوال کیا۔
"ایمان تو دل میں ہوتا ہے' لیکن ابھی ملی کہاں ہے؟" وہ بے تکلفی سے بولا۔
"جی......تو یہ معاملہ ہے"۔ وہ شریر ہوئی۔
"اے......تم غلط مت سمجھو' میں تو ایمان کی بات کر رہا ہوں"۔ وہ گھبرایا۔
"میں بھی ایمان کی ہی بات کر رہی ہوں' ویسے ہے اچھی کیا خیال ہے آنٹی سے ذکر کر دوں اس کا اور ساتھ ہی ملوا بھی دیتی ہوں"۔

”تم کچھ زیادہ فاسٹ نہیں ہو؟“ وہ مسکرایا۔

”ہوں...... اگر میں کرکٹ ٹیم میں ہوتی تو فاسٹ باؤلر ہوتی‘ تو بات کروں پھر؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”کس سے؟“ وہ چونکا۔

”آپ بتائیں پہلے آنٹی سے بات کروں یا ایمان سے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”ارے ارے تم تو جوتوں سمیت آنکھوں میں اُترنے کی کوشش کر رہی ہو“۔ وہ ایک دم گھبرا گیا۔

”اوں ہوں...... میں نہیں ایمان وہ آنکھوں سے ہو کر دل میں اُتر چکی ہے جناب کے“۔

”ایسا کچھ نہیں ہے“۔ وہ گھبرایا۔

”یہ جملہ ایسے ہی وقت کہا جاتا ہے جب کچھ ہوتا ہے‘ میں جا کر ایمان سے بات کرتی ہوں“۔ وہ آگے بڑھی تو وہ اس کے پیچھے آیا۔

”ایسا کرتے ہیں‘ دونوں مل کر بات کر لیتے ہیں کیا خیال ہے؟“ وہ اس سے کہہ رہا تھا‘ فری نے رُک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

”آپ خود بات کریں گے شرم تو نہیں آئے گی آپ کو“۔

”آئے گی نا...... لیکن مجھ کو نہیں ایمان کو“۔ حاشر نے شرارت سے کہا تو وہ ہنس دی۔

”تو چلیں بات کرنے؟“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”بڑی جلدی ہے“۔

”اوکے...... تم کہتی ہو تو دیر سے کر لیں گے بات ہی تو کرنی ہے کبھی بھی ہو جائے گی“۔ حاشر یہ کہتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا‘ تو فری مسکراتی ہوئی اسٹیج کی طرف چل دی‘ حاشر نے پلٹ کر دیکھا فری اسٹیج پر ایمان سے بات کر رہی تھی‘ وہ گہرا سانس لیتا ہوا اولیس وغیرہ کی طرف آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فری، ایمان کا تعارف حاشر سے کروا رہی تھی۔

”آپ یہاں بھی......؟“ ایمان کو شدید حیرت ہو رہی تھی۔

”جی یہیں تو آنا تھا مجھے عدیل کی شادی میں‘ ویسے آپ نے بتایا نہیں تھا کہ آپ بھی آنے والی ہیں یہاں“۔ حاشر نے شکوہ کیا۔

”مجھے معلوم نہیں تھا فرح کی شادی آپ کے دوست سے ہو رہی ہے“۔ ایمان نے کہا۔

”ایمان! تم جانتی ہو حاشر کو؟“ فاریہ کو حیرت ہوئی۔

”یہ وہی تو ہیں جنہوں نے خود کو سنگر کہہ کر میری CD پر سائن کیے تھے“۔

”اچھا......“ فاریہ اور فری ہنسنے لگیں۔

”ویسے حاشر کو اسکول لائف میں سنگر بننے کا کافی شوق تھا‘ مگر انکل کافی خلاف تھے اس بات کے اس لئے انہوں نے سنگر بننے کے بجائے انکل کی خواہش پر بزنس مین بننے کو ترجیح دی‘ ویسے شادی بیاہ میں یہ گا کر اپنا شوق پورا کر لیتے ہیں‘ انکل فیملی میں ان کے گانے گانے سے ناراض نہیں ہوتے‘ مگر یہ انہیں کبھی پسند نہیں رہا کہ ان کا بیٹا سنگر بنے“۔ فری نے بتایا۔

”اوہ...... تو آپ اپنے فادر کی پسند کے کام کرتے ہیں جان کر اچھا لگا“۔ ایمان مسکرائی۔

”جی‘ میں اپنے بابا کا فرمانبردار بیٹا ہوں‘ بیٹا تو میں مما کا بھی ہوں لیکن ان سے اپنی ضدیں منوا لیا کرتا ہوں‘ بابا سے تھوڑا ڈر لگتا ہے ضد کرنے میں“۔ حاشر نے کہا۔

”جب آپ سنگر ہیں ہی نہیں تو جھوٹ بول کر آپ نے اس CD پر سائن کیوں کیے تھے؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”جھوٹ کہاں بولا تھا گاتا ہوں نا‘ آپ کہیں تو ابھی کچھ سناؤں؟“ وہ گلا کھنکھار کر ابھی سُر اٹھانے ہی لگا کہ ایمان نے ٹوک دیا۔

”پھر کبھی سنوں گی آپ کو‘ ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے عامر بھائی آ گئے ہیں میں چلتی ہوں“۔ وہ تیزی سے بولتی آگے بڑھی‘ تو فاریہ اس کے پیچھے دوڑی۔

”یہ ہر وقت جلدی میں کیوں رہتی ہے؟“ وہ فری سے پوچھنے لگا۔

”اس لئے کہ آپ ہر وقت فرصت میں رہتے ہیں“۔ فری یہ کہتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی‘ ورنہ حاشر نے کچھ نہ کچھ بولتے رہنا تھا۔

............☆............

اگلے دن ولیمہ میں وہ بار بار فری سے پوچھ رہا تھا۔

”ایمان کو انوائٹ تو کیا تھا نا تم نے؟“

”حاشر! تم یوں کرو اس کے گھر جا کر اسے پک کر لو“۔

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا‘ ایڈریس کیا ہے؟“ وہ خوش ہوا اور لگا ایڈریس پوچھنے۔

”حاشر! بہت بدتمیز ہو تم‘ اس طرح نہیں ہوتا“۔ فری نے آنکھیں دکھائیں۔

”تو کس طرح ہوتا ہے‘ مجھ سے نہیں ہوتا انتظار‘ تم یوں کرو ایمان کو فون کر لو“۔ حاشر نے اپنا موبائل فری کو دیا۔

”حاشر! تم کچھ زیادہ پاگل نہیں ہو رہے‘ میرا خیال ہے مجھے آنٹی سے بات کر ہی لینی چاہئے“۔

”کیا بات کرو گی مما سے؟“

”یہی کہ تم پاگل ہو گئے ہو اب انہیں تمہاری شادی کر دینی چاہئے ورنہ تم سے کچھ بعید نہیں کب دلہن لے کر ان کے سامنے کھڑی کر دو گے کہ ان سے ملئے یہ آپ کی بہو ہیں“۔ فری نے اس پر غصہ کرتے ہوئے اس کی نقل اُتاری۔

”پاگل میں نہیں تم ہو‘ میں ایسا لگتا ہوں تمہیں“۔ وہ اس کے سر پر ہلکے سے ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

”تم جتنے دیوانے ہو رہے ہو نا‘ اس سے پتا لگ رہا ہے جانے کب کیا کر گزرو“۔

”جو کروں گا بڑے دھوم دھڑکے سے کروں گا“۔

”اچھا...... تو پھر میں تیاری شروع کر دیتی ہوں“۔

”ہاں‘ ابھی سے کر دو تیاری شروع بعد میں نہ کہنا تم نے تو اتنی جلدی کی کہ تیاری کرنے کا ٹائم نہیں ملا“۔ وہ ہنسا۔

ایمان ولیمے میں نہیں آئی تو وہ فری اور فاریہ دونوں پر خفا ہوا۔

”تم دونوں کتنی اچھی ہو‘ آج ہی معلوم ہوا ہے مجھے سچ ہی کہتے ہیں لوگ دوستوں پر یقین کر کے مت بیٹھو‘ ورنہ تمہارا کچھ نہیں ہو سکے گا“۔ وہ کافی خفا ہو رہا تھا۔

”ارے بابا وہ نہیں آئی اس کی مرضی“۔ فاریہ نے کہا۔

”کیوں اس کی مرضی‘ کیوں اگر آ جاتی تو کیا تھا یار؟“ وہ جھنجلا کر بولا۔

”وہ آ جاتی تو تم خوش ہو جاتے“۔

”بس یہی خوشی تو دیکھی نہیں گئی تمہاری دوست سے‘ مجھے معلوم ہے وہ میری وجہ سے نہیں آئی‘ خیر ملے گی تو پوچھوں گا کیوں نہیں آئی تھیں“۔ وہ یوں لڑ رہا تھا جیسے ایمان پر حق رکھتا ہو۔ وہ دونوں مسکرانے لگیں۔

"کیا میں لطیفے سنا رہا ہوں جو تم دونوں ہنس رہی ہو؟" وہ سلگتا ہوا وہاں سے چلا آیا' وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

............☆............

وہ فاریہ کی طرف آیا ہوا تھا' تبھی وہاں ایمان بھی آ گئی۔
"آپ ولیمے میں کیوں نہیں آئی تھیں؟" وہ کمر پر ہاتھ رکھے بڑے رعب سے پوچھ رہا تھا۔
"جی......" وہ حیران ہوئی۔
"جو پوچھا ہے اس کا جواب دیجئے"۔
"میں ضروری نہیں سمجھتی جواب دینا"۔ وہ قدرے غصے سے بولی۔
"میں اتنا غیر ضروری نہیں ہوں' جو سوال کیا ہے اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیں"۔ وہ رعب جمائے جا رہا تھا۔
"دیکھیے مسٹر! میں......" ایمان نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
"دکھائیے کیا دکھانا ہے؟"
"آپ سے دوبارہ بات کیا کر لی' آپ فری ہی ہو گئے' میں اجنبیوں سے بالکل بات نہیں کرتی ہوں"۔
"بہت اچھا کرتی ہیں' لیکن میں اجنبی نہیں ہوں نام آپ میرا جانتی ہیں اور فاریہ' فری اور فرح کا کزن ہوں' تو اجنبی تو ہم ہو ہی نہیں سکتے' آپ جیسے فاریہ کی دوست ہیں' ایسے میری بھی ہیں"۔
"بہت بولتے ہیں آپ کم بولا کریں"۔ وہ خفا ہوئی۔
"میں کہاں بولتا ہوں' بولتی تو آپ ہیں اور خوب بولتی ہیں' میں آپ کے بولنے سے ہی تو متاثر ہوا تھا"۔
"کیا ضرورت تھی متاثر ہونے کی' کہا کس نے تھا آپ کو متاثر ہونے کے لئے؟" وہ غصے سے سوال کرنے لگی۔
"میرے دل نے......" وہ ذرا جھک کر ادا سے بولا۔
"دل...... یہ دل بیچ میں کہاں سے آ گیا' دیکھیے میں یہاں فاریہ سے ملنے آئی ہوں' اگر وہ نہیں ہے تو اسے بتا دیجئے گا"۔ وہ جانے کو پلٹی۔
"ساری بات دل ہی سے تو شروع ہوتی ہے' ویسے فاریہ سے مل کر کیا کیجئے گا' میں جو ہوں مجھ سے ملیئے"۔ وہ شوخ ہو رہا تھا۔
"آپ پاگل تو نہیں ہیں؟" وہ برہم ہو رہی تھی۔
"تھا تو نہیں آپ کو دیکھ کر ہو گیا ہوں"۔
"پھر تو آپ کا اللہ ہی مالک ہے"۔ وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"وہ تو سب ہی کا مالک ہے' آپ بیٹھئے نا آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں"۔
"نو تھینکس"۔ وہ خشک لہجے میں بولی۔
"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے' آپ ہی کا گھر ہے آیا جایا کیجئے"۔
"جی...... میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیئے"۔ وہ تیزی سے باہر کی طرف جانے لگی۔
"ارے میری بات تو سنیئے"۔ وہ پکارتا رہ گیا' مگر وہ سنی ان سنی کر کے چلی گئی۔

............☆............

ایمان' حاشر سے کوئی بات کرنے کو تیار نہیں تھی' فاریہ اسے حاشر کے دل کا حال سنا چکی تھی۔

"دیکھو فاریہ! بہت مذاق کر چکے ہیں تمہارے کزن' اب بس کرو میں اس بات کو مزید نہیں بڑھانا چاہتی ہوں"۔ ایمان نے صاف کہہ دیا۔
"کیوں...... تمہیں یہ سب مذاق کیوں لگ رہا ہے حاشر بہت زیادہ سنجیدہ ہے تمہارے لئے"۔
"مگر میں سنجیدہ نہیں ہوں' اس طرح تھوڑی ہوتا ہے"۔ ایمان کو اعتراض تھا۔
"تو کس طرح ہوتا ہے؟" فاریہ کو غصہ آیا۔
"مجھے نہیں پتا"۔
"او کے بابا' میں کہتی ہوں جا کر حاشر سے"۔
"کیا کہو گی؟" وہ پوچھنے لگی۔
"یہی کہ یہاں کچھ نہیں ہو گا' کہیں اور ٹرائی کرو"۔ فاریہ نے سلگ کر کہا اور اپنا پرس اُٹھا کر باہر نکل گئی۔
"اس میں غصہ کرنے والی کون سی بات ہے یار! جب مجھے اچھا نہیں لگتا تو ضروری ہے زبردستی کی جائے"۔ وہ خود کلامی کے اسٹائل میں بولی اور جھنجلا کر کشن اُٹھا کر پھینکا۔

............☆............

"کیا کہا تمہاری دوست نے؟" حاشر سے پہلے اس کی مما نے پوچھ لیا' کیونکہ ان کو بھی سب خبر ہو چکی تھی۔
"وہ ایسا نہیں سوچتی ہے' عجیب بے وقوف لڑکی ہے سوچنے میں کون سا ٹائم لگتا ہے' جب نہیں سوچا تو اب سوچ لے"۔ فاریہ خفا ہونے لگی۔
"تو یہ سب ایمان سے کہنا تھا نا' یہاں کہنے کا فائدہ"۔ حاشر کو اس پر غصہ آنے لگا۔
"تم مجھ پر کیوں غصہ کر رہے ہو' میں گئی تو تھی اس سے بات کرنے' اب وہ ایسا نہیں سوچتی ہے تو میں کیا کروں؟" وہ حاشر سے جھگڑنے لگی۔
"اسی لئے کہا تھا مجھے ساتھ لے چلو' اب دیکھ لو نتیجہ"۔
"او کے بابا' تم خود ہی کر لو جا کر بات"۔ فاریہ نے چڑ کر کہا۔
"تم دونوں کیا بچوں کی طرح لڑ رہے ہو' فاریہ! تم کل میرے ساتھ چلنا' میں اس کے والدین سے خود بات کر لوں گی' اگر انہیں منظور ہو گا تو سب کچھ خود ہی طے ہو جائے گا"۔ آمنہ نے ان دونوں سے کہا۔
"یہ ٹھیک رہے گا میں کل آ جاؤں گی"۔ فاریہ خوش ہو گئی' ساتھ ہی حاشر کا موڈ بھی تھوڑا بہتر ہو گیا۔

............☆............

فاریہ' آمنہ اور حاشر کے بابا یاسر کے ساتھ ایمان کے یہاں موجود تھے' ایمان کی والدہ فاریہ کے اچانک رشتہ لے آنے پر حیران تھیں' آمنہ نے بات ہی اتنے اچھے طریقے سے کی تھی کہ ایمان کے والدین متاثر ہو گئے تھے' انہوں نے سوچ کر جواب دینے کا کہا تھا۔ ایمان کی والدہ نے جب ایمان سے اس سلسلے میں بات کی تو وہ مزید چڑ گئی۔
"آخر یہ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں مما! مجھے ابھی نہیں کرنی شادی ابھی اور پڑھنا ہے مجھے"۔
"اور کتنا پڑھو گی MSC تو کر چکی ہو"۔
"پی ایچ ڈی ابھی میں نے ایم فل کرنا ہے' ابھی آپ منع کر دیں"۔
"تمہارے ڈیڈی کو حاشر بہت اچھا لگا ہے' فیملی بھی اچھی ہے منع کرنے کا جواز ہی نہیں ہے"۔ انہوں نے صاف منع کر دیا اس کی بات ماننے سے۔

''کہہ دیں میں ابھی ایم فل کر رہی ہوں''۔
''کہا تھا انہوں نے کہا ہے شادی کے بعد بھی ہو جائے گا اور ہاں تمہارے ڈیڈی بات فائنل کر رہے ہیں''۔ انہوں نے اسے اطلاع دی۔
''آپ لوگوں نے اتنی جلدی سب طے بھی کر دیا؟''
''ہاں فاریہ کا کزن ہے''۔
''تو فاریہ کا کزن ہونا اس کی گارنٹی ہو گیا مما! یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی''۔ وہ ناراض ہوئی۔
''تمہارے ڈیڈی نے کچھ سوچ کر ہی بات آگے بڑھائی ہو گی' خیر اب تم اپنی شادی کی تیاری کرو' آمنہ کو بہت جلدی ہے''۔ وہ باہر جانے لگیں۔
''انہیں کہہ دیں انتظار کریں''۔ وہ اونچی آواز میں بولی۔
''وہ لوگ تاریخ لینے آ رہے ہیں' تم جانے کی تیاری کرواپنے سسرال''۔ وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئیں۔
ایمان جھنجلا کر رہ گئی' اس کے منع کرنے پر مائرہ نے کوئی نوٹس نہیں لیا' حاشر کے گھر والوں کو تاریخ دے دی' یوں چند ہی دنوں میں ایمان اور حاشر شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔
''یار! تم گئے فرح کے لئے ویڈنگ گفٹ لینے تھے اور پسند اپنے لئے ایمان کو کر آئے''۔ عدیل دلہا بنے حاشر سے کہہ رہا تھا۔
''یار! بندے کو اتنا ہی اسٹریٹ فارورڈ ہونا چاہیئے' اب تمہاری طرح تھوڑی ہوں مہینوں لگا دیئے دل کی بات کہنے میں تم نے''۔ حاشر نے کہا۔
''اوئے...... چپ دلہا بولتے نہیں ہیں''۔ اویس نے کہا۔
''یہ بات دلہن کے لئے کہی جاتی ہے اور ایمان ابھی خاموش ہے''۔ حاشر نے کہا۔
''ویسے یار! میں سوچتا ہوں' میں بھی تیرے ہی اسٹائل میں اپنے لئے لڑکی پسند کر ہی لوں''۔ اویس نے کہا۔
''کیا مطلب؟'' حاشر نے پوچھا۔
''ویڈنگ گفٹ لینے کے بہانے اپنی دلہن کا چہرہ میں بھی دیکھ آؤں''۔ اویس کی بات پر حاشر اور عدیل دونوں ہی ہنسنے لگے۔
''اب ہر کوئی میرے جیسا خوش قسمت تھوڑی ہوتا ہے''۔ وہ اترایا۔
''اچھا جی''۔ وہ دونوں ہنسے۔
سب ہی لوگ دونوں کو یہی بات کہہ کر چھیڑ رہے تھے' حاشر تو ان لوگوں کی باتوں کا جواب دیتا رہا جبکہ ایمان شرماتی رہی۔
حاشر نے ایمان کو رونمائی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے کہا۔
''یہ رنگ میں تمہیں اس لئے دے رہا ہوں کیونکہ تمہیں رنگ پہننا پسند ہے اور یہ چین اس لئے پہنا رہا ہوں کہ آج میں نے تم کو اپنے پیار کی زنجیر میں باندھ لیا ہے' اب آزادی ممکن نہیں ہو گی''۔ ایمان نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔
''آپ نے یہ سب سے کیوں کہا کہ آپ نے مجھے فرح کی شادی میں پسند کیا تھا اور میری پسند کی رنگ فرح کو گفٹ کی تھی' حالانکہ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے' اب سب اس بات پر میرا ریکارڈ لگاتے رہیں گے' آپ گئے فرح کے لئے گفٹ لینے تھے اور پسند کر آئے رنگ پسند کر کے دینے والی ہو''۔ وہ اس پر ابھی تک

اس بات کے لئے ناراض تھی۔
''ارے...... تو کیا ہوا تم اس بات کو مائنڈ کیوں کر رہی ہو' دیکھو یہ تو میرے سچے جذبے کی جیت ہے کہ میں نے جو چاہا وہ پا لیا' ایمان! ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جن کو حسب خواہش زندگی گزارنے کے لئے ہمسفر مل جاتا ہے ہمیں تو خوش ہونا چاہیئے جو چاہا وہ پا لیا''۔ وہ اسے سمجھانے لگا۔
''چاہا آپ نے ہے میں نے نہیں' میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا آپ کے بارے میں''۔ ایمان نے اسے گھورا۔
''میں چاہوں یا تم بات تو ایک ہی ہے''۔ حاشر مسکرایا۔
''بات ایک کیسے ہے' شادی صرف آپ کی پسند کی ہے میری نہیں''۔ وہ بحث پر اتر آئی۔
''اچھا...... یہ بات ایک کب ہو گی ہماری تمہاری؟'' وہ پوچھنے لگا۔
''ٹائم لگے گا''۔
''اوکے میں پسند کے ایک ہونے کا انتظار کروں گا''۔
''اچھا''۔ وہ مسکرائی' تو وہ بھی مسکرا دیا۔

............☆............

جہاں حاشر ایمان کو پا کر مسرور تھا' وہیں ایمان اس کے کزنز اور دوستوں کی بات سن کر دل مسوس کر رہ جاتی کہ فرح کی ویڈنگ رنگ پسند کرنے کی وجہ سے حاشر ایمان کو پسند کر بیٹھا۔
''حاشر! ضرورت ہی کیا تھی سب کو بتانے کی' سب مجھ کو یہی کہہ کر تنگ کرتے ہیں''۔ وہ آج پھر حاشر سے شکوہ کر رہی تھی۔
''ارے یار! اس میں برا ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے' کہہ دیا کرو کیا تھا پسند پھر؟'' حاشر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
''مگر بات تو غلط ہے نا' پسند یکطرفہ تھی''۔ وہ ابھی تک اپنے موقف پر اڑی ہوئی تھی۔
''اگر تمہیں میں پسند نہیں تھا تو پہلے کہتیں یار! کم از کم ایک بار کہہ ہی دیا ہوتا' اب یہ سب کہنے کا فائدہ''۔ وہ خفا ہو کر اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔
''میں نے یہ کب کہا میں ایگری نہیں تھی''۔ وہ اس کے خفا ہونے پر پریشان ہوئی۔
''ابھی تم ہی نے تو کہا اور فاریہ سے بھی تم نے یہی کہا تھا''۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولا۔
''میں ایم فل کرنا چاہ رہی تھی اس لئے منع کیا تھا''۔
''مگر میں نے تو تمہیں نہیں منع کیا ایم فل کرنے سے''۔
''ہاں نہیں کیا''۔
''ابھی تم بات پسند نہ کرنے کی کر رہی تھیں ایمان! تو تم مجھے پسند نہیں کرتیں تھیں؟'' وہ پھر اسی بات پر آ گیا۔
''وہ تو شادی سے پہلے کی بات تھی''۔
''اب کرتی ہو؟'' وہ اس کے قریب چلا آیا۔
''ہوں...... اب تو کرنا پڑ گیا مجبوری جو ہے''۔ وہ اقرار یوں کر رہی تھی جیسے احسان کر رہی ہو۔
''کیا مجبوری......'' وہ برا مان کر بولا تو وہ مسکرا دی۔
''بہت بدتمیز ہو تم بہت ستاتی ہو مجھے''۔ وہ اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دیا۔

............☆............

ایمان کو بارش کا موسم بہت پسند تھا' جب کہ حاشر کو بارش زیادہ پسند نہیں تھی۔

''حاشر دیکھو! اتنی اچھی بارش ہو رہی ہے باہر آئسکریم کھانے چلیں؟'' وہ کھڑکی کے پار برستی بارش پر نظر جمائے بولی۔

''اتنی شدید بارش میں...... تم فریج سے آئسکریم نکال کر کھالو''۔ حاشر نے مشورہ دیا۔

''بارش ہی میں تو آئسکریم کھانے کا مزہ آتا ہے چلو نا اُٹھو......'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

''اوں...... ہوں...... میرا بالکل موڈ نہیں' پھر کبھی چلیں گے ویسے بھی رات کافی ہو چکی ہے' سو جاؤ لائٹ آف کر کے''۔ حاشر نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو حاشر! مجھے بور مت کرو ورنہ اچھا نہیں ہوگا''۔ وہ دھمکی دینے لگی۔

''اچھا ہو بھی کیسے سکتا ہے' شادی کے بعد بُرا ہوتے میں نے سنا ہے اچھا ہوتے کبھی نہیں سنا''۔

''تو تم نہیں چل رہے؟''

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے''۔ حاشر نے اُٹھ کر لائٹ آف کی۔

''اگر یہ آفر میں نے تمہیں میرڈ لائف سے پہلے کی ہوتی تو تم کبھی منع نہیں کرتے' ابھی صرف گیارہ بجے ہیں اور تمہیں زیادہ ٹائم لگ رہا ہے' تب اگر میں رات 2 بجے تمہیں فون کر کے کہتی بارش ہو رہی ہے اُٹھ کر دیکھو تو تم ساری رات بارش کو دیکھتے رہتے''۔ ایمان کو غصہ آنے لگا۔

''یار! اس وقت کی بات اور ہوتی ہے' ویسے تم اتنی رومینٹک شادی سے پہلے کبھی ہو نہیں سکتی تھیں''۔ حاشر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''یہی تو بات ہے ساری' جب شادی ہو جاتی ہے تو ہر بات ہر فرمائش عجیب لگتی ہے شادی والے دن تو بڑی بڑی باتیں کر رہے تھے تم' اب کیا ہوا؟'' ایمان نے باقاعدہ جھگڑنا شروع کر دیا تھا۔

''باتیں تو اب بھی کرتا ہوں یار! اور ہماری شادی کون سی پرانی ہو گئی ہے جو تم مجھے یہ سب یاد دلا رہی ہو' دیکھو مجھے بارش میں باہر گھومنا پھرنا بالکل پسند نہیں ہے' ہم کل چلیں گے' او کے اب سو جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے''۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھاتے ہوئے بولا۔

''لیکن مجھے نیند نہیں آ رہی ہے''۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''او کے گڈ نائٹ! صبح جلدی اُٹھا دینا میری میٹنگ ہے''۔ وہ دوبارہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا تو وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ ایمان بیڈ پر نیم دراز بیٹھی کبھی لیمپ کھول رہی تھی کبھی بند کر رہی تھی بار بار روشنی کھلنے بند ہونے سے حاشر کی نیند خراب ہو رہی تھی۔

''ایمان! کیا کر رہی ہو سونے دو پلیز''۔ وہ منہ پر تکیہ رکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی ہے' تم نے سونا ہے گڈ نائٹ''۔ وہ اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''یہ کوئی ٹائم ہے باہر جانے کا لیکن جانا پڑے گا میڈم کا موڈ جو خراب ہے''۔ وہ کمبل ہٹاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا' ایمان کے پیچھے باہر آیا وہ لان میں پودوں پر برستی بارش پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

''پودوں پر گرتا بارش کا پانی کتنا اچھا لگتا ہے ناں؟'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

''ابھی تو تمہیں نیند آ رہی تھی''۔ وہ گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''تمہارے غصے کو دیکھ کر بھاگ گئی' تمہارے غصے سے ڈر جو گئی''۔

''اچھا......'' وہ مسکرائی۔

''آئسکریم کھانے چلیں پھر؟''

''نہیں بارش بہت تیز ہو رہی ہے' تمہیں ڈرائیونگ میں پرابلم ہوگی' ایسا کرتے ہیں فریج سے آئسکریم نکال کر

کھاتے ہیں''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''او کے' میں لاتا ہوں بس دو منٹ میں آیا''۔ وہ یہ کہتا ہوا اندر چلا گیا' تھوڑی دیر میں آئسکریم لے کر وہاں آیا تو ایمان خوش ہو گئی۔

''ویسے تم اتنے بُرے نہیں ہو حاشر!'' وہ آئسکریم کھاتے ہوئے بولی۔

''اچھا تھوڑا بُرا ہوں؟''

''ہوں...... تھوڑے بُرے لگتے ہو جب میری بات نہیں مانتے' جب مجھے تم پر بہت غصہ آتا ہے اچھا سنو کل جلدی آ جانا''۔

''اگر تم کہو تو جاتا ہی نہیں ہوں''۔

''او کے' تو ٹھیک ہے پھر ہم صبح سے ہی شمائلہ چچی کی طرف چلتے ہیں''۔

''کیوں ان کی طرف کیوں جانا ہے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''سونیا کی برتھ ڈے ہے کل اس کے لئے گفٹ بھی لینا ہے''۔

''او کے میں جلدی آ جاؤں گا''۔

''ابھی تو تم چھٹی کر رہے تھے''۔

''کل ٹینڈر کھلنے والا ہے' اس لئے چھٹی نہیں ہو سکتی اگر یہ ٹینڈر مجھے ملا تو میں کافی بزی رہوں گا کچھ دنوں تک''۔ وہ اسے بتانے لگا۔

''اچھا......'' وہ دھیرے سے بولی' وہ دونوں کافی دیر تک بارش کو برستے دیکھتے رہے۔

ایمان 4 بجے سے حاشر کا انتظار کر رہی تھی بار بار گیٹ تک جاتی پھر لوٹ آتی۔

''دیکھیں مما! یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی 4 بجے کا کہا تھا اور اب 7 بج رہے ہیں' حاشر کا ابھی تک کوئی پتا نہیں ہے''۔ وہ آہستہ سے شکایت کرنے لگی۔

''تم فون کر لو''۔

''کیا تھا موبائل آف ہے اور آفس میں وہ ہیں نہیں اب کہاں فون کروں' اگر میں سونیا کی برتھ ڈے میں لیٹ گئی تو وہ بہت خفا ہوگی مجھ پر اور میں حاشر پر اس سے زیادہ غصہ کروں گی' کوئی احساس ہی نہیں اتنی دیر ہو گئی ہے' وہاں برتھ ڈے پارٹی شروع بھی ہو چکی ہوگی''۔ وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''بیٹا! وہ بزی ہوگا تم چلی جاتیں' حاشر بعد میں آ جاتا تم یوں کرو سونیا کی طرف چلی جاؤ' حاشر آتا ہے تو میں اسے بھیج دوں گی''۔

''اکیلے کیسے جاؤں؟'' وہ پلکیں جھپکتے ہوئے بولی۔

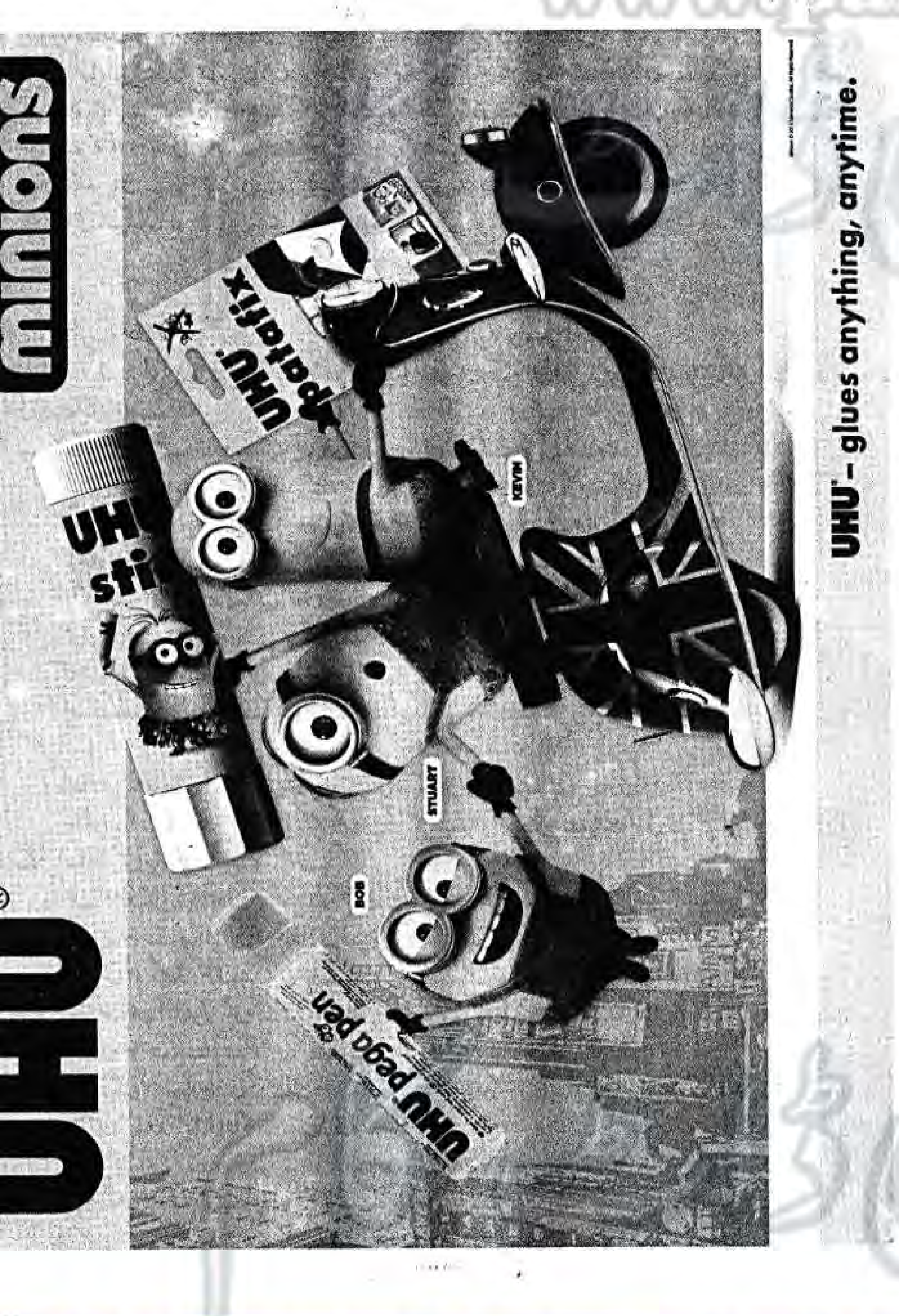
''میں یاسر سے کہتی ہوں وہ تمہیں چھوڑ آئیں گے''۔ وہ اُٹھتے ہوئے بولیں۔

''نہیں رہنے دیں بابا کو خوامخواہ زحمت ہوگی' میں ڈرائیور سے کہتی ہوں''۔ وہ باہر نکل آئی' آمنہ اس کے پیچھے آئیں' وہ انہیں خدا حافظ کہتی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔

برتھ ڈے پارٹی میں سونیا اس کے لیٹ آنے پر خفا تھی' مگر اس نے سونیا کو منا لیا۔

''حاشر نہیں آیا تمہارے ساتھ''۔ شمائلہ چچی نے پوچھا۔

''ان کی میٹنگ تھی' وہیں سے آ جائیں گے میں نے انہیں فون کر دیا تھا''۔ ایمان نے جھوٹ بولا۔



پارٹی ختم ہورہی تھی حاشر کا کچھ پتا نہیں تھا ایمان کا غصہ عروج پر پہنچ چکا تھا' سب نے بار بار حاشر کے بارے میں پوچھا تھا' رات جب وہ گھر آئی تو حاشر جب بھی نہیں آیا ہوا تھا۔

''ابھی تک گھر آئے ہی نہیں ہیں' آنے دو ابھی پوچھتی ہوں کہاں تھے''۔ وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی کپڑے چینج کرکے باہر نکل آئی۔ وہ مسلسل ٹہل ٹہل کر حاشر کا انتظار کررہی تھی' کافی دیر بعد حاشر کی گاڑی کا ہارن بجا' واچ مین نے جلدی سے گیٹ کھولا' وہ وہیں چلتی ہوئی آ گئی حاشر گاڑی پارک کرکے اُترا تو وہ اس کے سر پر کھڑی تھی۔

''ٹائم دیکھا ہے تم نے اب یہ مت کہنا کہ میری گھڑی خراب تھی''۔ وہ غصے سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں گھڑی تو بالکل ٹھیک ہے' تم یہاں کیوں کھڑی ہو ٹھنڈ لگ جائے گی' چلو اندر چل کر بات کرتے ہیں' مما سو گئیں کیا؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہوئے بولا۔

''ہوں......سو گئیں' یہ ٹائم ہے تمہارے گھر آنے کا''۔ وہ لڑائی کے موڈ میں لگ رہی تھی۔

''سوری دیر ہوگئی' مگر تمہیں ٹھنڈ میں نہیں بیٹھنا چاہئے' بیمار ہو جاؤ گی تو کافی پریشانی ہوگی مجھے''۔

''دیر نہیں بہت دیر ہوگئی ہے' میں نے تمہیں جلدی آنے کا کہا تھا اور تم اب آرہے ہو وہاں پارٹی میں سب تمہارا پوچھ رہے تھے''۔ وہ ہاتھ چھڑا کر کمرے میں داخل ہوئی۔

''اوہ......ہاں سونیا کی برتھ ڈے تھی' ہوگئی برتھ ڈے اس کی؟'' وہ سر تھام کر رہ گیا۔

''نہیں تمہارے انتظار میں کیک نہیں کاٹا گیا تمہارے نہ آنے سے برتھ ڈے پارٹی رُک تو نہیں سکتی تھی نا''۔ ایمان نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

''سوری بھول گیا تھا' چلو تم تو چلی گئیں نا پارٹی میں' آج کام اتنا تھا کہ کچھ یاد ہی نہیں رہا''۔ وہ افسوس کرنے لگا۔

''تمہارے جیسے بزنس مائنڈ رکھنے والوں کے نزدیک صرف کام ہی اہم ہوتا ہے' دوسری باتیں تمہاری مصروفیت کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کرجاتی ہیں''۔ ایمان حاشر کو نائٹ سوٹ دیتے ہوئے بولی۔

''ہاں......کام ہی تو سب کچھ ہوتا ہے' اگر کام نہ ہو تو انسان خود کو بیکار محسوس کرتا ہے اور یہ بات تم بھی جان لو مجھے اپنے کام سے عشق ہے' میرے لئے ہر چیز سے زیادہ اہم ہے میرا بزنس''۔ وہ اس کو شانوں سے تھامتے ہوئے بولا۔

''تمہارے لئے صرف کام اہم ہے اور کچھ اہم نہیں''۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں کام نہ ہو تو بندہ بیکار ہو جاتا ہے' فالتو چیزوں کی طرح''۔ وہ سوٹ اٹھا کر چینج کرنے چلا گیا' وہ چینج کرکے آیا تو ایمان اسی پوزیشن میں کھڑی تھی۔

''کام کے علاوہ کوئی اور چیز اہمیت رکھتی ہے تمہاری زندگی میں یا نہیں؟'' وہ حاشر سے پوچھنے لگی۔

''نہیں صرف کام ہی اہمیت رکھتا ہے میرے نزدیک''۔ وہ ٹی وی آن کرتے ہوئے بولا۔

''میں بھی نہیں؟''

''تم تو میرے دل کی دھڑکن ہو' تم خود کو کام سے کیوں کمپیئر کررہی ہو؟ کام' کام ہوتا ہے اور تم' تم ہو یار' میں کام میں اور انسانوں میں فرق رکھتا ہوں' اگر مجھے تم سے محبت ہے تو اپنے کام سے عشق' میں نہ تمہیں اگنور کرسکتا ہوں اور نہ ہی اپنے کام کو' آئندہ خود کو کسی بھی چیز سے کمپیئر نہیں کرنا''۔ وہ اسے بٹھاتے ہوئے بولا اور خود نیچے اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''اوکے نہیں کروں گی لیکن تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا''۔

''کیا وعدہ لینا ہے؟''

''تم دیر سے نہیں آیا کرو گے' میں بور ہو جاتی ہوں اور انتظار کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا' 4 بجے سے تمہارا انتظار کررہی

تھی تم اب آئے ہو تم اتنا انتظار کیوں کرواتے ہو کیا ملتا ہے تم کو دیر سے آنے میں"۔

"تمہارا یہ غصے بھرا انداز مجھے کافی مزہ دیتا ہے' تمہاری غصے میں بھری مگر محبت کی چاشنی سے گندھی باتیں یار لائف میں کچھ نہ کچھ گرما گرم تو ہونا ہی چاہیے' یہی جھگڑے تو محبت کا پتا دیتے ہیں' دل میں احساس جگاتے ہیں کہ کوئی ہے جو سب کے ساتھ ہو کر بھی تمہارے بغیر خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے' تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے خیالوں میں گم رہتا ہے' دل کو یہ جان کر بے انتہا خوشی ملتی ہے' یہ سب چیزیں میرے دل میں تمہاری محبت کو اور بڑھا دیتی ہیں' تم نے سنا نہیں شاعر نے کہا ہے

"بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے
جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر"

حاشر نے کہا۔

"یہ روز روز کی لڑائیاں تمہیں ہم سے دور بھی کر دیا کرتی ہیں مجھے روز روز تم سے جھگڑا کرنا اچھا نہیں لگتا"۔ حاشر کی بات پر ایمان نے کہا۔

"مجھے تو تمہارا غصے والا روپ ہی اچھا لگتا ہے"۔ وہ اس کے ماتھے پر سے لٹ ہٹاتے ہوئے بولا۔

"تو تم یوں کرو رات بھر میرا چہرہ دیکھتے رہو میں سونے جا رہی ہوں"۔ وہ اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اٹھی۔

"اتنی جلدی ابھی بجا ہی کیا ہے؟" وہ اس کا ہاتھ تھام کر ادائے دلبری سے بولا۔

"ڈھائی بج چکا ہے' صبح تم کو آفس بھی جانا ہے اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے"۔

"ابھی کہاں؟ ابھی مجھے نیند نہیں آ رہی"۔

"تو تم جاگو مجھے سونا ہے"۔ وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے اپنی جگہ لیٹ گئی۔

"لائٹ آف کر دینا"۔ ایمان نے کمبل اوڑھتے ہوئے کہا۔

"او کے گڈ نائٹ"۔ وہ لائٹ آف کر کے لیٹ گیا۔

..............☆..............

کچھ دنوں سے ایمان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی' عائشہ اسی لئے گھر رہنے آئی ہوئی تھی۔

"حاشر! دیکھو ایمان کا کیس میں خود نہیں کروں گی' میں نے ڈاکٹر بتول سے بات کر لی ہے' تم کل خود آنا ایمان کو لے کر"۔ وہ آفس جاتے حاشر سے کہنے لگی۔

"کل شام تو میں بزی ہوں' تم خود لے جانا ایمان کو اپنے ساتھ"۔ حاشر نے کہا۔

"میں ایمان سے کہہ دوں گی' وہ خود تمہیں اپنے ساتھ لے آئے گی"۔ عائشہ نے کہا۔

"تم جانتی ہو مجھے ڈاکٹرز کے پاس جانے سے الرجی ہے' یار! میں تمہارے پاس نہیں آتا اس لئے کہ تم بھی ایک ڈاکٹر ہو حالانکہ بہن ہو میری' میں نے کبھی تمہیں اسپتال سے پک اینڈ ڈراپ دی' نہیں ناں یار پلیز تم خود اسے لے جانا"۔ وہ بڑی سہولت سے اسے کنوینس کر رہا تھا۔

"او کے' میں خود لے جاؤں گی ایمان کو' اب جاؤ"۔ عائشہ نے گاڑی کا دروازہ حاشر کے لئے کھولتے ہوئے کہا۔

"تھینکس"۔ وہ مسکراتا ہوا گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

..............☆..............

"تم گئی تھیں ڈاکٹر بتول کے پاس؟" حاشر نے اگلے دن آتے ہی پوچھا۔

"ہوں گئی تھی لیکن میں تم سے ناراض ہوں"۔ وہ اس کی طرف سے رُخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"وہ کیوں؟" وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف رُخ کیا۔

"کیوں تمہیں نہیں پتا؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے غصے سے بولی۔

"یار! سوری میں ڈاکٹرز کے پاس جانے سے گھبراتا ہوں"۔

"ڈاکٹر نے تمہیں نہیں مجھے اٹینڈ کرنا تھا' آج تو میں چلی گئی تھی عائشہ باجی کے ساتھ' مگر آئندہ نہیں جاؤں گی اگر تم خود ساتھ چلو گے تو میں جاؤں گی ورنہ نہیں جاؤں گی' کہہ دیا ہے میں نے تم سے"۔ وہ غصے سے بولتی ہوئی منہ پھلا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"دیکھو ایمان! بات کو سمجھو"۔ وہ اس کے نزدیک زمین پر بیٹھ گیا۔

"کیا دیکھوں! یہ دیکھوں کہ تم کتنے لاپرواہ ہو میری طرف سے"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"اگر ایسی کوئی بات نہیں ہوتی' تو تم میرے ساتھ چلتے"۔

"او کے اگلی بار میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا اب خوش؟" وہ مسکرایا۔

"وعدہ خلافی تو نہیں کرو گے؟"

"نہیں"۔

"او کے تم نے کھانا کھایا؟"

"نہیں تمہاری ڈانٹ کھائی' کافی ہے"۔ وہ منہ بناتے ہوئے بولا تو وہ اس کے بُرا ماننے پر ہنس دی۔

"میں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے' ابھی لگاتی ہوں تم چینج کر کے جلدی سے آ جاؤ بہت بھوک لگی ہے"۔ وہ تیزی سے بولتی باہر نکل گئی۔ وہ ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی جب ہی حاشر آ گیا۔

"میں بھی ہیلپ کروں تمہاری؟" وہ اس کے ہاتھ سے ڈش لیتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا دی۔

"تھینکس"۔ حاشر نے کرسی ایمان کے لئے سرکائی تو وہ مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"ہوں...... خوشبو تو اچھی ہے' کھانا تم نے بنایا ہے؟" وہ خوشبو سونگھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"نہیں عائشہ باجی نے"۔

"کبھی تم بھی کُکنگ کر لیا کرو"۔ حاشر نے ایمان سے کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور ویسے بھی مجھے کُکنگ کا خاص شوق نہیں ہے' تم یوں کرو ایک کُک کا فوری انتظام کر لو"۔ ایمان نے کہا۔

"وہ کیوں؟" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

"کھانا بنانے کے لئے اور کس لئے؟" اب وہ تھوڑا ناراض ہو کر بولی تو وہ ہنسنے لگا۔

"آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟"

"مما اور بابا دونوں ہی کو کُک کے ہاتھ کا بنا کھانا کھانا بالکل پسند نہیں ہے' تم اپنی عادت بدل لو کوشش کر کے کھانا بنا لیا کرنا ہم لوگ گزارا کر لیں گے ایمان"۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے بولا۔

"حاشر! رمضان میں ڈبل کام ہو جاتا ہے' میری طبیعت کا تو کچھ خیال کر لیں آپ"۔ وہ مرے مرے لہجے میں بولی۔

"ابھی رمضان میں تھوڑا ٹائم ہے اور رہی طبیعت کی بات تو یار سب عورتیں اس حالت میں بھی کام کر لیتی ہیں"۔

حاشر نے لاپرواہی سے کہا۔

''اچھا''۔ وہ مرے ہوئے انداز میں بولی' حاشر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

............☆............

''مما! دیکھیں حاشر کو' میرے ساتھ شاپنگ کے لئے جانے سے منع کر رہے ہیں' پھر رمضان شروع ہو جائیں گے تو کہیں گے روزے میں' میں مارکیٹ کے اتنے چکر نہیں لگا سکتا''۔ ایمان نے آ کر آمنہ سے شکایت کی۔

''حاشر بیٹا! جاؤ کب سے کہہ رہی ہے' چلے جاؤ اس کے ساتھ پھر رمضان میں تمہارے پاس ٹائم نہیں ہو گا''۔ آمنہ نے اس کی سفارش کی۔

''مما! میں بہت تھکا ہوا ہوں' میں جلدی اس لئے نہیں آیا تھا کہ آپ کی بہو کو شاپنگ کرانے لے جاؤں گا بلکہ اس لئے آیا تھا کہ آرام کروں گا' آپ خود ہی لے جائیں نا اپنی لاڈلی کو''۔ وہ صوفے پر لیٹتے ہوئے بولا اور کشن اٹھا کر منہ پر رکھ لیا۔

''ایمان! تم حاشر کے ساتھ پھر کسی دن شاپنگ پر چلی جانا''۔ آمنہ اُٹھ کر اندر چلی گئیں۔

''حاشر! تم چل رہے ہو میرے ساتھ یا میں اکیلی جاؤں''۔ وہ اس کے نزدیک آ کر پوچھ رہی تھی۔

''اوکے جاؤ بائے''۔ وہ کشن منہ پر سے ہٹاتے ہوئے خوش ہو کر بولا۔

''سوچ لو''۔ اب ایمان دھمکی دینے لگی۔

''سوچ لیا ڈیئر!''

''تو ٹھیک ہے' میں واپسی میں اپنی مما کی طرف چلی جاؤں گی اور پورے ہفتے بعد واپس آؤں گی بائے' اب تم آرام سے سونا یہاں کوئی تنگ کرنے نہیں آئے گا تمہیں''۔ وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر جانے لگی۔

''ایک ہفتے کے لئے گھر......اوہ نو''۔ وہ گھبرا کر بولا اور کشن پھینک کر جلدی سے اُٹھا۔

''ارے ایمان سنو تو سہی یار!'' حاشر نے اسے پکارا' مگر وہ اس کی آواز پر دھیان دیئے بغیر باہر نکل گئی تو وہ اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑا۔

''یار! میں تو مذاق کر رہا تھا تم تو سنجیدہ ہو گئیں' چل تو رہا ہوں نا میں شاپنگ پر تمہارے ساتھ''۔ وہ ایمان کا ہاتھ پکڑ کر بولا تو وہ اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

''نہیں تم آرام کرو کافی تھکے ہوئے ہو ناں''۔ اب وہ نخرے دکھانے لگی۔

''ارے تھکن تو تمہیں دیکھ کر اُتر گئی جانم!'' وہ رومانٹک ہوا۔

''نہیں میں اکیلے ہی چلی جاؤں گی''۔ وہ جھینپ کر بولی۔

''چلتے ہیں تم بیٹھو گاڑی میں''۔ وہ چابی اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولا۔

''مجھے مما کی طرف جانا ہے''۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اوکے پہلے ان کی طرف چلتے ہیں پھر شاپنگ''۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

''نہیں پہلے شاپنگ بعد میں مما کے گھر میں وہاں کچھ دن ٹھہروں گی''۔ ایمان نے اچانک ہی پروگرام بنا لیا تھا میکے جانے کا۔

''اب چل تو رہا ہوں تمہارے ساتھ شاپنگ پر' اب غصہ مت کرو اور یہ تم مجھے آنٹی کی طرف جانے کی دھمکی مت دیا کرو ایمان! میرا دل اتنا سا ہے اگر دھڑکنا بھول گیا تو......'' حاشر جذباتی سا ہو گیا۔

''آئندہ ایسا کبھی نہ کہنا تمہارا دل اس وقت تک دھڑکتا رہے گا جب تک میرا دل دھڑکتا رہے گا' تم دل اور میں دھڑکن ہوں''۔ ایمان نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کا ہاتھ چومتے ہوئے ہنس دیا۔

''اتنی محبت ہے تمہیں مجھ سے؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''بے انتہا لیکن آئندہ یہ بات دوبارہ مت کہنا مجھ سے''۔ اس نے اقرار کیا اور ساتھ ہی وارن بھی کیا۔

''ایمان یار! تم مجھے آنٹی کے گھر جانے کی دھمکی دے کر ہر وقت ڈراتی رہتی ہو' میں نے ذرا سا مذاق کیا کر لیا تم ڈر گئیں''۔ وہ ہنس رہا تھا۔

''آئندہ ایسا مذاق دوبارہ مت کرنا''۔ وہ جھلملائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ورنہ کیا؟'' اس نے ایمان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اگر میں تم سے ناراض ہو گئی تو تم مجھے مناتے مناتے تھک جاؤ گے' مگر میں تم سے بات نہیں کروں گی''۔ ایمان نے اسے دھمکی دی۔

''میرا بھی وعدہ رہا تم سے جانم! میں ہر صورت تم کو منا ہی لوں گا''۔ وہ اس کی پلکوں میں ٹھہرے ہوئے آنسو کو اپنی پوروں پر لیتے ہوئے بولا۔

''دیکھو! میری انگلی پر ٹھہرا ہوا تمہارا آنسو کتنا اچھا لگ رہا ہے''۔

''ہوں''۔ وہ انگلی پر چمکتے ہوئے آنسو کو دیکھنے لگی۔

''معلوم ہے یہ اس وقت مجھ سے کچھ کہہ رہا ہے''۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا؟''

''یہی کہ تم مجھ سے کبھی ناراض ہو ہی نہیں سکتیں''۔ حاشر کے لہجے میں یقین تھا۔

''ہاں یہ تو ہے تم ہو ہی اتنے اچھے کہ تم سے ذرا سی دیر بھی میں ناراض نہیں رہ سکتی''۔ ایمان نے اقرار کیا تو وہ ہنس دیا' حاشر نے ایمان کو ڈھیر ساری شاپنگ کروا دی' واپسی پر وہ کافی خوش تھی۔

''یہ تو صرف رمضان کی شاپنگ کی ہے حاشر! عید کی ابھی باقی رہتی ہے اور تم نے مجھے یاد ہی نہیں دلایا' میں آنے والے بے بی کے لئے تو کچھ لے ہی نہیں سکی''۔ وہ گھر آ کر بولی۔

''اس کی شاپنگ تم اس کی دادی اور پھپھو کے ساتھ جا کر کرنا''۔ وہ مشورہ دینے لگا۔

''ہاں مما کے ساتھ چلی جاؤں گی' مگر میں پوری مارکیٹ کا سروے کرنے کے بعد شاپنگ شروع کرتی ہوں' مما تھک جائیں گی میرے ساتھ جا کر''۔ ایمان نے کہا۔

''وہ بالکل نہیں تھکیں گی' بڑی شدت سے انہیں انتظار ہے اپنے پوتے' پوتی کا''۔ وہ ہنسا۔

''ٹھیک' پھر کل ایک ٹرپ مما کے ساتھ ہو جائے گا مارکیٹ کا' تم مجھے اپنا کریڈٹ کارڈ دے دینا شاپنگ میں آسانی رہے گی''۔ ایمان نے اگلے دن کا بھی پروگرام بنا لیا۔

''آج کا خرچہ کافی ہے' روز روز شاپنگ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے''۔ حاشر نے کہا اور اُٹھ کر ٹی وی آن کر لیا تو وہ منہ بنانے لگی۔

''بے انتہا کنجوس ہو تم''۔ وہ غصے سے بولی مگر حاشر نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ بڑی محویت سے ٹی وی دیکھ رہا تھا' وہ آمنہ کے روم میں آ گئی' انہیں دکھانے لگی کہ اس نے کیا کچھ لیا ہے۔

''مما! معلوم ہے آپ کے بیٹے بے انتہا کنجوس ہیں' اتنی ضد کر کے میں نے یہ سب شاپنگ کی ہے اور دیکھیں نا

ابھی تو بے بی کی شاپنگ بھی نہیں کروائی ہے انہوں نے مجھے"۔ وہ شکایت کر رہی تھی۔

"میں کروادوں گی فکر کیوں کرتی ہو"۔ وہ بولیں تو وہ خوش ہو کر ان کے گلے لگ گئی۔

"آپ بہت اچھی ہیں مما!" وہ خوش ہو کر بولی تو وہ ہنس دیں۔

............☆............

رمضان کے مہینے کا آغاز ہو چکا تھا' حاشر اپنے نئے پراجیکٹ کے سلسلے میں خاصا بزی رہنے لگا تھا' افطار میں وہ کم ہی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا' اب بھی اس کی وہی روٹین تھی' آفس سے لیٹ نائٹ اس کی واپسی ہوتی تھی اور آتے ہی سو جاتا' ایمان کی ڈلیوری کے دن نزدیک آتے جا رہے تھے۔ ایمان کافی دنوں سے اپنے گھر جانا چاہ رہی تھی مگر حاشر کے پاس بالکل ٹائم نہیں تھا۔

"حاشر! آفس جاتے وقت تم مجھے ممی کی طرف چھوڑ دینا"۔ صبح آفس کی تیاری کرتے حاشر سے ایمان نے کہا۔

"مجھے آفس جلدی پہنچنا ہے سوری میں تمہیں ڈراپ نہیں کر سکتا' تم خود ہی چلی جانا اور ہاں شام کو جلدی آجانا"۔ حاشر کی بات سنتے ہی ایمان کا موڈ آف ہو گیا۔

"حاشر! تم آج کل کچھ زیادہ جلدی میں نہیں رہتے' آفس جانے کی تم کو جلدی ہوتی ہے' لیکن واپس آنے کی جلدی نہیں ہوتی' پورے رمضان میں صرف ایک دن تم افطاری پر گھر میں تھے' ورنہ روزانہ تو تم آفس میں ہی افطار کرتے ہو' کل رات بھی تم بارہ بجے کے بعد آئے تھے' آخر اتنی دیر آفس میں کیا کرتے رہتے ہو تم؟" وہ لڑنے لگی۔

"یار! بتایا تو ہے تم کو نیا ٹینڈر ملا ہے اسی پر کام ہو رہا ہے عید سے پہلے کام مکمل کرانا ہے میں نے"۔ وہ اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"رات کے بارہ بجے تک؟" ایمان نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"ہاں رات بارہ بجے تک"۔ وہ مسکرایا۔

"اگر تمہیں یقین نہیں تو آفس آکر دیکھ لینا"۔ ایمان سے بات کرتے ہوئے اس کی نظر گھڑی پر پڑی تو وہ اس پر خفا ہونے لگا۔

"اوتو...... میں لیٹ ہو گیا تمہاری باتوں میں' روز اتنا ٹائم ہو جاتا ہے دیکھو 9 بج گئے ہیں اور میں ابھی تک گھر میں ہوں' آفس میں سارا اسٹاف آٹھ بجے آجاتا ہے اور میں روز تمہاری باتوں کی وجہ سے لیٹ ہو جاتا ہوں' یار تم یہ باتیں رات میں نہیں کر سکتی ہو' سب باتیں تم نے صبح ہی کرنی ہوتی ہیں' مجھے آٹھ بجے آفس پہنچنا تھا لیکن تم صبح صبح کسی نہ کسی بات کو لے کر بحث شروع کر دیتی ہو اور مجھے روز دیر ہو جاتی ہے' اب کھڑی کیوں ہو جلدی کرو' میری گاڑی کی چابیاں کہاں رکھی ہیں تم نے؟" وہ چابیاں دیکھنے لگا وہ دراز سے چابیاں نکالنے لگی۔

"کتنی بار تم سے کہا ہے میری چیزیں سامنے رکھا کرو' معلوم نہیں تم کہاں رکھ دیتی ہو یار! اگر ٹیبل پر چابیاں رکھی ہوں گی تو کیا ہو جائے گا مگر نہیں تم دراز میں ڈال دیتی ہو' ایسا لگتا ہے جیسے چابیاں اگر ٹیبل پر رکھی رہ گئیں تو کہیں چلنا شروع کر دیں گی"۔ وہ اس کے ہاتھ سے چابیاں لیتے ہوئے بولا' حاشر کافی غصے میں تھا۔

"حاشر! تم بہت بدل گئے ہو' میری ہر بات پر تمہیں اعتراض ہونے لگا ہے"۔ وہ حاشر کے پیچھے آتے ہوئے شکوہ کرنے لگی تو وہ بھنا کر پلٹا۔

"اوہ گاڈ! اب تم مزید آدھا گھنٹہ اس بحث میں لگا دو گی کہ میں بدل گیا ہوں' تم عورتیں ہوتی ہی شکی مزاج کی مالک ہو' بس بات بات پر میاں پر شک کرنا تم لوگوں کی عادت ہوتی ہے' ذرا احساس نہیں تم کو کہ میں کتنا کام کرتا ہوں'

کتنی محنت کرتا ہوں' سب کس کے لئے تمہارے لئے نا' لیکن تم نہیں سمجھو گی' آج پھر تمہاری وجہ سے لیٹ ہو گیا ہوں میں' نو بجے میٹنگ تھی میری اور ابھی سوا نو ہو رہے ہیں' میں یہاں گھر میں ہوں تمہاری فضول کی بحث میں اُلجھ رہا ہوں"۔ وہ غصے سے بولتا اپنے کالر درست کرنے لگا۔

"حاشر! پہلے تو تم ایسے نہیں تھے"۔ ایمان کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔

"ٹائی کہاں ہے میری' کوئی کام تم ٹھیک سے نہیں کر سکتی ہو ایمان!" وہ واپس پلٹا اور وارڈ روب میں میچنگ ٹائی دیکھنے لگا۔

"کہاں رکھی ہے ٹائی؟" وہ پلٹ کر اس پر غصہ ہوا تو ایمان اپنے لب کاٹتی ہوئی آگے بڑھی اور اسے میچنگ ٹائی نکال کر دیتے ہوئے بولی۔

"غصے کو کم کریں گے تو چیزیں خود بخود نظر آجائیں گی"۔

"شٹ اپ...... ایک تو کام پورا خود کر کے نہیں رکھتیں پھر اوپر سے مشورے دینے شروع کر دیتی ہو"۔ وہ چڑ کر بولا اور ٹائی لگا کر تیزی سے باہر نکلا' آج اسے ایمان کے آنسوؤں کی بھی پروا نہیں تھی۔

"گاڑی تیز مت چلانا حاشر! خدا حافظ"۔ ایمان اس کے پیچھے آئی تھی مگر وہ سنی ان سنی کرتا ہوا تیزی سے گاڑی نکالتا چلا گیا۔

"معلوم نہیں کیوں آج کل تم کچھ زیادہ ہی جھنجلائے ہوئے رہتے ہو' ذرا ذرا سی بات پر خفا ہونے لگتے ہو"۔ ایمان نے ٹیبل پر رکھی حاشر کی تصویر سے کہا' ایمان رو رہی تھی' آمنہ وہاں آئیں تو وہ رُخ موڑ کر اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"کیا ہوا ایمان بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ ایمان کا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"ٹھیک ہے مما!" وہ پلکیں جھپکتے ہوئے بولی۔

"تم گئیں نہیں حاشر کے ساتھ؟"

"کہاں؟" وہ غائب دماغی سے بولی۔

"تم ہی کہہ رہی تھیں اپنی امی کی طرف جانے کا مجھ سے"۔ وہ اس کی غائب دماغی پر حیران ہو کر بولیں۔

"انہیں دیر ہو رہی تھی اس لئے پروگرام کینسل کر دیا' پھر کسی دن چلی جاؤں گی"۔ ایمان کا موڈ آف لگ رہا تھا' اس لئے آمنہ نے زیادہ سوال نہیں کیے۔

ایمان کا موڈ کافی آف تھا بے دھیانی میں وہ کام میں مصروف تھی اور ذہن سوچنے میں مصروف تھا' یونہی کام کرتے کرتے اس کا دماغ چکرانے لگا' ڈور بیل بج رہی تھی جانے کون آیا تھا' وہ جیسے ہی باہر دیکھنے کے لئے نکلنے لگی اسے کمرے کی ہر چیز تیزی سے گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی' اس نے سہارا لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر اس سے پہلے وہ کسی چیز کا سہارا لے کر خود کو سنبھالتی زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

"ارے عائشہ تم اس طرح اچانک......؟" آمنہ بیٹی کو دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"آج ایمان کو چیک اپ کے لئے لے کر جانا ہے' حاشر کو فون کیا تھا وہ میٹنگ میں بزی ہے' اس لئے میں خود ہی چلی آئی' کہاں ہے ایمان؟" عائشہ پوچھنے لگی۔

"اپنے کمرے میں ہے"۔

"اچھا میں دیکھتی ہوں جا کر"۔ وہ یہ کہتی ہوئی اوپر حاشر کے کمرے میں چلی آئی' کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ حیران رہ گئی' ایمان زمین پر بے ہوش پڑی تھی' عائشہ نے تیزی سے بھاگ کر ایمان کے قریب جا کر اسے دیکھا۔

"ایمان! ایمان! آنکھیں کھولو کیا ہوا ہے تمہیں ایمان"۔ وہ پریشانی سے اسے پکار رہی تھی' مگر ایمان کے وجود میں

کوئی جنبش نہیں ہوئی' عائشہ نے نبض دیکھی جو کافی مدھم چل رہی تھی۔ آمنہ ایمان کو دیکھ کر گھبرا رہی تھیں۔ عائشہ ایمان کو آمنہ کے ساتھ اسپتال لے کر روانہ ہوگئی۔ اسپتال پہنچ کر عائشہ نے حاشر اور بابا کو فون کیا وہ لوگ اسپتال پہنچے تو ایمان کے آپریشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں' عائشہ ڈاکٹر بتول سے بات کر رہی تھی۔

''کیس کافی Complicated ہو گیا ہے' ابھی کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا' ماں اور بچے دونوں کی جان کو خطرہ ہے آپ لوگ دُعا کریں''۔ ڈاکٹر بتول کی بات سن کر حاشر سکتے میں آ گیا۔

''ابھی صبح تک ایمان بالکل ٹھیک تھی اب اچانک اس کی کنڈیشن کیسے بگڑ گئی''۔ بات حاشر کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''حاشر! تم پریشان نہیں ہو' اللہ بہتر کرے گا ایمان بے ہوش ہے شاید اس وجہ سے ڈاکٹر بتول نے یہ کہہ دیا ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ عائشہ' حاشر کی حالت دیکھتے ہوئے بولی' وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ بے ہوش کیسے ہوئی؟'' وہ پوچھنے لگا۔ عائشہ نے فون پر حاشر کو نہیں بتایا تھا کہ ایمان گر گئی ہے' صرف اتنا کہا تھا ''وہ اسپتال میں ہے تم فوراً آ جاؤ''۔

''اس کا پیر شاید سلپ ہو گیا تھا' وہ گر گئی تھی اس لئے''۔ عائشہ نے بتایا تو وہ مزید پریشان ہو گیا۔

''کیسے وہ گری' کیسے؟'' وہ عائشہ سے پوچھ رہا تھا۔

''معلوم نہیں' میں جب گھر پہنچی تو ایمان کمرے میں بے ہوشی کی حالت میں مجھے ملی تھی''۔ عائشہ نے بتایا۔

''ان پیپرز پر سائن کر دیں''۔ نرس نے آ کر فائل عائشہ کو دے دی' تو حاشر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''کیس Complicated ہے لیکن ہم کوشش کر رہے ہیں' آپ بتائیں اگر کسی ایک کی جان بچانی ہو تو آپ کو کیا چاہیئے ماں یا بچہ؟'' ڈاکٹر بتول بڑی تیزی سے حاشر کے نزدیک آ کر پوچھنے لگیں۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں عائشہ! ابھی تو تم کہہ رہی تھیں سب ٹھیک ہے''۔ وہ عائشہ سے مخاطب تھا۔

''حاشر! یہ سب تو فارمیلٹیز ہوتی ہیں' تم ان پیپرز پر سائن کر دو''۔ عائشہ نے ڈاکٹر بتول کو آنکھیں دکھائیں۔

''آپ فارمیلٹی کے لئے ہی بتا دیں مسٹر حاشر! آپ کو بچہ چاہیئے یا ماں''۔ وہ پھر پوچھنے لگیں۔

''ایمان!'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ڈاکٹر جا چکی تھی حاشر کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

''دو زندگیاں ایک بھنور میں پھنس گئی ہیں اگر میرے بس میں ہوتا تو میں خود کو مٹا کر ان دونوں کو بچا لیتا' لیکن انسان بھی کتنا بے بس ہوتا ہے بعض معاملات میں وہ اپنے لئے کچھ نہیں کر پاتا' لیکن ایک ذات ہے جو ان دونوں کو زندگی دے سکتی ہے''۔ حاشر کو مایوسی کی دھند میں اُمید کی روشنی نظر آئی۔

''اے میرے اللہ! میں تجھ سے اپنے لئے کچھ نہیں مانگ رہا' تو اپنے اس بابرکت اور رحمتوں والے مہینے میں میری ایمان کو زندگی بخش دے میرے مولا اور میری ایمان کی خوشی کے لئے ہمارے بچے کو بھی سلامت رکھنا' مجھے اپنی ایمان کے علاوہ کچھ نہیں چاہیئے' مگر ایمان ہمارے بچے کو کھو کر خوش نہیں رہ سکے گی''۔ حاشر کے دل میں دعائیں تھیں۔ پیپرز پر سائن کرتے ہوئے ہاتھوں میں لرزش محسوس ہو رہی تھی' حاشر نے آنسوؤں کے اُمڈتے ہوئے طوفان کو بڑی ہمت کے ساتھ پیچھے دھکیلا۔ خدا کے حضور مسلسل ایمان کی زندگی کے لئے دعائیں مانگ رہا تھا۔ حاشر نے آپریشن تھیٹر کے دروازے پر لگے شیشے کے پار ایمان کو دیکھنے کی کوشش کی جو زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی' وہ ایک نظر بھی اسے دیکھ نہیں سکا تھا۔

''اگر ایمان کو کچھ ہو گیا تو......'' ایک خدشے نے سر اُبھارا تو وہ بے چین ہو اُٹھا۔

''نہیں' نہیں''۔ وہ نہیں نہیں کی گردان کرنے لگا۔

''نہیں' نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا' وہ زندہ رہے گی جب میں دل اور وہ دھڑکن ہے' تو دل سے دھڑکن کیسے جدا ہو سکتی ہے اس کو کچھ نہیں ہوگا''۔ اس کے دل نے کہا مگر حاشر کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ وقت لگ رہا تھا جیسے تھم گیا ہو گھڑی کی سوئی کی ٹک ٹک دماغ میں ہلچل مچا رہی تھی' آنکھیں O.T پر مرکوز تھیں' کان ہر آہٹ پر چونک اُٹھتے' آمنہ مسلسل تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں' عائشہ مسلسل ٹہل ٹہل کر دعائیں کر رہی تھی' پریشانی کے عالم میں وہ لوگ ایمان کے گھر والوں کو فون کرنا ہی بھول گئے' یاسر ان سب کو تسلی دے رہے تھے۔

''مجھے امید ہے ایمان بالکل ٹھیک ہو جائے گی''۔ حاشر کی حالت دیکھ کر انہیں کافی پریشانی ہو رہی تھی' وہ ایمان کو کھو دینے کے خیال سے ہی دیوانہ سا ہو گیا تھا۔

ذہن کے پردے پر ایمان کا مسکراتا چہرہ گزرے وقت کی تصویریں بنا رہا تھا' کہیں وہ ہنس رہی تھی' تو کہیں شر... رہی تھی' تو کبھی کسی بات پر خفا ہو کر منہ پھلا رہی تھی۔ O.T کا دروازہ کھلا تو ان لوگوں کی سانس تھم گئی۔

''بیٹا ہوا ہے''۔ سسٹر نے آ کر اطلاع دی تھی' مگر حاشر نے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

''ایمان......'' حاشر کے لب ہلے مگر آواز نے ساتھ نہیں دیا' وہ نرس سے کچھ بھی نہیں پوچھ سکا' سسٹر فوراً ہی چلی گئی تھی۔ وہ وہیں O.T کے دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا' جانے کیا خیال آیا تھا اس کے ذہن میں کہ وہ زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگا' ان لوگوں کو حاشر کی حالت مزید پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی' وہ اسے تسلیاں دے رہے تھے مگر وہ تھا کہ کچھ سننے کو آمادہ ہی نہیں تھا۔ سسٹر کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر بتول باہر آئیں تو وہ بڑی بے قراری سے اُٹھا۔

''ایمان کیسی ہے اب؟'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ سوال کر رہا تھا۔

''آپ کی مسز......''

''کیا ہوا ہے ایمان کو......؟'' وہ بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''ٹھیک ہیں مگر ابھی دس گھنٹے Observation میں رہیں گی''۔ وہ مسکرائیں۔

''تھینکس گاڈ!'' پُرسکون سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی' وہ گھٹنوں کے بل وہیں بیٹھ کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا' عائشہ' آمنہ اور یاسر نے بھی خدا کا شکر ادا کیا' مسجد سے مغرب کی اذانوں کی آواز آ رہی تھی' اس کی ساری دعائیں قبول ہو گئیں تھیں۔

''کیا میں مل سکتا ہوں ایمان سے؟'' وہ عائشہ سے بات کرتی ڈاکٹر بتول سے پوچھ رہا تھا' اس کی آنکھیں نم تھیں خوشی کے آنسو اس کی آنکھوں کو نم کر گئے تھے' ایمان کو ایک بار پھر اس نے کھو کر پا لیا تھا۔

''ابھی نہیں کچھ دیر میں انہیں I.C.U میں شفٹ کر دیں گے پھر مل لیجئے گا''۔ انہوں نے منع کر دیا۔

''کتنا فاصلہ ہو گیا ہے ہمارے درمیان' ایک جگہ ہوتے ہوئے بھی میں ایمان کو دیکھ نہیں سکتا اس سے بات نہیں کر سکتا''۔ وہ سوچنے لگا۔

''حاشر! روزہ تو افطار کر لو کیا سوچ رہے ہو؟'' عائشہ نے کھجور حاشر کی جانب بڑھائی تو وہ چونکا۔

''خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نے رحمتوں کے مہینے میں مجھ پر کرم کر دیا''۔ وہ اس کے ہاتھ سے کھجور لیتے ہوئے بولا۔

روزہ افطار کرنے کے بعد عائشہ نے Prescription حاشر کو دیا۔

''حاشر! یہ میڈیسن لے آؤ جا کر''۔

''اوکے''۔ وہ سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اب حاشر کو ایمان کو دیکھنے کی جلدی تھی' وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔



''عائشہ! تمہارے ڈاکٹر ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' بابا جان آپ نے اسے خواہ مخواہ ہی ڈاکٹر بنایا''۔ وہ اب عائشہ پر خفا ہو رہا تھا۔

''ہوں تم کو کون سا نقصان ہو گیا ہے میرے ڈاکٹر بن جانے سے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''فائدہ ہی کیا ہے تمہارے ڈاکٹر ہونے کا' کتنی دیر ہو گئی ہے میں نے ایمان کو نہیں دیکھا اور تم ہو کہ آرام سے بیٹھی ہو' کہہ نہیں سکتی تھیں ڈاکٹر سے کہ 2 منٹ کے لئے مجھے ایمان کو دیکھنے جانے دیں''۔

''O.T میں غیر متعلقہ لوگوں کا داخلہ منع ہے''۔ عائشہ نے کہا۔

''میں غیر متعلقہ ہوں بیوی ہے وہ میری''۔ وہ غصے سے بولا۔

''آہستہ بولو! اسپتال ہے یہ...... ابھی میں دیکھ کر آئی ہوں ٹھیک ہے وہ اب تھوڑی دیر میں I.C.U میں شفٹ ہو جائے گی تو دیکھ لینا 2 کے بجائے 3 منٹ''۔ عائشہ نے جوابی کارروائی میں اس پر غصہ کیا۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ لوگ رو رہے تھے کہ ایمان کی کنڈیشن سیریس تھی' اب ڈاکٹر بتول کی بات سن کر سب ہی خوش تھے اس لئے دونوں میں جنگ ہو رہی تھی۔

''واٹ...... صرف 3 منٹ' اس کو شفٹ تو کرنے دو' پھر تو میں ایک لمحے کے لئے بھی اس کے پاس سے نہیں ہٹوں گا''۔ حاشر نے کہا۔

''تم اتنے اسمارٹ نہیں ہو' ویسے بھی I.C.U میں مریض کے اٹینڈنٹ کو نہیں آنے دیتے' جب ایمان پرائیویٹ روم میں شفٹ ہو گی جب ہی تم آرام سے وہاں بیٹھنا' جتنی دیر بیٹھنا چاہو اتنی ہی دیر ٹھہرنا ایمان کے پاس کوئی تم کو منع نہیں کرے گا''۔ عائشہ نے اس پر رعب جمایا۔

''بابا جانی! دیکھ لیجئے اپنی ڈاکٹر بیٹی کو مجھ پر اپنے ڈاکٹر ہونے کا رعب جما رہی ہے''۔ حاشر نے اس کی شکایت کی۔

''میرے بیٹے کو مزید پریشان مت کرو عائشہ! وہ پہلے ہی پریشان ہے''۔ انہوں نے حاشر کی سائیڈ لی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے حاشر کافی پریشان تھا' اب ایمان کی حالت بہتر ہونے کا سن کر پھر سے زندگی لوٹ آئی تھی۔

چار گھنٹے بعد حاشر کو اجازت ملی تھی ایمان کو دیکھنے کی' اس دوران یا تو عائشہ سے لڑتا رہا یا پھر ایمان کے خیالوں میں ڈوبا رہا تھا' اس وقت وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی' چند ہی گھنٹوں میں وہ کافی کمزور لگ رہی تھی۔

''ایمان......!'' اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اسے پکارا' وہ یونہی اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا' تھوڑی تھوڑی دیر میں وہ اسے پکار رہا تھا' ایمان کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی' اس نے دھیرے دھیرے اپنی آنکھیں کھولیں۔

''کیسی ہو اب؟'' وہ اس پر قدرے جھک کر پوچھنے لگا۔

''ٹھیک''۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''ناراض ہو مجھ سے؟''

''نہیں' وہ تو تم تھے مجھ سے''۔ اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اترنے لگی۔

''اوں...... ہوں...... میں تم سے کبھی ناراض ہو ہی نہیں سکتا جانم!'' وہ محبت بھرے لہجے میں بولا۔

''حاشر میرا بچہ......''۔ ایمان کو اچانک احساس ہوا تو اس نے گھبرا کر سوال کیا' ایمان کے سوال پر وہ خود بھی گھبرا گیا' ایمان کا دل انجانے خوف سے دھڑک رہا تھا۔ اتنی دیر سے اسے بچے کا خیال ہی نہیں آیا تھا' نرس نے کچھ کہا تو تھا مگر وہ اتنا پریشان تھا کہ اس نے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

"عائشہ کو معلوم ہوگا"۔ حاشر نے سوچا' ایمان اس کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر اُلجھ گئی۔

"تم آرام کرو میں ابھی آتا ہوں"۔ وہ ہاتھ چھڑا کر تیزی سے باہر نکل گیا' ایمان کا دل دھڑکنے لگا۔

"حاشر! اس طرح کیوں چلے گئے' میرا بچہ......؟" اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

"عائشہ! تم ذرا ایمان کے پاس جا کر بیٹھو"۔ حاشر نے دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ کہا۔

"کیا ہوا ایمان ٹھیک تو ہے ناں؟" عائشہ پریشان ہو کر اندر دوڑی' اس کے پیچھے آمنہ اور یاسر تھے' مگر آمنہ واپس آ کر اس سے پوچھنے لگیں۔

"کیا ہوا بیٹا؟" آمنہ نے اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں مما!" وہ پریشان سا تھا' آمنہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کیا ہوا ہے' وہ کیوں پریشان ہے۔

"میں خود جا کر دیکھتی ہوں اندر"۔ وہ اندر آئیں تو ایمان رو رہی تھی۔

"کیا ہوا ایمان! رو کیوں رہی ہو' طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" عائشہ پوچھ رہی تھی۔

"میرا بچہ......" اب اس نے زور و شور سے رونا شروع کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے"۔ عائشہ نے کہا۔

"جھوٹ مت بولیں' وہ یہاں نہیں ہے"۔ وہ خالی پالنے کو دیکھ کر بولی۔

"ایڈیٹ! اسے نرسری میں رکھا ہوا ہے انکیوبیٹر میں' صبح تمہارے پاس ہوگا' پرسوں عید تم دونوں اپنے بیٹے کے ساتھ منانا"۔ عائشہ نے کہا۔

"مگر حاشر نے تو مجھ سے یہ نہیں کہا"۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"وہ تمہارے گھر فون کرنے گیا ہے ابھی آئے تو پوچھ لینا"۔

"مما نہیں ہیں یہاں میری"۔ اب وہ مزید پریشان ہوئی۔

"نہیں تمہاری کنڈیشن کافی سیریس تھی اس لئے اس وقت خیال ہی نہیں رہا' پھر حاشر نے کہا جب تمہیں ہوش آ جائے گا تو انہیں فون کر دے گا' وہ لوگ بھی پریشان ہوتے روزے میں' اس لئے اب انہیں فون کرنے گیا ہے' بس ابھی آ جائیں گے وہ بھی اور میں تو تھی نا تمہارے پاس' میں بھی تو تمہاری ماں ہوں بیٹا"۔ آمنہ اس کے سرہانے بیٹھتے ہوئے پیار سے بولیں۔

"میرا بچہ ٹھیک ہے نا مما؟" وہ ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی تو انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے صبح دیکھ لینا اسے"۔ آمنہ نے کہا تو وہ مطمئن ہو گئی۔

"میری بات کا یقین نہیں تھا تمہیں؟" عائشہ نے بُرا ماننے کی ایکٹنگ کی تو وہ مسکرا دی۔

"سر! آپ بہت محبت کرتے ہیں اپنی مسز سے' جب ہی تو ایک بار بھی آپ نے اپنے بچے کو نہیں دیکھا"۔ سسٹر نے پریشان سے کھڑے حاشر سے کہا تو وہ چونکا' اب وہ نرس کو حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہا تھا' یہ وہی نرس تھی جس نے بیٹا ہونے کی اطلاع دی تھی۔

"آیئے! میں آپ کو آپ کا بیٹا دکھاتی ہوں"۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ اپنے جگر گوشے کو دیکھنے سسٹر کے ساتھ بچوں کی نرسری میں آ گیا' وہاں پر کئی بچے شیشے کے انکیوبیٹرز میں محو خواب تھے۔

"یہ آپ کا بیٹا ہے"۔ ایک انکیوبیٹر میں سوئے بچے کی طرف سسٹر نے اشارہ کیا' بچہ سو رہا تھا کئی ٹیوبز اس کے ہاتھ اور پیروں میں لگی ہوئی تھیں۔

"میرے پروردگار! تو نے مجھ پر کتنی مہربانی کی ہے' میں تیرا جتنا شکر ادا کروں کم ہے' رب کائنات تو بڑا کارساز ہے' ہر چیز پر قادر ہے تیری بارگاہ میں میری ساری دعائیں قبول ہو گئیں' تو نے میری ساری خوشیاں مجھے لوٹا دیں شکر ہے تیرا میرے مالک"۔ اسے دوسری خوشی ملی تو وہ خوش خوش وہاں سے لوٹا۔

"ایمان کی والدہ کو فون کر دیا تم نے؟" حاشر کو نرسری کے دروازے پر ہی عائشہ نے آ لیا۔

"نہیں یاد ہی نہیں رہا' ابھی کرتا ہوں"۔ وہ موبائل نکال کر نمبر ملانے لگا۔

"رہنے دو میں نے کر دیا ہے فون' تم جاؤ' ایمان بلا رہی ہے تمہیں"۔ عائشہ نے کہا تو وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

............☆............

اگلی صبح بڑی روشن تھی' ایمان کے ساتھ بچے کو بھی روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا' ایمان اپنے بیٹے میں مگن تھی۔

"او ڈیئر! میں بھی ہوں یہاں' اگر ایک نظر مجھ کو بھی دیکھ لو گی تو عنایت ہوگی"۔

"تم کو تو میں روز دیکھتی ہوں' ابھی اپنے بیٹے کو تو دیکھ لوں اسے تو میں نے آج ہی دیکھا ہے' کل ساری رات انتظار کرتی رہی ہوں اس کا"۔ وہ مسکرائی۔

"اگر تم سارا وقت اپنے بیٹے کو ہی دیکھتی رہیں تو میرا کیا ہوگا؟"

"کبھی ایک لمحے کو دیکھ لیا کروں گی تمہیں اگر ٹائم ملا تو......" وہ اترائی۔

"او کے جاؤ میں نہیں بولتا تم سے"۔ وہ ناراض ہوا۔

"او کے تو نہ بولیں' ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے میں آپ سے ناراض ہوں"۔

"ناراض......" وہ حیران ہوا۔ "مجھ سے؟" وہ انگوٹھے سے اپنی جانب اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

"ہاں آپ سے"۔

"وجہ"۔

"کل صبح غصہ جو کیا تھا مجھ پر اس لئے"۔ اس نے ناراضی کی وجہ بتائی۔

"اوہ......سوری کل کے لئے"۔ وہ شرمندہ ہوا۔

"آج آپ گئے نہیں آفس' کتنا نقصان ہو رہا ہوگا' جائیں بھئی کام رُک جائے گا آپ کے بغیر آفس کا"۔ وہ خفگی سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

"نہیں رُکے گا اور کام تم سے زیادہ اہم تو نہیں ہے"۔

"اچھا......کل تک تو تھا"۔

"یار! سوری بول تو رہا ہوں' تم صبح صبح جانے کی بات کر رہی تھیں اس لئے غصہ آ گیا تھا سوری"۔ وہ شرمندہ سا تھا۔

"نہیں پہلے وعدہ کرو آئندہ مجھ سے لڑائی نہیں کرو گے"۔ ایمان نے وعدہ لینا چاہا۔

"او کے' پرامس آئندہ میں تم سے نہیں لڑوں گا' مگر تم بھی ایک وعدہ کرو مجھ سے"۔ حاشر نے اس کی بات مانتے ہوئے خود بھی عندیہ لینا چاہا۔

"ہیلو! وعدہ میں تم سے لے رہی ہوں حاشر"۔

"ایک وعدہ میں نے کر لیا ہے اب ایک تم کر لو"۔ حاشر نے ہاتھ پھیلایا وعدہ لینے کے لئے۔

"اگر نہ کروں وعدہ تو......؟" ایمان نے کہا۔

"تو جاؤ پھر میں بھی وعدہ نہیں کرتا روز لڑوں گا تم سے"۔ وہ دھمکی دینے لگا۔

"تو ٹھیک ہے پھر میں اسپتال سے منے کو لے کر ممی کی طرف چلی جاتی ہوں' جب تمہاری عقل ٹھکانے آ جائے تو مجھے لینے آ جانا"۔ ایمان نے دھمکی دی۔

"اے دیکھو! میں نے کتنی بار تمہیں کہا ہے کہ مجھے آنٹی کی طرف جانے کی دھمکی مت دیا کرو' اتنا سا دل ہے میرا ڈر جاتا ہے تمہارے جانے کا سن کر"۔ حاشر نے آنکھیں دکھائیں۔

"تو تم لڑنا چھوڑو' میں تمہیں یہ دھمکی دینی چھوڑ دوں گی"۔ ایمان نے شرط رکھی۔

"یار! محبت میں شرطیں نہیں رکھی جاتیں"۔

"میں تو رکھتی ہوں کہ لڑنا بند کرتے ہو یا میں جاؤں ممی کی طرف؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"تم جاؤ آنٹی کی طرف"۔

"واٹ......" حاشر کے کہنے پر ایمان نے پوری آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"او کے چلی جاؤں گی' اب بات مت کرنا میرے ساتھ"۔ وہ خفا ہوئی۔

"میں فوراً ہی اپنا سامان باندھ کر تمہارے پیچھے وہیں رہنے آ جاؤں گا' تمہاری امی تنگ آ کر کہیں گی ایمان! تم تھوڑی ہی دیر کے لئے آتی تھیں وہی ٹھیک تھا' تم کیا آئیں حاشر بھی آ گیا' تم جا کر اپنے گھر میں رہو"۔ حاشر نے کہا۔

"جی نہیں مما ایسا کبھی نہیں کہیں گی"۔ وہ مسکرائی۔

"او کے تو تم نے مجھے معاف کر دیا یا نہیں؟"

"کیوں بیٹا کیا خیال ہے تمہارے بابا کو معاف کیا جائے یا نہیں؟" وہ بیٹے سے پوچھنے لگی جو سو رہا تھا' بچہ سوتے میں جانے کس بات پر مسکرایا تو حاشر ہنس دیا۔

"ہاں بھئی جواب مل گیا' آخر بیٹا کس کا ہے"۔ حاشر ہنسا تو ایمان بھی اس کا ہاتھ تھام کر مسکرا دی۔

"کل عید ہم اپنے بیٹے کے ساتھ منائیں گے"۔ ایمان نے کہا۔

"اسپتال میں؟" حاشر بولا۔

"اسپتال میں کیوں گھر میں......" ایمان فوراً ہی بولی۔

"اگر چھٹی ملی تو......"

"دیکھو! میں نے کہہ دیا ہے میں نے گھر جانا ہے تو بس جانا ہے تم جا کر کہو ڈاکٹر بتول سے چھٹی چاہیے مجھے"۔

"ابھی تو تم مجھ سے وعدہ لے رہی تھیں مجھ سے لڑنا مت اب خود لڑ رہی ہو"۔ حاشر حیران ہوا۔

"تو اپنے گھر جانے کو لڑ رہی ہوں"۔ وہ مزوٹھے لہجے میں بولی۔

"کون سے گھر اپنی مما کے نا؟" اب حاشر نے مزہ لینا چاہا۔

"میرے گھر یعنی تمہارے گھر کی بات کر رہی ہوں' حاشر! پلیز مذاق مت کرو نا"۔

"او کے یار! عید میں تمہارے بغیر کیسے گزار سکتا ہوں' عائشہ نے بات کر لی ہے ان سے' رات ہم گھر پر ہوں گے"۔ حاشر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور چاند ساتھ میں دیکھیں گے"۔ وہ بولی۔

"چاند دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے ہمارا چاند ہمارے ساتھ ہے نا"۔ حاشر نے بیٹے کا ماتھا چومتے ہوئے کہا' تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اسے پیار کرنے لگی' اس بار عید کی خوشی دوبالا ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

حورینہ سعد

افسانہ

میری چوائس



ہلکی ہلکی پھوار ہو رہی تھی میں تھکے تھکے قدموں سے چلتی ہوئی جب گھر پہنچی تو حسب معمول اماں نے پلٹ کر پوچھا تھا۔

''کیا ہوا تمہارے انٹرویو کا......؟''

''اماں! مجھے جاب مل گئی ہے''۔ میں بے یقینی کی سی صورت میں دیکھنے لگی' اماں بھی مصنوعی ہنسی سے ہنس کر اسے مبارکباد دینے لگیں' البتہ ابو بڑی گرم جوشی سے مجھے شاباش دے رہے تھے میری نظر قریب کھڑے ہوئے راحیل پر پڑی' ابو اسے غور سے دیکھ رہے تھے' راحیل رخ پھیر کر اندر چلا گیا تو میں نے حیران ہو کر ماں کو دیکھا جس کے چہرے پر کوئی خوشی نہ تھی البتہ دادی بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔

''سچ آپی! کتنی تنخواہ ہوگی''۔ ماریہ بڑی سنجیدگی سے بولی تھی۔

''یہی کوئی پچیس ہزار''۔ میں نے محسوس کیا کہ نجانے کیوں اماں اور بہنیں خود راحیل سنجیدہ سے ہو گئے البتہ ابو بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔

''اب جاؤ شام کی چائے دیکھو تم' سارا دن کام کرتے کرتے مر گئی ہوں' مانا کہ تم افسر لگ جاؤ گی تو مجھے کیا گھر کے اخراجات ہیں قرض اوپر سے چڑھ گیا ہے''۔ اماں کسی سوکھی زمین کی طرح چھنک رہی تھیں' ان کی باڈی لینگویج بتا رہی تھی۔

میں نے گھبرا کر کندھے سے بیگ اتار کر دادی کے پاس رکھا' دادی فرط محبت سے بولیں۔

''بیٹا میں دیکھ لیتی ہوں' کوئی بات نہیں تم جا کر آرام کرلو''۔ میں نے گھبرا کر ابو دادی اور اماں کی جانب دیکھا تھا' کتنا فرق تھا سب کے رویوں میں' میں یہ بات جانتی تھی مجھے اماں اور ابو نے ایڈوپ کیا ہے' لیکن وہ لوگ یہ بات نہیں جانتے تھے کہ میں اپنی حقیقت جانتی ہوں' میں اس گھر کے لئے ایک ضرورت تھی' شروع سے لے کر آج تک میری یہی خواہش رہی کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاؤں' لیکن میں ہمیشہ ناکام رہی' کامیابی میرا مقدر نہ بنی' رشتہ آتا تو اماں کا ایسا سلوک ہوتا کہ لوگ پھر واپس نہ آتے' دادی کہتی تھیں کہ یہ جان کر ایسا کرتی ہے کہ لوگ بھاگ جائیں' تب اماں کہتیں کہ لوگ حقیقت جانتے ہیں اس لئے واپس نہیں آتے' بس اسی جملے نے مجھے اپنی کھوج میں لگا دیا' کہاں کہاں نہ گئی لیکن میری ذات کا سراغ نہ مل سکا اور ہر بار میں بہانہ کرتی آ کر کہ جاب نہیں ملی' لیکن آج ایسا نہیں ہوا حقیقت میں' میں نے ایک پاکستانی پراڈکٹ فرم میں اپلائی کیا اور مجھے جاب مل گئی' میں خود بھی سب لوگوں کی طرح حیرت زدہ تھی' زندگی نے مجھے ایک نئے دور سے روشناس کرا دیا تھا' اب ابو کی دوا' دادی کی فزیوتھراپی' گھر کے اخراجات' میری ذمے داری بنتے چلے گئے' راحیل کچھ نہیں کرتا تھا' سارا دن محلے کے بچوں کے ساتھ آوارہ گردی یا اماں سے پیسے لے کر دوستوں کے ساتھ چائے پینا اس کا محبوب مشغلہ تھا' ابو کی پنشن میں گزارا نہیں ہوتا تھا' محلے کی دکان سے اماں ادھار سامان منگوا لیتیں' جونہی پنشن آتی دکاندار کا قرضہ ادا کر دیا جاتا' اماں دکاندار کا قرضہ دیتے وقت یہی کہتیں بس اس بار دے رہے ہیں اگلی بار راحیل کو جاب مل جائے گی۔

''یہ نکھٹو ہے کبھی جاب نہیں کرے گا''۔ ابو اس کے دیر تک سونے پر ناراضی کا اظہار کرتے لیکن راحیل کی وہی روٹین ہوتی رات گئے دیر سے آتا اور صبح دو ڈھائی' بجے تک سو کر اٹھتا' دادی صدقے واری رہتیں ان کا اکلوتا پوتا جو تھا۔

''اب اس پنشن میں گزارا نہیں ہوتا ہر ایرے غیرے کو گھر میں ڈال رکھا ہے''۔ اماں کا اشارہ میری طرف ہوتا' پھر میں بہانہ کر کے گھر سے نکل جاتی کہ میں جاب کی تلاش میں جا رہی ہوں' تھکی ہاری جب لوٹ کر آتی تو راحیل میری شکل دیکھ کر منہ چڑھاتا اور اس کے چہرے پر ہنسی پھیل جاتی' لیکن آج ایسا

نہیں ہوا تھا' جاب ملنے کی خوشی کی خبر سن کر وہ اندر چلا گیا اور میں کچن میں آ کر چائے بنانے لگی تھی' جب میں چائے کے کپ ٹرے میں رکھے ہوئے باہر آئی تو ابو لفافوں سے جلیبیاں پلیٹ میں ڈال رہے تھے' سبھی لوگ بے حد مصروف تھے مگر یوں جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو' مفلسی نے وقت سے پہلے میرے ابا کو بوڑھا کر دیا تھا' راحیل نے گھر کی ذمے داری سے رخ پھیر لیا پھر اچانک گھر کے حالات بدل گئے' میری سیلری کے دن اماں بار بار ہدایت کرتیں۔

''دیکھو جویریہ! چیک کو سنبھال کر رکھنا بیگ میں کوئی لٹیرا اگر بیگ لے گیا تو چیک بھی چلا جائے گا''۔

یوں زندگی کا سفر گزرنے لگا دادی کو میری شادی کی فکر تھی اور جونہی کسی رشتے کی خبر ہوتی تو اماں کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگتیں اور راحیل بار بار بائیک اٹھائے چکر کاٹ رہا ہوتا۔

☆☆☆☆

''اماں دیکھیں سونے کی چڑیا ہے آپ دادی کی باتوں میں نہ آنا''۔ راحیل کہتا۔

''میں کیا کروں ہر آنے جانے والے کے سامنے امی 25 ہزار تنخواہ کا ذکر لے کر بیٹھ جاتی ہیں لوگ ایک نظر میں ہی گر جاتے ہیں''۔

''اماں! آپ فکر نہ کریں آپ یہ کام کریں کہ لڑکے کو بھی ساتھ بلا لیا کریں اور خوب خاطر داری کریں''۔

''لو بھلا باقی کیا بچا لڑکا بھی دیکھ لے گا تو وہ تو پیچھے ہی لگ جائے گا کون چھوڑتا ہے''۔

''آپ فکر نہ کریں سب مجھ پر چھوڑ دیں بس یہ نسخہ آزما کر دیکھ لیں باقی مجھ پر چھوڑ دیں''۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا پڑوسن نے کوئی اچھا رشتہ بتایا تو اماں نے ایک ہی سانس میں ان کو کہہ ڈالا۔

''بہن لڑکے کو بھی ساتھ لے آنا ایک ہی بار میں فیصلہ ہو جائے گا''۔ اماں بولیں۔

''آپ کو برا نہیں لگے گا......؟''

''نہیں بھئی برا کیوں لگے گا لڑکی بھی تو دیکھے کہ لڑکا کیسا ہے پھر بات آگے بڑھے گی اور میں گھر سے کہیں نکلتی نہیں ہوں۔

''چلیں ٹھیک ہے ہم لے آئیں گے لڑکے کو''۔

اماں نے شام کے اہتمام کے لئے راحیل سے ناشتے کا سامان منگوایا تھا' راحیل صبح سے گنگناتے جا رہا تھا اور ہنس ہنس کر مجھے دیکھے جا رہا تھا' میں شرما کر کمرے کے اندر بیٹھ گئی وہ لوگ شام میں آئے بڑے مناسب اور لڑکا بھی ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ اس بار میری بات بن جائے گی جب وہ لوگ جانے لگے تو راحیل اٹھ کر ان کے ساتھ باہر تک گیا تھا' اللہ جانے کیا بات ہوئی راحیل چپ چپ اندر آیا تھا' اماں نے اشارے سے پوچھا' میں دروازے سے لگی سن رہی تھی' راحیل ابا سے بول رہا تھا۔

''ابا میں ان کے ساتھ اسٹاپ تک گیا تھا لڑکا بالکل اچھا نہیں ہے اتنی میری بے عزتی کر کے گیا کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا''۔ راحیل کہہ رہا تھا ابا کھڑے تھے دھڑ سے بیٹھ گئے میں پردہ چھوڑ کر کمپیوٹر پر آ کر بیٹھ گئی تمام رات عجیب سی گھٹن ہوتی رہی اپنی انسلٹ محسوس کر کے میں رات بھر روتی رہی' رات گزر گئی صبح جب میں آفس کے لئے جا رہی تھی اماں میرے لئے چائے لے کر آئی تھیں۔

''ارے وہ لوگ ہمیں خود پسند نہیں آئے وہ کیا انکار کریں گے ہم خود کر دیں گے تم کچھ مت سوچنا وہ بہت لفنگا انسان تھا' راحیل کو بہت ذلیل کر کے گیا تھا ارے بھئی نہیں کرنی نہ کرو کوئی زبردستی تھوڑی ہے''۔

''اماں! مجھے دیر ہو رہی ہے چھوڑیں اس بات کو''۔ میں یہ کہہ کر باہر نکل آئی اپنی بے عزتی پر پھر ایک بار آنسو نکل آئے۔

میں آفس جا کر سب کچھ بھول گئی مگر دوسری

طرف سے سدرہ آئی اور پوچھنے لگی۔

''ارے جویریہ کل تو تمہارا رشتہ آنے والا تھا کیا ہوا......؟'' یہ میری بہت بڑی غلطی تھی کہ میں نے وقت سے پہلے بات کردی۔

''سدرہ! مجھے دکھ اس بات کا نہیں کہ وہ لوگ انکار کر گئے مگر کیا اتنے گھٹیا لوگ بھی ہوتے ہیں جو میرے بھائی کو شرمندہ کر کے گئے ہیں''۔

''چھوڑ یار! دکھ مت کر' لڑکے والے خود کو پتہ نہیں کیا سمجھتے ہیں''۔ سدرہ مجھے تسلی دیتی رہی اور میں اندر سے بہت زیادہ دکھی تھی کہ میری وجہ سے میرے بھائی کو شرمندگی اٹھانی پڑی' دادی کو بس میری شادی کی فکر تھی مرنے سے پہلے وہ میرا گھر آباد دیکھنا چاہتی تھیں' ہر مہینے کسی نہ کسی رشتے والی کے ذریعے ڈھونڈ کر کوئی نیا امیدوار بلالیتیں' اماں خاطریں کرتیں اور جواب بھی نہ آیا میں بہت ڈس ہارٹ ہوگئی تھی۔

☆☆☆☆

سدرہ میری دل جوئی کرتی وہ میری بیسٹ فرینڈ تھی پھر سدرہ نے ایک رشتہ بھیجا' منع کرنے کے باوجود وہ لوگ ہمارے گھر آئے تھے' حسب معمول پھر کوئی جواب نہ آیا میں آفس گئی تو سدرہ لیو پر تھی' جب وہ واپس آئی تو پہلی ہی ملاقات میں اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''کیا ہوا جویریہ! وہ لوگ بہت شریف تھے اور تم تو انہیں بے حد پسند آئیں تھیں کوئی ایسا کرتا ہے جو تمہارے بھائی نے کیا ان کے ساتھ''۔ میں نے حیران ہوکر کولڈ ڈرنک کا ایک سپ لیا اور وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی' لنچ ٹائم تھا اور لوگ ارد گرد بیٹھے اس لئے میں کچھ نہ کہہ سکی' میرے اندر ایک تجسس کی کیفیت تھی کہ ایسا کیا کہہ دیا راحیل نے۔

''آؤ سدرہ چلو کامن روم میں چل کر بات کرتے ہیں''۔

''چھوڑو یار! کیا بات کروں تم لوگوں نے اچھا سلوک نہیں کیا پتہ ہے وہ میرا فرسٹ کزن ہے''۔

''خیر تم چھوڑو اس بات کو تم یہ بتاؤ کہ میرے بھائی نے ان لوگوں کو کیا کہا ہے......؟''

''تمہارے بھائی نے کیا کچھ نہیں کہا''۔

''اچھا......'' میں حیرت زدہ ہوکر بولی۔ میرا تجسس اور بڑھ گیا تھا۔

''سدرہ پلیز! بتادو ناں''۔ میں بے تاب ہورہی تھی ''راحیل نے فرمایا کہ ہماری بہن معمولی چیز نہیں ہے اور نہ ہی اسے رشتے کی کمی ہے ہینڈسم اسمارٹ اور بہت ویل آف فیملی کا بندہ چاہئے اسے آپ تو بہت معمولی گاڑی میں آئے ہیں بھول جائیے اور دوبارہ پھر اس بات کا ذکر نہ کرنا' راحیل نے بہت انسلٹ کی تھی ان کی''۔ میں اندر سے کھول اٹھی جب میں گھر آئی اماں میری بہت خاطر کررہی تھیں۔

☆☆☆☆

پھر کوئی رشتہ آیا تھا دادی صبح سے ماسی کو لگائے ہوئے صفائی کرواتی پھر رہی تھیں' دادی کا اپنا خیال تھا کہ گھر اور باتھ روم رشتے والیاں جھانکتی پھرتی ہیں' دادی بھی میری طرف سے مایوس تھیں اور ایک جدوجہد جاری تھی کہ میری شادی ہوجائے پھر ایک دن سدرہ نے مجھے بتایا۔

گھر میں بڑی گرم جوشی تھی پھر کوئی رشتے والی رشتہ لے کر آرہی تھی لیکن میں اپنی دھن میں جلدی جلدی شاور لے کر لائف بوائے سے بالوں کو دھو کر کافی فریش محسوس کررہی تھی بھینی بھینی خوشبو میرے بالوں سے آرہی تھی میز پر اماں ناشتہ لگا رہی تھیں اور میں برش کر کے باہر آرہی تھی۔

''ارے تھوڑی دیر کی تو بات ہے رک جاؤ ناں وہ لوگ نکلنے ہی والے ہیں''۔ راحیل نے واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تو میں ہنس پڑی اور بولی۔

''کہہ دینا کہ ہم لوگ ایسے ویسے نہیں ہیں میری بہن تم سے ہرگز شادی نہیں کرے گی' تم لوگ بڑے معمولی لوگ لگ رہے ہو' تم ان لوگوں کو اسٹاپ پر چھوڑنے جاؤ تو میری چند برائیاں ضرور بتانا' لیکن آج میں روک نہیں سکتی''۔

''تمہیں خوش فہمی ہے کہ میں منتخب ہوجاؤں گی''۔

''سچ آپی جب سے آپ کو یہ بات پتہ چلی ہے میں بہت شرمندہ ہوں میں تو صرف اس لئے یہ سب کرتا کہ آپ اس گھر سے چلی گئیں تو ابا میرے پیچھے پڑجائیں گے کہ نوکری کر''۔

''ٹھیک ہے پھر بات کریں گے''۔ میں جلدی سے باہر نکل آئی جہاں سدرہ میرا انتظار کررہی تھی' میں اور سدرہ جلدی جلدی جب وہاں پہنچے تو کئی ماڈلز اپنا انٹرویو' پورٹ فولیو دے چکی تھیں' جب میں اپنی تصاویر وغیرہ دے چکی تو ایک شخص جو میرے بہت قریب کھڑا تھا۔

''میم آپ مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دیں''۔ میں نے جب سر اٹھا کر دیکھا تو وہ شخص مجھے ہی دیکھے جارہا تھا۔

''سر! کیوں کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے''۔ میں ان کو پہچان گئی تھی۔

''یس آف کورس...... ہمیشہ آپ اپنے بالوں کو چھپا کر کیوں رکھتی ہیں' اتنے خوبصورت بال آپ انہیں لپیٹ کر رکھتی ہیں''۔ وہ سحر زدہ سا بولے۔

''سر! اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے میں ہمیشہ لائف بوائے شیمپو استعمال کرتی ہوں' اس لئے میرے بال آپ کو اٹریکٹ کررہے ہیں''۔

''آپ سہی کہہ رہی ہیں پوری شخصیت کی عکاسی بال ہی کرتے ہیں اور میری تو فیورٹ ہے یہ خوشبو مجھے بہت اٹریکٹ کرتی ہے''۔ وہ یہ کہہ کر چلے گئے میں حیران ہوکر سدرہ سے بولی۔

''کیا ہوگیا ہے سر کو' سر کچھ عجیب طرح سے مجھے دیکھ رہے تھے اور میرے بالوں کے بارے میں سوال کررہے تھے''۔

''پتہ نہیں''۔ سدرہ بھی ہنسے جارہی تھی۔

دوسرے دن آفس میں سر یاسر نے مجھے اپنے روم میں بلایا تھا' میں ڈرتے ڈرتے گھبرائی ہوئی گئی کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔

''بیٹھیں جویریہ پلیز''۔ سر یاسر مجھے دیکھ کر مسکرائے' میں ان کے سامنے بیٹھی ہوئی بار بار اپنے اسکارف کو ٹھیک کررہی تھی پھر ہنس کر سر یاسر بولے۔

''تم نے اتنے حسین بالوں کو چھپا کر رکھا ہے' تمہارے خوبصورت بال پوری شخصیت کی عکاسی کررہے ہیں' ڈو یو نو''۔ ان کی چیئر تھوڑی سی گھومی اور تب میں گھبرا کر بولی۔

''سر! اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ سارا کمال لائف بوائے شیمپو کا ہے''۔

''آئی نو' آئی نو''۔ سر یاسر مسکرائے۔

''جویریہ! آپ جاننا چاہیں گی کہ میں کیوں آپ کو دیکھ کر رک گیا تھا' آپ کے بالوں کی بھینی بھینی مہک نے مجھے اپنے سحر میں لے لیا تھا' اور جب میں نے چونک کر دیکھا تو تم تھیں''۔ میں اس وقت بھی بہت نروس تھی سر یاسر ہنسے جارہے تھے میں بے حد نروس تھی تبھی سر یاسر بولے۔

''جویریہ! میں تمہیں پرپوز کرنا چاہتا ہوں''۔

''کس کو سر! لائف بوائے شیمپو کو''۔

''تو جویریہ! میں تمہیں پرپوز کرنا چاہتا ہوں''۔ میں اس وقت بہت بدحواس ہورہی تھی۔

''جی سر' جی سر''۔ کہتی ہوئی میں کمرے سے نکل آئی لیکن ان کی ہنسی میرے کانوں میں گونج رہی تھی اپنی بدحواسی پر مجھے ہنسی آرہی تھی۔

''لائف بوائے شیمپو'' میں نے بے ساختہ شیمپو کا نام لیا تھا۔

''میری چوائس''۔

☆☆......☆☆......☆☆

حنا کنول

افسانہ

عشق نہ پوچھے ذاتاں

کچھ کہانیاں ہمیشہ ادھوری رہنے کے لئے ہی لکھی جاتی ہیں۔ جن کا کوئی اینڈ نہیں ہوتا اور یہ کہانیاں ہی دراصل مکمل کہانیاں ہوتی ہیں اگر کہانی کا اینڈ لکھ دیا جائے تو ساری کہانی ختم ہو جاتی ہے اور میری کہانی اس کا کوئی اینڈ کوئی آخر نہیں۔ کہتے ہیں نا کہ عشق نہ پوچھے ذاتاں تو میری کہانی بھی ایک ایسی ہی کہانی ہے۔ عشق یہ لفظ کتنا خوبصورت ہے نا اور اس لفظ کا انجام۔ بھیانک بہت ہی بھیانک' ابھی میں کچن کی صفائی کر کے اپنے کمرے میں آئی ہوں اور اب کاغذ قلم کا سہارا لے کر اپنے دکھ اور درد کو رقم کر رہی ہوں

مجھے وہ دن یاد آ رہے ہیں جب میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا' یہ دن ہی بڑے خوبصورت ہوتے ہیں ہر چیز ہی بڑی پیاری اور دلفریب سی لگنے لگتی ہے۔ مجھے بھی جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنا اچھا لگنے لگا تھا اور کسی کا بس بے وجہ ہی انتظار سا رہنے لگا اور پھر ایک دن ہماری کیبل خراب ہوگئی اور کیبل ٹھیک کرنے کے لئے وہ آیا اس کا نام وقاص تھا وہ کیبل آپریٹر تھا' اس نے ہمارے دروازے پر دستک دی میں نے دروازہ کھولا تو وہ شائستگی سے بولا۔

''آپ کی کیبل ٹھیک چل رہی ہے......؟'' اف



میرے خدا اتنی خوبصورت بھی کسی کی آواز ہو سکتی ہے' میں حیران رہ گئی اور پھر سنبھل کر بولی۔

''جی خراب ہے''۔ میں نے جان بوجھ کر جھوٹ بول دیا تا کہ وہ مزید کوئی بات کرے میرے دل میں شدت سے خواہش جاگی کے وہ بولتا رہے اور میں چپ چاپ اسے سنتی رہوں' یہ خواب خواہش بھی کتنی عجیب اور بے قابو سی ہوتی ہیں نا''۔

''او کے......آپ چیک کر لیں پھر بتائیں مجھے اب ٹھیک ہے''۔ نظر ہمیشہ جھکی رہے تو سکون لاتی ہے اور جب اٹھ جائے تب تباہی۔

''یہ میرا نمبر آپ رکھ لیں جب کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر لینا''۔ اور پھر وہ چلا گیا' اس کا نمبر پا کر میں خوشی سے پاگل ہو رہی تھی' پھر میں نے موقع دیکھ کر ایک دن اسے فون کیا اور پھر ہماری دوستی سے محبت چل نکلی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے بے حد ضروری ہو گئے تھے ایک دن اس نے کہا۔

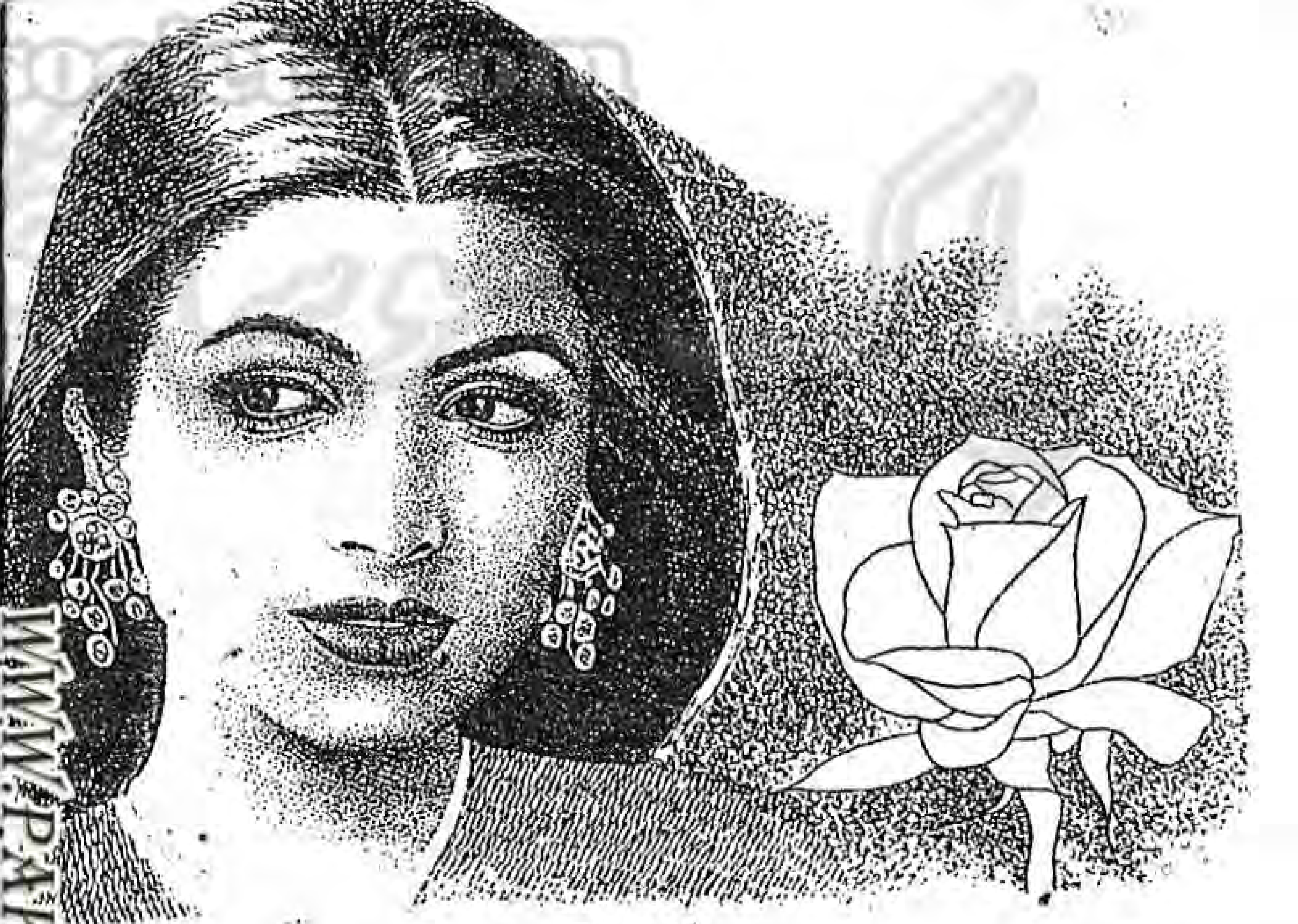
''صابرہ! لپٹ جاؤں تیرے جسم سے روح بن کر جب تجھ سے جدا ہوں تو تیری جان ہی نکل جائے''۔ اسی طرح سے پورے پانچ سال کا عرصہ گزر گیا' پھر بلا آخر ایک دن اس نے اپنی امی کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا' پر وہ نہیں مانیں ان کا کہنا تھا کہ وہ غیر برادری میں رشتہ نہیں کریں گی پھر وہ اپنی پھپھو کے ساتھ ایک دن میرا رشتہ لے کر آ گیا' لیکن یہاں پر بھی میری قسمت نے میرا ساتھ نہ دیا' ابو نے وقاص کو انکار کر دیا یہ کہہ کر کہ وقاص کا مسلک او ہاں میں تو بتانا بھول گئی کہ وقاص کا مسلک دوسرا تھا جبکہ میں سنی تھی اس دن میں بے حد و بے حساب روئی' میرے آنسو اور غصہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا' مجھے آج بھی وہ ستمبر کے دن یاد ہیں جب وہ میرا تھا اور میں اس کی' وہ دن بھی کیا عجیب تھے جب وہ میرے قریب تھے۔ ابو کے انکار کے بعد میں نے اس سے بات کی اس نے مجھے کہا۔

''میں کیا کر سکتا ہوں نہ تمہارے گھر والے مانتے ہیں نہ ہی میرے گھر والے اب حالات جیسے ہیں ویسے ہی ٹھیک ہیں' میں کچھ نہیں کر سکتا''۔ وقت گزرتا گیا اور پھر ایک دن میرے دل نے کہا۔

''صابرہ! یہ کیسا سفر کر رہی ہو تم جس کی نہ کوئی منزل ہے اور نہ ہی راستہ آخر کب تک میں وقاص سے بات کرتی رہوں گی اور آخر ہمیں ایک دن جدا ہونا ہی ہے آج نہیں تو کل سہی اور پھر جو کل ہوگا وہ کیوں نہ آج ہو جائے''۔ میں نے سوچ کر وقاص کا نمبر ملایا باہر میری منگنی کی رسم کے لئے لوگ جمع ہو رہے تھے اور اندر کمرے میں میں اپنی پہلی محبت کو دفن کر رہی تھی۔ پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کر لی گئی۔

''آج مجھے احساس ہوا ہے کہ میں غلط تھی میری منزل میرا سفر اور میرے خواب غلط تھے شاید میری شروعات ہی غلط تھی تمہارا اور میرا رشتہ غلط تھا آج میں سوچتی ہوں کہ تم میرے لگتے ہی کیا ہو' ایک نامحرم لڑکا ایک نامحرم لڑکی' کیسی محبت کیسا عشق یہ تو بڑی ہی مذاق والی بات ہوئی نا اپنی محبت کو مذاق کہنے کو دل میرا ابھی رو رہا ہے مگر اس رشتے کو اب ختم ہی تو کرنا ہے نا' دیکھو اب میری منگنی ہو رہی ہے اور کچھ ہی دیر میں میں کسی اور کی قرار دے دی جاؤں گی یہ میرا آخری فون ہے اپنا خیال رکھنا اور ہاں مجھے بھول جانا مگر مجھے یہ بات کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے میں جانتی ہوں تم مجھے بھول ہی جاؤ گے آخر کو مرد جو ٹھہرے مرد ہوتے ہی بے وفا ہیں تم بھی تو مرد ہو''۔ میں نے روتے ہوئے فون بند کر دیا اور فون کو دیوار پر دے مارا' وہ مجھ سے اکثر کہتا تھا کہ چلو صابرہ بھاگ چلیں اس دنیا سے دور ہم اپنی الگ دنیا بسا لیں مگر میں منع کر دیتی تھی کہ جس لڑکی کا ایک قدم رات کی تاریکی میں گھر سے نکلتا ہے تو دوسرا کوٹھے پر پڑتا ہے اے کاش ہر لڑکی اس بات کو سمجھ لے۔

☆......☆☆......☆



عائشہ ذوالفقار

سلسلے وار ناولٹ

اُڑ جا رے تیری باری ہے

اسے دوسرا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ رات کو ہوش آیا۔ ماریہ اور حارث اسے اسپتال لے کر آئے تھے۔
''اپنی عمر دیکھو اور کام دیکھو۔'' اسے ہوش میں آتا دیکھ کر حارث بولا۔ ماریہ روتے ہوئے اس کے سرہانے آبیٹھی۔
''حارث!'' اس نے ہولے سے پکارا۔ ''مجھے اور نہیں لڑنا۔''
اس کی بات سن کر حارث سن ہو گیا۔
''مجھ میں ایک بار اور ہارنے کی سکت نہیں ہے۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ حارث اس کے پاس آکر بیٹھا تھا۔
''عمیر نے کچھ کہا ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''ٹھیک کہا ہے اس نے، پانچ سال میں تو مار کھا کھا کے جانور بھی سدھر جاتا ہے۔ میں تو پھر انسان ہوں، اس



بار دوبدو ہو گئی تو کیا کروں گی۔ سات جوان بیٹیوں کو لے کر کہاں کہاں پھیروں گی۔ سچ ہی تو کہتا ہے وہ۔ میں مر گئی تو ان معصوموں کا کیا بنے گا؟'' حارث نے اس کے دونوں ہاتھوں کو مقید کیا تھا۔
''حائقہ! میری بات سنو، خدا نے بدلہ لینے سے منع نہیں کیا۔'' حائقہ نے نفی میں سر ہلایا۔
''لیکن اس نے بدلہ لینے کا حکم بھی نہیں دیا۔ حارث اس نے مجھے یہ مقام، یہ عزت، یہ مرتبہ عمیر سے بدلہ لینے کے لیے تو نہیں دیا۔ سرخرو ہونے کے لیے دیا ہے۔'' حائقہ مسلسل رو رہی تھی۔
''لسن حائقہ! میری بات سنو، تم نے بدلہ نہیں لینا تو بے شک نہ لو، تمہاری مرضی لیکن کم از کم میں تمہاری طرح پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ جانتی ہو جس رات میں نے عمیر کے آگے ہاتھ جوڑے تھے اس نے کیا کہا تھا۔ ''بڑی مشکل سے موقع ملا ہے حارث اتنی جلدی نہیں گنواؤں گا۔'' اور اب یہ ہی بات میں تم سے کہہ رہا ہوں، یہ موقع مجھے بہت سالوں بعد ملا ہے۔ اتنی جلدی نہیں گنواؤں گا۔'' حائقہ بول نہ سکی۔
''تم اور کچھ نہ کرو، صرف پڑھاؤ، باقی جو کرنا ہے میں خود کر لوں گا۔'' حارث اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامے کہہ رہا تھا۔
''بڑا زعم ہے اسے خود پر، اس کا یہ زعم ہی توڑنا ہے مجھے۔ بارہ سال وہ مجھ پر ہنسا ہے۔ اب کم از کم بارہ سال

آخری قسط

ہی میں بھی تو ہنسوں گا ناں تم اس سے اپنی زندگی کے بارہ سالوں کا بدلہ نہیں لینا چاہتیں تو بے شک نہ لو لیکن میں اس سے اپنے پیار کی بربادی کا بدلہ لیے بغیر نہیں رہنے والا۔'' حارث نے اس کے گرتے حوصلوں کو سہارا دے کر اسے پھر سے کھڑا کر دیا۔

☆......☆

وہ اس سے ملنے اکیڈمی نہیں گئی۔ اس کے گھر آئی ثمینہ راؤ اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''عمیر صاحب! کہاں ہیں۔'' ان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے پوچھ لیا۔ عمیر اس کی آواز سن کر کمرے سے باہر آیا۔ ''میری ماں میں بے شک اس گھر تک آنے کی ہمت نہ ہو لیکن مجھ میں ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آئی۔

''بڑا شوق ہے ناں آپ کو لڑنے کا، تو پھر بہادروں کی طرح لڑیں، میری ماں کو دھمکیاں دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' عمیر کو ذرا نہ لگا کہ اس کے سامنے حائقہ کھڑی ہے۔ اسے لگا اس کے آگے دوسرا عمیر کھڑا ہے۔ اکڑا ہوا، تنا ہوا۔

''جتنی نفرت آپ میری ماں سے کرتے ہیں ناں اس سے زیادہ نفرت میں آپ سے کرتی ہوں۔'' ثمینہ راؤ نے اسے قطعاً نہ روکا، بولنے دیا۔

''کیا خیال ہے آپ کا کہ وہ پرانے والے حالات دوبارہ لوٹ آئیں گے۔ آپ ماما پر ہاتھ اٹھائیں گے اور میں صرف دیکھتی رہوں گی۔ ماما روئیں گی تو میں بھی ساتھ روؤں گی۔ ماما کو تکلیف ہوگی تو میں سہم کے ڈر کے چھپ جاؤں گی۔ نہیں سر عمیر راؤ۔ اس بار آپ نے ہاتھ اٹھایا تو اسے میں روکوں گی۔ اب آپ کی وجہ سے میری ماں کو کوئی تکلیف پہنچی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' انگلی اٹھا کر وہ اسے وارن کر گئی تھی۔

☆......☆

آج پھر ثمینہ راؤ اس سے ملنے آئی تھیں۔ اس کی اندر کو دھنسی آنکھوں اور زردی مائل رنگت دیکھ کر دکھی ہو گئیں۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے۔'' وہ انہیں چپ دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

''حائقہ! ایک طرف تم ہو، جسے میں کچھ کہوں تو شاید گناہ گار کہلاؤں اور دوسری طرف میرے وجود کا وہ ٹکڑا ہے جسے رات انجائنا کا اٹیک ہوا ہے۔'' حائقہ تڑپ گئی۔

''عمیر کو؟'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کبھی ہار دیکھی نہیں ہے ناں اس لیے اب برداشت نہیں کر پا رہا۔'' ان کے لہجے میں دکھ تھا۔ حائقہ بول نہ سکی۔

''حائقہ! جس طرح عزت، پیار، شفقت اور محبت جیسے اعمال کا صلہ ضرور ملتا ہے اسی طرح ظلم، جبر، نفرت اور دشمنی جیسے اعمال کا صلہ بھی ضرور ملتا ہے۔ جلد یا بدیر لیکن ملتا ضرور ہے اور بعض اوقات ایسے ملتا ہے کہ وہ انسان توقع نہیں کر سکتا۔ دنیا کی نظروں میں وہ کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن خدا کی نظروں میں وہ بہت کچھ ہوتا ہے۔'' وہ بولتیں چلی گئیں۔

''آج تم سمیت شاید سب یہ ہی سمجھتے ہیں کہ عمیر کو شاید اس کے کیے کی سزا نہیں ملی لیکن میں جانتی ہوں حائقہ کہ اسے کتنی شدید سزا ملی ہے۔ اندر سے ٹوٹ چکا ہے وہ یہ کم ہے کیا کہ آج وہ ایک ایسے بیٹے کا باپ کہلاتا ہے جو اس کا ہے ہی نہیں۔'' حائقہ دم بخود رہ گئی۔ ثمینہ راؤ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''اپنی مرضی سے شادی نہیں کی تھی اس نے۔ صرف عالیہ کی خاطر کی تھی۔ صفیہ اس کی نند تھی، گھر سے بھاگ

گئی اور جب چند ماہ بعد لوٹی تو Expected تھی۔ گھر والے مرتے کیا نہ کرتے۔ مار پیٹ کے دوبارہ قبول کر لیا۔ تمہیں گئے چار ماہ ہوئے تھے ابھی، عالیہ کے شوہر نے اس پر زور ڈالنا شروع کر دیا۔ عمیر نہ مانا۔ عالیہ کے دو بچے تھے تب، تیسرا ہونے والا تھا۔ اسے پہلی طلاق ہو گئی۔ عمیر کے قدموں میں بیٹھ کر روئی وہ تب کہیں جا کر راضی ہوا۔ صرف اس کا گھر بچانے کے لیے شادی کے بعد کچھ عرصہ کے لیے صبغہ کو غائب کر دیا اور ارزم کی پیدائش کے دو تین سال بعد وہ گزر گئی۔ مجھے اور عمیر کو آج بھی نہیں پتا کہ ارزم جائز اولاد ہے بھی یا نہیں۔'' وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

''نہ سوچو تو شاید یہ سزا کچھ بھی نہیں لیکن اگر سوچو تو شاید اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں۔'' انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے۔ حائقہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

''جب وہ بادشاہ بنا ہوا تھا تب میں اسے بھی نہیں روک سکی تھی، آج تم ملکہ بنی ہوئی ہو تو میں تمہیں بھی نہیں روک سکتی لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تکلیف اسے ہوگی تو مجھے دکھ زیادہ ہوگا۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆

شاید میں میڈم ثمینہ کے اس ایک رات کے احسان کے بدلے پیچھے ہٹ جاتی لیکن حارث نے مجھے پیچھے نہ آنے دیا۔

''نو حائقہ! مجھے آدھی ادھوری جیت نہیں چاہیے۔ پوری جیت چاہیے، چاہے چند لمحوں کے لیے سہی۔'' اور پھر ماریہ میرے پیچھے دیوار کی طرح کھڑی ہو گئی۔

''ماما! اتنی جلدی کھیل ختم نہیں کرنا، وہ شخص کم از کم ایک بار تو کہے کہ ہاں میری غلطی ہے، چاہے ہاتھ نہ جوڑے، چاہے ہم لوگوں کے سر پر ہاتھ نہ رکھے لیکن ایک بار جو کچھ کیا ہے اسے غلط تسلیم تو کرے۔'' اور شاید وہ دونوں ہی ٹھیک تھے وقت گزرتا گیا۔ ماریہ نے ایف ایس سی کے شاندار سے رزلٹ کے بعد انٹری ٹیسٹ دیا۔ بلڈ کینسر والے آپریشن کو پس پشت ڈال کر میں نے اس کا میڈیکل میں ایڈمیشن کروا دیا۔ ہر سال کی پوزیشنز دی اسٹار اکیڈمی کے نام ہونے لگیں۔ اچھا وقت بہت جلدی گزرتا ہے۔ میرا بھی بہت جلدی گزرا۔ ماریہ کے بعد عائشہ اور رمشا دونوں نے بی ایس سی کیا۔ پھر ایک نے فزکس اور دوسری نے میتھ میں ایم ایس سی میں ایڈمیشن لیا۔ سدرہ کمپیوٹر انجینئرنگ کی طرف نکل گئی۔ ماریہ کا تھرڈ ڈیمسٹر تھا جب اسامہ نے 9th میں ایڈمیشن لیا۔

''اب اسے ڈاکٹر ضرور بنا دیں۔'' عارش نے مسکراتے ہوئے مجھے کہا تھا۔ عمیر ہارتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک آ گئی۔ میرے واپس آنے کے ساتویں سال رائل اکیڈمی میں کل 18 بچے تھے۔

☆......☆

''عمیر!'' ثمینہ راؤ کی چوتھی پانچویں آواز پر وہ چونکا۔

''کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ کہاں گم ہو؟'' وہ اس کے سرہانے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''یہیں ہوں۔ مجھے کہاں گم ہونا ہے۔'' اس نے سر ان کی گود میں رکھ لیا۔ وہ ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔

''بس کر دو عمیر! بہت ہو گیا۔ عمر کا آخری حصہ تو نارمل لوگوں کی طرح گزار لو۔'' وہ بولیں۔

''نارمل لوگ کیسے گزارتے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''بیوی کے ساتھ، بچوں کے ساتھ، خوش و خرم۔'' وہ بولیں۔

''کہاں سے لاؤں بیوی؟ کہاں سے لاؤں بچے؟'' انہیں لگا وہ رو رہا ہے۔

''دی تو تھی اللہ نے، بچے بھی دیے تھے۔ تم نے خود گنوا دیے۔'' وہ بولیں۔

''پیار کرتی تھی وہ تم سے، آج بھی جب میں اس کے سامنے تمہارا نام لیتی ہوں تو نظریں جھکا لیتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں نفرت دور دور تک نہیں ہوتی۔ آج بھی پیار کرتی ہے تم سے۔'' عمیر بولا تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔

''پیار کرتی ہے تو بدلہ کیوں لے رہی ہے۔ کیوں ایسے قطرہ قطرہ موت دے رہی ہے مجھے۔'' ثمینہ راؤ نے اس کے آنسو صاف کیے۔

''تم نے بھی تو لیا تھا۔ تم نے بھی تو اسے یونہی قطرہ قطرہ موت دی تھی۔ جو تم نے اس کے ساتھ کیا اب وہ تمہارے ساتھ کر رہی ہے، کیا ملا تمہیں عمیر یہ سب کر کے؟ بولو کیا ملا؟'' ثمینہ راؤ کے الفاظ اس کے لیے نئے نہیں تھے۔ جب اس نے یہ ہی سوال حائقہ سے کیا تھا تب وہ چپ ہو گئی تھی۔ آج وہ خود بھی چپ رہ گیا۔

''کچھ بھی نہیں ایک ذرہ بھی نہیں، اس بارہ سال کی جیت کا کیا فائدہ ہوا عمیر جو چھن بھی گئی۔ آج کیا ہے تمہارے پاس۔ کچھ بھی نہیں۔ نہ بیوی، نہ بچے، کیسے گزارو گے باقی کی لائف۔'' وہ بولتی چلی گئیں۔

''کیا کروں میں؟'' وہ کھل کے رو دیا۔

''بس کر دو، خود پر رحم کھاؤ اور ختم کرو سب۔'' وہ بولیں۔ پھر کافی دیر تک اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے کے بعد اٹھ گئیں۔ عمیر یونہی لیٹا رہا۔

''تمہیں یوں مٹاؤں گا کہ پھر دوبارہ ابھر نہیں پاؤ گی۔'' اس کے ذہن کے پردے پر اس کی اپنی آواز لہرائی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

''کاش تم اتنا اونچا اڑنے کے بعد جہاں گرو وہاں میں کھڑا ہوں۔'' حارث کی آواز آئی وہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔ کل ہی تو آیا تھا حارث اس کی بے بسی دیکھنے اس کی ہار دیکھنے۔

''دیکھا عمیر! آج تم جہاں گرے ہو وہاں میں کھڑا ہوں۔'' حارث کے الفاظ اسے تیروں کی طرح لگے تھے۔ وہ ہار گیا تھا مگر تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔

''میں کیسے ہار مان لوں؟ کیسے؟'' مایوسی اور شکست کی پاتال میں اترتے ہوئے اس نے خواب آور گولیوں کی پوری شیشی حلق میں انڈیل لی۔ صبح جب ثمینہ راؤ اسے جگانے آئیں تو منہ سمیت اس کا پورا بستر جھاگ سے سفید ہو رہا تھا۔

☆......☆

پورے دو دن بعد اسے ہوش آیا۔ بقول ڈاکٹرز کے اس کا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر واپس آیا تھا۔ ثمینہ راؤ سے اس کی کئی کئی انچ اندر کو اتری ہوئی آنکھیں اور پیلی زرد رنگت دیکھی نہ گئی اس کے گھر آنے کا انتظار کیے بغیر وہ شام کو ہی حائقہ کی طرف چلی آئیں۔

''میں نے تمہیں کہا تھا ناں حائقہ کہ میرے وجود کے ٹکڑے کو دکھ پہنچا تو مجھے تکلیف زیادہ ہو گی۔'' وہ ضبط کے باوجود رو پڑیں۔ حائقہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

''میں کل سے حارث کی اکیڈمی نہیں جاؤں گی۔ اس کے علاوہ آپ کے لیے کچھ کر سکتی ہوں تو بتائیں۔'' وہ بولی۔

''اسے تمہارے پڑھانے سے کوئی سروکار نہیں ہے حائقہ۔ اسے تمہاری ذات سے دکھ ہے۔ تمہارا ہونا ہی اس کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔ ناقابل برداشت ہے۔ جب تم نہیں تھیں تو خوش تھا وہ مگر تمہارے آنے کے بعد موت کے منہ میں چلا گیا۔'' حائقہ بول نہ سکی۔

''پہلے بھی میں نے ہی تمہیں کہا تھا ناں یہاں سے جانے کے لیے۔ آج بھی میں ہی تمہیں کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤ ہمیشہ کے لیے۔ دوبارہ واپس نہ آنے کے لیے پلیز۔'' وہ زار و قطار رو پڑیں۔

''کیونکہ اگر تم یہاں رہیں تو میرا بیٹا اس دنیا میں نہیں رہے گا۔'' اس نے آگے بڑھ کے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ٹھیک ہے، چلی جاؤں گی میں، کوشش کروں گی دوبارہ کبھی واپس نہ آؤں۔ کم از کم میری وجہ سے آپ کو یا آپ کے بیٹے کو مزید کوئی دکھ نہ پہنچے۔'' ثمینہ راؤ مزید کچھ کہے بغیر واپس پلٹ گئیں۔ شام ہونے تک حائقہ کی طبیعت انتہائی بگڑ گئی۔

☆......☆

وہ کئی لمحوں کے لیے دم بخود رہ گیا۔ حائقہ سے بھی اسے کسی نارمل ردعمل کی توقع نہیں تھی اور یہ ہی ہوا۔ ماریہ کا فون آنے کے بعد جب وہ اسپتال پہنچا تو وہ جارحانہ انداز میں اس پر چڑھ دوڑی۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ نہیں لڑنا مجھے۔ کوئی بدلہ نہیں لینا مگر تم نہیں مانے۔ موت کے منہ میں اتار دیا اسے۔'' وہ سارے آپ جناب بھول گئی۔

''اگر بدلہ نہیں لینا تھا تو واپس کیوں آئی تھیں تم۔ جب ایک بار یہ شہر چھوڑ ہی دیا تھا تو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتیں۔ AP بن کے یہاں ہی کیوں آئیں؟'' حارث بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''کیونکہ کہیں نہ کہیں تمہارے دل میں بھی بدلہ لینے کی خواہش تھی حائقہ ارشد! دل سے تم بھی عمیر کو ہرانا چاہتی تھیں۔ اس کے منہ سے ایک بار معافی کا لفظ سننا چاہتی تھیں۔'' حارث بولتا چلا گیا۔

''ہاں چاہتی تھی میں یہ سب۔ بہت خواہش تھی میری کہ عمیر کم از کم ایک بار تو مجھ سے معافی مانگے لیکن اب نہیں ہے، وہ مجھ سے معافی نہیں مانگتا تو بے شک نہ مانگے۔ میری بلا سے کچھ بھی نہ کہے۔ ایک لفظ بھی نہیں۔'' حائقہ کی آواز بلند ہو گئی۔

''لیکن کم از کم میں اس کی موت کا سبب نہیں بنوں گی۔'' حائقہ سے بولنا دوبھر ہو رہا تھا۔ پوری رات وہ خون اگلتی رہی۔ بلڈ کینسر آخری اسٹیج پر پہنچ چکا تھا۔ ماریہ اسی رات واپس آ گئی۔ اس کا میڈیکل تقریباً مکمل ہو گیا تھا۔ حائقہ کی حالت دیکھ کر وہ تڑپ گئی، حارث نے بمشکل اسے عمیر کے پاس جانے سے روکا۔ دو دن بعد اس کی فائنل رپورٹس آ گئیں۔ بلڈ کینسر ناقابل علاج ہو چکا تھا۔

☆......☆

کسی کو بتائے بغیر وہ اس دن اسپتال آ گیا۔ ماریہ اور سدرہ گھر گئی ہوئی تھیں اور چھوٹی دونوں اسکول۔ حائقہ کے پاس صرف اقراء تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو اقراء اسے سوپ پلا رہی تھی۔ دونوں ہی اسے پہچان نہ سکیں۔

''کیا بات ہے بیٹے؟'' حائقہ نے ہولے سے پوچھا۔

''آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں میم؟'' وہ بولا تھا۔ حائقہ چونک گئی۔

''پلیز میم! میرے پاپا مجھے واپس کر دیں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''تم ارزم ہو؟'' اقراء اس کے قریب آتے ہوئے بولی مگر ارزم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ہولے ہولے چلتا ہوا حائقہ کے بستر کے قریب آ گیا۔

''میری ماما بہت پہلے مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تھیں۔ اس کے بعد سے وہی میرے پاپا ہیں اور وہی میری ماما۔ وہ تو پہلے سے ہی بہت ٹوٹے ہوئے ہیں۔ میں نے اکثر انہیں راتوں کو جاگتے دیکھا ہے۔ آپ کی وجہ سے میں

نے پہلی بار انہیں روتے دیکھا ہے۔'' ارزم رو رہا تھا۔

''پلیز میری ریکوئسٹ ہے آپ سے کہ میرے پاپا پر ترس کھائیں۔ میں ان کے بغیر کیا کروں گا؟'' حائقہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتی اقراء غصے سے اس کے سامنے آئی۔

''ڈفسن اگر تم اپنے پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتے ناں تو ہم بھی اپنی ماما کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ ہماری ماما بھی ہمارے لیے پاپا اور ماما دونوں ہیں۔ تم بھی اپنے پاپا سے کہو ناں کہ ہماری ماما پر ترس کھائیں۔ بس کر دیں اب۔'' حائقہ اسے روکتی رہ گئیں۔

''بڑے مظلوم بن کر آئے ہو ناں تم، تم اور تمہارے پاپا جس گھر میں رہتے ہو وہ تمہارا اپنا ہے، ہمارے اور ہماری ماما کے پاس تو گھر بھی نہیں ہے۔ تمہارے پاپا بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں لیکن ہماری ماما کو بلڈ کینسر ہے جس کا علاج نہیں ہو سکتا تمہارے پاپا اکیلے نہیں ہیں لیکن ہماری ماما اکیلی ہیں۔ تمہارے پاپا ان کی طرح راتوں کو نہیں روئے۔ ان کی طرح دربدر نہیں ہوئے انہوں نے ان کی طرح دکھ نہیں اٹھائے۔ آج اگر میری ماما کی وجہ سے تمہارے پاپا کی آنکھوں میں آنسو آئے ہیں تو میری ماما بھی صرف تمہارے پاپا کی وجہ سے موت کی چوکھٹ پر کھڑی ہیں۔'' اقراء کے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔

''جاؤ یہاں سے اور جا کر اپنے پاپا سے پوچھو کہ قصور وار کون ہے؟'' اقراء نے اسے باہر کی طرف دھکیلا۔ دروازے کے قریب جا کر ارزم رکا۔

''وہ تمہارے بھی پاپا ہیں۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اقراء دم بخود کھڑی رہ گئی۔ حائقہ یکدم بے ہوش ہوئی تھی۔

☆......☆

''مجھے ذرا سا بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر کمزور ہو۔'' حارث کی آواز سن کر اس نے یکدم آنکھیں کھولیں۔ وہ ایک لفافہ اس کے سامنے پھینکتے ہوئے خود سائیڈ صوفے پر بیٹھ گیا۔ عمیر نے لفافہ کھولا اندر سے Get well soon کا کارڈ نکلا۔ عمیر سلگ گیا۔

''کیا کرنے آئے ہو یہاں؟'' وہ بھڑک کے بولا۔

''تم پر ترس کھانے آیا ہوں۔'' حارث مسکرایا۔

''آئی سوری تمہارے مرنے سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔'' حارث آگے کو ہو کر بولا۔

''حائقہ کل سے میری اکیڈمی نہیں آئے گی۔'' عمیر نے ایکدم اسے دیکھا۔

''مجھ پر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' حارث کو ایک دم غصہ آیا۔

''رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ موت تو بڑوں بڑوں کو سدھار دیتی ہے تم نہ جانے کس مٹی کے بنے ہو۔'' عمیر چپ رہا۔

''اور دوسری بات مجھے تم پر ترس کھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں اس پر ترس کھا رہا ہوں جو اس وقت اسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے۔'' حارث کی آواز پر وہ چونکا۔

''تمہاری خاطر مجھ سے لڑی ہے وہ، صاف کہہ دیا ہے اس نے مجھے کہ آئندہ تمہیں کوئی دکھ نہیں دے گی۔ حارث کھڑا ہو گیا۔

''عمیر! مجھے تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے مگر میرا اصول ہے کہ مجھ کو وہاں جہاں کسی کے دل میں تمہیں جھکانے کی خواہش نہ ہو اور تمہارے دل سے یہ خواہش کبھی نہیں جائے گی کبھی نہیں۔'' وہ کہہ کر چند لمحوں تک کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ عمیر نے بڑے ضبط کے ساتھ اپنے آنسوؤں کو باہر آنے سے روکا۔ حارث جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچا آنسو گر پڑے۔ باہر جاتے جاتے حارث مڑنے لگا مگر اس سے پہلے ہی عمیر بولا۔

''اپنے ان چند لمحوں کے بڑے پن کو اب پیچھے مڑ کر گھٹیا پن میں نہ بدلو۔ دفع ہو جاؤ۔'' مگر حارث کو جو دیکھنا تھا وہ عمیر کی آواز سے ہی ظاہر تھا مسکراہٹ دباتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆

''ماما! جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، اب تو دواؤں کی بو سے الرجک ہونے لگی ہے۔'' سدرہ اس کے سرہانے آ کر بیٹھی آج اس کی طبیعت ذرا بہتر تھی۔ وہ ہولے سے مسکرا دی۔

''بیٹے میری بات سنو۔'' اس نے سب کو اپنے پاس بلایا۔

''اللہ پاک کا یہ بھی کرم بہت ہے کہ میں اتنا عرصہ تم لوگوں کے ساتھ رہ لی۔ اب اگر مزید تمہارا ساتھ نہ دے سکی تو رونا نہیں ہے۔'' ماریہ نے اسے روکنا چاہا مگر اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''دوسروں پر کبھی انحصار نہیں کرنا، دوسرے اس دنیا میں اپنا کام کرنے آئے ہیں۔ ہمارا نہیں ہمیں اپنا ہر کام خود کرنا ہوتا ہے۔ جیسے اب تک زندگی گزاری ہے۔ مضبوط بن کر آگے بھی ویسے ہی گزارنا۔'' اس کی سانس اکھڑی۔

''میری بہت خواہش تھی کہ ماریہ کو ڈاکٹر بنتے دیکھ سکوں۔ دیکھ لیا۔ سدرہ جیسے ہی فارغ ہو تم اسپشلائزیشن کے لیے چلی جانا۔ اپنی زندگی خود بنانا۔ میرا کام رستہ دکھانا تھا جو میں نے دکھا دیا۔ اب ہر ڈر سے بے پروا ہو کر اس رستے پر چلنا۔ خود کو اتنا مضبوط بنانا کہ کوئی تمہیں توڑ نہ سکے۔ اقراء میری گڑیا ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔'' اقراء روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

''کسی کے گھر جا کر نہیں رہنا، نہ حارث کے نہ عارش کے۔ کوئی ہمیشہ کے لیے ہمارا سہارا نہیں بنتا۔'' بولتے بولتے وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔ رات کو عارش اور حارث بمشکل اسے عارش کے گھر لے کر آئے۔ ماں باپ پتھر تھوڑی نہ ہوتے ہیں جو پگھل نہ سکیں۔ اس کی حالت دیکھ کر ہی انہوں نے معاف کر دیا۔ شاید اب اسے جانا ہی تھا۔

☆......☆

تقریباً دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ جب وہ ہولے سے دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ شاید ہلکی ہلکی نیند میں تھی۔ وہ ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ وہی اجڑا ہوا چہرہ۔ ویران آنکھیں۔ زرد رنگت...... نہ جانے وہ اب تک کیسے زندہ تھی۔ وہ ہولے سے اس کے پاس بیٹھا۔ بھولی تو کبھی بھی نہیں تھی وہ۔ اس رات بھی نہیں جب اسے ٹریننگ کے اختتام پر آخری بار دیکھ کر آیا تھا۔ اس رات بھی نہیں جب اسے دربدر کر دیا تھا اور اس کے بعد گزرنے والی کسی رات بھی نہیں، کسی رات بھی...... قطرہ قطرہ ہو کر اس کے اندر اتری تھی وہ ذرا ذرہ ہو کر اس کے بازوؤں میں بکھیری تھی۔ ریزہ ریزہ ہو کر اس کے اندر ٹوٹ گئی تھی۔ لمحہ لمحہ اسے یاد آئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ گزارے 24 دن نہیں بھول پایا تھا تو پانچ سال کیسے بھول جاتا۔ شدید نفرت ہونے کے باوجود وہ اسے کافی تھی۔ اس کے علاوہ کبھی کسی اور کا نہ سوچا۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی کوئی کمی محسوس نہ کی اور اس کے جانے کے بعد بھی اس کی جگہ کسی اور کو نہ دے سکا۔ بیوی کے نام پر اب بھی اس کے لیے ایک ہی نام تھا۔ حائقہ ارشد، اس نے ہولے سے اپنا چہرہ حائقہ کے چہرے پر رکھا۔ حائقہ نے یکدم آنکھیں کھول دیں وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ ہولے ہولے حائقہ کے لب کانپنے لگے۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سانسوں کا شور سنتے سنتے حائقہ کا ضبط جواب دے گیا مگر اس سے پہلے کہ اس کے آنسو نکلتے عمیر کی

آنکھیں برس گئیں۔ کافی دیر وہ اپنے آنسوؤں سے حائقہ کا چہرہ بھگوتا رہا۔

''ویسے تو بڑے دعوے کرتی ہو مجھ سے محبت کرنے کے لیکن میری ایک ذرا سی بات نہیں جان سکیں تم۔'' وہ اس پر جھکے ہوئے ہی بولا تھا۔

''بار بار تم سے کہا کہ مجھ سے اونچا مت اڑو۔ نہیں برداشت ہوتا مجھ سے مگر تم نہیں مانیں پر کاٹ دیئے تمہارے جلاوطن کر دیا۔ سوچا شاید اب تمہیں میری بات سمجھ آجائے مگر تم...... نہ جانے کس مٹی کی بنی ہو جو میری بات سمجھ نہیں آرہی تمہیں۔ مجھ سے اتنا ہی پیار تھا تو واپس کیوں آئیں؟'' عمیر بھیگی ہوئی آواز میں بولتا چلا گیا۔

''کیونکہ تم نے پیار سے نہیں کہا۔'' حائقہ بولی تو آواز کانپ رہی تھی۔ عمیر بول نہ سکا۔ حائقہ نے بمشکل ہاتھوں سے آنکھیں صاف کیں۔ عمیر کا چہرہ ذرا واضح ہوا تھا۔ وہ ہولے ہولے بولنا شروع ہوئی۔

''عمیر! جب تم مجھ سے پہلی بار ملے تھے تب صرف ایک بار پیار سے کہتے کہ میرے رستے میں مت آؤ۔ میں اپنا ہر رستہ بدل لیتی۔ جب تمہیں پتا چل گیا تھا کہ میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں تو ایک بار ہاتھ تھام کر کہتے کہ میرے آگے انگلی مت اٹھاؤ۔ خدا کی قسم عمیر میں اپنی انگلیاں ہی کاٹ دیتی۔ تمہیں میرا حارث کی اکیڈمی میں پڑھانا اچھا نہیں لگتا تھا تو صرف ایک دفعہ چہرہ تھام کے کہہ دیتے کہ اس کی اکیڈمی میں نہ پڑھاؤ۔ پھر حارث سر کے بل بھی چل کر آتا تو میں اس کی بات نہ مانتی۔ شادی کر لی تھی ناں مجھ سے۔ تو اس رات مجھے اپنے اندر چھپا کے ایک بار کہتے کہ پڑھانا چھوڑ دو، میں اسی لمحے چھوڑ دیتی عمیر۔ گلے سے لگا کر صرف ایک بار کہہ دیتے کہ مجھ سے اونچا مت اڑو۔ میں اپنے پر ہی کاٹ دیتی۔ جس رات طلاق دے کر پرایا کیا تھا اس رات ایک بار کندھے سے لگا کر کہتے کہ کہیں دور چلی جاؤ۔ خدا کی قسم عمیر میں پاتال کی گہرائیوں میں اتر جاتی اس رات آخری بار آغوش میں لے کر صرف ایک بار کہتے کہ اب کبھی واپس نہ آنا۔ میں وہیں کہیں مر جاتی لیکن واپس نہ آتی۔'' حائقہ کا پورا وجود کانپنے لگا تھا۔ عمیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہولے سے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اس کا چہرہ اپنے سینے سے ٹکایا۔ دونوں بازو مضبوطی سے اس کے گرد باندھ دیئے اور اپنا چہرہ اس کے سر پر رکھا۔

''حائقہ پلیز یہاں سے چلی جاؤ۔ ہمیشہ کے لیے۔'' اس نے حائقہ کے کانوں میں سرگوشی کی۔

''اور کبھی واپس نہ آنا۔'' چند لمحوں بعد وہ دوبارہ بولا۔ حائقہ نے ہولے سے اپنے بازو اس کی گردن کے گرد پروئے آنسو خود بخود امڈے چلے آرہے تھے۔

''کسی لمحے مجھ سے پیار ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''شاید ہر لمحہ۔'' عمیر کا حصار اس کے گرد تنگ ہوا تھا۔

''مجھے یاد کرو گے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''تم کبھی بھولو گی ہی نہیں۔'' اس نے عمیر کی گردن کے گرد ہالہ مضبوط کیا۔

''ماریہ کو اسپیشلائزیشن کروانا۔'' وہ بولی۔ عمیر نے ''ہوں'' کہا تھا۔

''سدرہ کو انجینئر بننے دینا۔'' اس نے پھر ''ہوں'' کہا۔

''اقراء میری گڑیا ہے۔ میری گڑیا......'' حائقہ کی سانسیں ٹوٹنے لگیں۔ عمیر نے اس کے ڈھیلے پڑتے وجود کو اور مضبوطی سے مقید کیا۔ حائقہ کی آنکھیں بند ہوئیں۔

''کیا چاہتے ہیں ہم لائف سے۔''

زیادہ کچھ نہیں

21 تک کے منے منے دکھ سکھ بانٹنے کے لیے ایک اچھا سا دوست،

28 تک کی زندگی کے سونے جیسے پل دونوں ہاتھوں سے لٹانے کے لیے 5 فگرز (ہندسوں) والی سیلری۔

50 تک کی سیڑھیاں طے کرنے کے لیے ایک باوفا جیون ساتھی۔

اور مرنے تک سکون سے جینے کے لیے پیار کرنے والے بچے۔

اور یہ سب ہم لائف سے قرض نہیں مانگتے۔ یہ سب ہمارا حق ہوتا ہے۔

میرا بھی حق تھا۔

عارش جیسا دوست۔

حارث جیسا سہارا۔

عمیر جیسا جیون ساتھی۔

ماریہ جیسی، سدرہ جیسی، اقراء جیسی بیٹیاں۔

ایک سے بڑھ کر ایک ذہین اسٹوڈنٹ میرا حق تھے۔

5 فیگرز والی سیلری میرا حق تھی۔

ڈگری کالج کی Ap فزکس کی سیٹ زندگی کے 12 سالوں کے لیے صرف میری تھی۔

اور جب یہ سب مل جاتا ہے پھر اس دنیا میں رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

جیسے میرا نہیں رہا تھا۔

☆......☆

کئی گھنٹے ہو گئے تھے اسے حائقہ کو لے کر یونہی بیٹھے ہوئے۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ثمینہ راؤ نے اسے بمشکل وہاں سے اٹھایا۔ حائقہ کی تدفین تک اس کی آنکھیں خشک نہ ہوئیں۔

یہ تھا اس کا پیار۔

اس کے ایک بار کہنے پر دنیا ہی چھوڑ گئی تھی۔

ہمیشہ کے لیے۔

حائقہ کو دفنا کر وہ سیدھا اس کے گھر آیا تھا۔ ماریہ اسے دیکھتے ہی اندر چلی گئی۔

''چلو بیٹے گھر چلیں۔'' اس نے ہولے سے اقراء کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ماما کہہ کر گئی ہیں کسی کے ساتھ نہیں جانا۔'' اقراء نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''لیکن یہ تو نہیں کہہ کر گئیں ناں کہ اپنے باپ کے ساتھ بھی نہیں جانا۔'' وہ بولا۔ ماریہ تیر کی طرح اندر سے نکل کے آئی۔

''کون سا باپ۔ وہ جس نے اپنی پوری زندگی میں ہم لوگوں کے بارے میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سوچا۔'' اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

''جسے ہم لوگوں کو اس طوفانی رات میں گھر سے نکالتے ہوئے ذرا رحم نہیں آیا۔ جس نے ایک بار بھی پلٹ کے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ہم زندہ بھی ہیں یا مر گئیں۔ ارے آپ کو تو ہمارے نام بھی نہیں آتے ہوں گے۔'' ماریہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سدرہ نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر چپ کروایا۔

''آپ جائیں یہاں سے۔ اپنی ماں جیسا حوصلہ ہے ہم سب میں۔ اکیلے رہ لیں گے۔'' رمشا اسے کہتے

ہوئے دروازے کی طرف آئی تھی۔ وہ چند لمحوں بعد چپ چاپ باہر نکل گیا۔ عارش نے انہیں کئی بار اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ ثمینہ خود کئی بار آئیں۔ حارث نے بھی اپنے ساتھ چلنے پر بہت زور لگایا مگر ماریہ نہیں مانی۔

''میں اور میری بہنیں اکیلے رہ لیں گی۔'' اس کا ایک ہی جواب ہوتا اور عمیر...... حائقہ کو گئے 20 دن ہو گئے تھے اور وہ ان 20 دنوں میں 48 دفعہ آیا۔ 48 دفعہ صبح وشام ہر روز...... ماریہ نے اسے ہر بار خالی ہاتھ لوٹایا۔ لیکن وہ بھی عمیر راؤ تھا۔ ضد کی اعلیٰ مثال۔

سو وہ 49 ویں دفعہ پھر آ گیا۔

☆......☆

''عمیر کی بات کیوں نہیں مان رہی ہو۔'' اس دن حارث حائقہ کے گھر آیا تھا۔ ماریہ کو سامنے بٹھا کر پوچھ ہی لیا۔

''یہ آپ پوچھ رہے ہیں؟'' ماریہ ایک دم حیرانی سے بولی۔

''ہاں میں پوچھ رہا ہوں، ماریہ وہ اگر تمہارا باپ نہ ہوتا تو میں تمہیں یہ بھی نصیحت کرتا کہ مرنا پڑے تو مر جانا لیکن اس کی بات مت ماننا۔ مگر وہ تمہارا باپ ہے۔ شاید زندگی میں پہلی بار ڈھنگ کی بات کر رہا ہے۔ مان لو۔'' حارث نے اسے سمجھایا۔

''اتنی جلدی کیسے معاف کر دوں انہیں؟'' ماریہ روئی تھی۔

''تمہاری ماں سے زیادہ برا سلوک تو نہیں کیا ناں اس نے تمہارے ساتھ۔ سب سے زیادہ مجرم تو وہ تمہاری ماں کا تھا۔ جب اس نے معاف کر دیا تو تم کون ہوتی ہو اسے سزا دینے والی۔'' ماریہ چپ رہی۔

''بس کر دو اب زندگی میں شاید پہلی بار اتنا نادم ہوا ہے وہ۔ پہلی بار سیدھے رستے کی طرف آیا ہے۔ یوں مت دھتکارو۔'' حارث اپنے سامنے بیٹھی اقراء کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''تو کیا بھول جاؤں سب کچھ؟'' ماریہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں کیونکہ جس پہ بیتی وہ بھی بھول گئی تھی۔'' حارث کی بات جیسے ہی ختم ہوئی دروازہ کھٹکا۔ اقراء نے دروازہ کھولا۔ حارث کو دیکھ کے عمیر کے قدم دروازے کے قریب ہی رک گئے۔

''گھر چلو۔'' ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے اس نے ماریہ سے کہا تھا۔

''کیوں؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹیاں اکیلی رہیں۔'' وہ بولا۔

''پندرہ سال بھی آپ کی یہ بیٹیاں اکیلی ہی رہی ہیں۔ تب تو خیال نہیں آیا۔'' عمیر چند لمحوں بعد بولا۔

''ریکوئسٹ ہے میری تم سے کہ پندرہ سال جو کچھ ہوا بھول جاؤ۔ پلیز۔'' ماریہ ایک دم اس کے سامنے آئی۔

''کیوں! آپ کے نزدیک یہ اتنا ہی آسان ہے کیا؟'' اس کی آواز بلند ہو گئی۔

''پتا نہیں آسان ہے یا نہیں لیکن تمہاری ماں بھی بھول گئی تھی۔'' حارث چپ چاپ دونوں کو دیکھتا رہا۔

''وہ میری ماں تھی جو بھول گئی۔ آپ کے معافی مانگے بنا ہی آپ کو معاف کر گئی۔ میں اتنی اعلیٰ ظرف نہیں ہوں۔'' عمیر ہولے سے آگے کو آیا تھا۔ ایک نظر حارث کو دیکھا پھر آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ دونوں کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بیٹے مجھے معاف کر دو، اپنے وجود کے سات ٹکڑوں کے بغیر نہیں رہ سکتا اب میں۔'' ضبط کرتے کرتے بھی وہ رو پڑا۔ حارث دنگ بیٹھا رہ گیا۔ اقراء اسے یوں روتے دیکھ کے خود بھی پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

''ماریہ! تمہارے وجود میں میرا خون ہے بیٹے پلیز۔'' وہ بولا۔ ماریہ پگھل نہ سکی۔ حارث کھڑا ہو گیا۔ عمیر

کافی دیر کھڑا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں خشک کرتا ہوا دروازے کی طرف مڑا۔

''میں کل پھر آؤں گا۔'' وہ جاتے ہوئے بولا تھا۔ ماریہ کچھ نہ بولی اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ پار کرتا اقراء نے بھاگ کے پیچھے سے دونوں بازو اس کے گرد باندھ کے اسے روکا تھا عمیر یکدم رک گیا۔

''میں جاؤں گی آپ کے ساتھ پاپا۔'' وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

''اقراء! ماما نے کہا تھا کہ کسی کے ساتھ نہیں جانا۔'' ماریہ بولی۔

''لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ پاپا کے ساتھ بھی مت جانا۔''

اقراء یونہی روتے ہوئے بولی تھی۔ عمیر نے نیچے بیٹھتے ہوئے اسے دونوں بازوؤں میں بھرا۔ بے تحاشا رو دیا۔ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ساری اس کے پاس آ گئیں ماریہ تنہا کھڑی رہ گئی۔

''ماریہ چلو بیٹے۔'' عمیر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''آنے والے وقتوں میں، میں اور میری بہنیں جیسے مرضی زندگی گزاریں۔ آپ نہیں ٹوکیں گے۔'' ماریہ مضبوط لہجے میں بولی۔

''نہیں ٹوکوں گا۔'' وہ فوراً بولا۔

''مجھے اسپیشلائزیشن کرنے باہر جانے دیں گے۔'' ماریہ کی دوسری شرط۔

''جانے دوں گا۔'' وہ پھر فوراً سے بولا۔

''عائشہ اور رمشا جب تک چاہیں گی دی اسٹار اکیڈمی میں پڑھائیں گی۔ آپ کبھی نہیں روکیں گے۔'' حارث کو لگا کہ شاید اب کے عمیر ہاں نہ کہے۔ یا شاید دیر سے کہے مگر وہ ماریہ کی بات مکمل ہوتے ہی بول پڑا۔

''نہیں روکوں گا۔'' حارث کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کبھی ہم سے اونچی آواز میں بات نہیں کریں گے۔'' ماریہ بولتی چلی گئی۔ نہیں کروں گا۔'' وہ مانتا چلا گیا۔

''کبھی ہم میں سے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔'' ماریہ کے آنسو نکلے تھے۔

''نہیں اٹھاؤں گا۔'' حارث سے ہنسی روکنا دوبھر ہو گیا۔ اسے لگا ماریہ نہیں بول رہی۔ دوسرا عمر راؤ بول رہا ہے۔''

''اقراء ہم سب کی گڑیا ہے اس کا ہمیشہ خیال رکھیں گے۔'' ماریہ بلک بلک کر رو دی۔

''رکھوں گا۔'' عمیر کی شاید بس ہو گئی تھی تبھی ماریہ کی اگلی بات سے پہلے ہی بول پڑا۔

''بیٹے آپ مجھے گولی بھی مار دو گی تو کچھ نہیں کہوں گا۔'' اس کی آواز اونچی ہو گئی۔ ماریہ بھاگ کے اس کے گلے لگی تھی۔ حارث کی ہنسی بے قابو ہو گئی ماریہ کو خود سے لگاتے ہوئے اس نے حارث کی طرف دیکھا۔

''تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' ماریہ اس کی بات سن کر ایک دم بولی۔

''اور آپ سر حارث سے لڑائی ختم کر دیں گے۔'' عمیر اس بار اس کی بات کے جواب میں ہاں نہ کہہ سکا۔ اب ہر بات ماننے والی تھوڑی ناں ہوتی ہے۔ اس نے ماریہ کو سینے سے لگائے ہوئے دوبارہ حارث کی طرف دیکھا۔

''گیسٹ لاسٹ۔'' حارث اس کے چہرے سے ہی اس کی بات سمجھ گیا تبھی مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ ماریہ نے دونوں بازو مضبوطی سے اس کے گرد باندھ دیئے۔

''ماما! بالکل ٹھیک کہتی تھیں۔ لائف سے بس اتنا ہی مانگو جتنا آپ کا حق ہے۔ زیادہ مانگو گے تو لائف ناراض ہو جائے گی۔''

☆ختم شد☆

رابعہ ولی

افسانہ

فریبی جہاں

وہ بیچ پر بیٹھا ہر طرف سے الجھنوں کا شکار تھا۔ اس کے دماغ میں بس سوال ہی سوال گھوم رہے تھے۔

”آخر کون ہے یہ لڑکی؟ اور یہ اس حالت میں



کیوں تھی؟“ وہ اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو کئی گھنٹوں پہلے اسے دلہن کے روپ میں شدید زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں ملی تھی۔ اب ڈاکٹر کے باہر آنے پر وہ کھڑا ہوا اور انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے۔ Butt......“ ڈاکٹر نے گہری سانس لی۔

”کیا ہوا ڈاکٹر صاحب؟ آپ مجھے کھل کر بتائیں۔“ ہادی کو فکر ہونے لگی۔

”دیکھیے مسٹر ہادی! وہ لڑکی اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہے۔“ ڈاکٹر کے بتانے پر وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔

”کیا......؟ لیکن اب میں کیا کروں۔ اسے کہاں لے کر جاؤں۔ اب تو یہ اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں بتا سکتی۔“ وہ اور مشکل میں پھنس گیا۔

”آپ اللہ سے دعا کیجیے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دنوں میں ہم انہیں ڈسچارج کر دیں گے۔ پھر آپ انہیں لے کر جا سکتے ہیں۔“ ڈاکٹر اسے تسلی دے کر چلا گیا۔

☆......☆

”تیرا دماغ گھوم گیا ہے کیا؟ اتنے اچھے رشتے



سے تو کیسے انکار کر سکتی ہے؟ ماشاء اللہ سے لڑکا پڑھا لکھا ہے۔ خوش شکل ہے۔ اپنا ذاتی کاروبار ہے۔ بنگلہ گاڑی اور کیا چاہیے تجھے۔'' صغریٰ بیگم نے تو آج اس کو منانے کی ٹھان لی تھی۔

''پھپھو مجھے اور کچھ مسئلہ نہیں ہے۔ میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ لوگ لڑکے کا بیک گراؤنڈ چیک کریں۔ میں یوں اپنی زندگی کے فیصلے بند آنکھوں سے نہیں لے سکتی۔'' زرمین بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

''دیکھ بیٹی! جو قسمت میں لکھا ہوا ہو اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔'' صغریٰ بیگم کا لہجہ نرم ہوا تھا۔

''اگر اسی طرح رشتوں میں کیڑے نکالتی رہے گی تو تیری شادی کی عمر بھی نکل جائے گی۔ اب تو خیر سے ہما بھی بڑی ہو چکی ہے۔ تیرے بعد اس کے بارے میں بھی تو کچھ سوچنا ہے۔'' صغریٰ بیگم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔

''نہیں پھپھو! ہما ابھی چھوٹی ہے ابھی وہ پڑھائی کر رہی ہے۔ ابھی تو ایسا سوچیے گا بھی مت۔'' زرمین کو برا لگا تو بگڑ کر بولی۔

''تو ٹھیک ہے۔ بیٹھی رہو ساری زندگی باپ کے سر پر بن ماں کی بیٹیوں کے لیے ایسے رشتے نہیں آیا کرتے۔ کب تک تمہارا بوڑھا باپ تم لوگوں کے لیے کماتا رہے گا۔ عاصم بھی تو ابھی بارہ سال کا ہے۔ وہ بھی تو بہنوں کو کما کے نہیں کھلا سکتا۔'' صغریٰ بیگم بنا سوچے سمجھے بولتی گئیں۔ زرمین کے دل کو پھپھو کی باتوں سے کافی ٹھیس پہنچی تھی۔

''مگر ان کی باتیں کڑوی ہی سہی مگر ساری سچ ہیں۔'' زرمین نے سوچا اور پھر پھپھو سے کہنے لگی۔

''پھپھو! ابو سے کہہ دیجیے کہ میں نے رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے۔''

''ہائے میری بچی، اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ میں جا کے یہ خوش خبری تیرے ابو کو دے آتی ہوں۔'' صغریٰ بیگم زرمین کو دعائیں دیتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں اور زرمین من کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بیڈ پر گر کر رونے لگی۔

☆......☆

چاروں طرف اجنبی چہرے، ذہن بالکل خالی، ایک عالیشان کمرہ جس میں بیڈ پر بیٹھی وہ خود سے انجان تھی۔ اس کے سر پر ابھی بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جب کہ ثریا (نوکرانی) نے اسے سارے واقعے سے باخبر کر دیا تھا۔ بیڈ کے سائیڈ میں کھڑے دو معصوم اور پیارے سے بچے جو کب سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

''یہ کون ہیں؟'' اس نے جواب کی طلب میں ثریا کی طرف دیکھا تھا کہ تبھی باہر سے آتے ہادی نے فوراً کہا۔

''یہ میرے بچے ہیں۔'' ہادی کو دیکھ کر دونوں دوڑے دوڑے ہادی کے پاس گئے اور اس سے لپٹ گئے۔

''پاپا...... پاپا ہم انہیں کس نام سے بلائیں۔'' صائم اور زویا نے جھٹ پٹ سوال کر ڈالا۔

''ہوں......تو چلو یہ کام بھی کر لیتے ہیں۔ آپ دونوں انہیں آپی بلائیں گے جب کہ ان کا اصل نام ہوگا، ہوں......'' ہادی نے سوچنے والے انداز میں چھت کی طرف دیکھا۔

''ندا......!'' ثریا جھٹ گویا ہوئی۔

ثریا کے اس نام لینے پر ہادی نے حیرانگی سے ثریا کی طرف دیکھا۔

''لیکن......ثریا یہ نام تو......'' ہادی کی نظروں میں کچھ تھا جو ثریا نے نظر انداز کر دیا۔

''ہاں یہ نام تو بہت اچھا ہے، انہیں پسند آئے گا۔'' ثریا نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیا پتا، میں تو کچھ بھی نہیں جانتی، نہ اپنا نام نہ مقام۔ میں تو گویا ابھی پیدا ہوئی ہوں۔ جس کا نام بھی ابھی رکھا جا رہا ہے۔'' وہ نگاہیں ایک ہی جگہ

ٹھہرائے بولے جا رہی تھی اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

''ثریا میں نہیں جانتی کہ میں کیا کروں؟ کب تک میں اس کنڈیشن میں رہوں گی؟ میں جیوں یا مروں؟ میں کس سے پوچھوں کہ میں کون ہوں؟'' اب وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔ سفید موتی اس کے رخساروں سے ٹپکتے ہوئے اس کے گریبان پر گر رہے تھے۔

ثریا، ندا کو گلے سے لگا کر کہنے لگی۔

''نہیں بیٹی! ایسا نہیں کہتے ہم سب تمہارے اپنے ہیں، اچھا چپ ہو جاؤ دیکھو بچے بھی سہم گئے ہیں۔'' ہادی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اسے تسلی دے یا ایسے ہی کھڑا رہے۔

''ہادی بیٹا! بچوں کو لے جاؤ، انہیں نیند آ رہی ہو گی۔'' ثریا کہنے لگیں۔

''جی......!'' ہادی بچوں کو لے کر باہر نکل گیا۔ ندا نے رونا تو بند کر دیا تھا لیکن سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔

☆......☆

زرمین کے گھر میں خوب ہلہ گلا تھا۔ گھر کے تمام افراد کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ پر نہ جانے اس کے دل میں کچھ ڈر سا تھا جس کی وجہ سے اس پر رونق دن میں بھی اداس سی تھی۔ پھپھو، ہما سب ہی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ راحیل کے گھر والوں نے جہیز لینے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے پھپھو دن رات ان کی اچھائیاں بیان کرنے میں مصروف تھیں۔

''آپیا......ارے یہ کیا؟ آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ مہمان بھی آنا شروع ہو گئے ہیں۔'' ہما بولی مگر زرمین کو خاموش پا کر وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھ سے اس کا چہرہ اٹھایا، زرمین کی آنکھوں میں سرخی پھیلی ہوئی تھی۔

''اچھا......!'' انداز میں معنی خیزی تھی۔

''تو میڈم رو رہی تھیں۔''

''ہاں ظاہری بات ہے میں ہوں ہی اتنی اچھی جو مجھے چھوڑ کے جائے گا روئے گا تو ضرور۔'' ہما شرارت سے بولی۔

''چپ کر نالائق۔ تیرے لیے کون رو رہا ہے۔ میں تو خوش ہوں تجھ سے جان جو چھوٹے گی۔'' زرمین ہما کو چڑانے کے لیے بولی۔

زرد جوڑے میں پھولوں والی جیولری اس پر بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ سفید پر مسرت چہرہ سب کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا رسمیں ختم ہونے کے بعد زرمین کی دوستوں نے اس کے ہاتھوں میں مہندی لگائی، رات گئے مہندی کا فنکشن ختم ہوا تو وہ بھی ریلیکس ہونے کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ صبح بارات کا فنکشن بھی بھرپور گہما گہمی والا تھا۔ وہ بلڈ ریڈ لہنگے میں غضب ڈھا رہی تھی جب کہ بلیک تھری پیس سوٹ میں راحیل بھی سب کو اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ رخصتی کے وقت زرمین رو کے اور سب کو رلا کے پیا دیس سدھار گئی۔

☆......☆

ندا کی حالت اب کافی بہتر ہو چکی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت صائم اور زویا کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ وہ تینوں کافی اچھے دوست بن چکے تھے۔ جس سے ہادی بہت خوش تھا۔ ہادی کی بیوی ایک کار ایکسیڈنٹ میں اپنی جان ہار بیٹھی تھی۔ ندا کو اس بات کا پتا تھا مگر وہ اس بات سے انجان تھی کہ ہادی کی بیوی کا نام ندا تھا۔ شاید ثریا نے یہ نام سوچ سمجھ کر رکھا تھا۔

''ندا۔'' بچوں کو پڑھانے میں مصروف تھی۔ جب ہادی آفس سے آیا۔

''ارے واہ تم سب تو دوست بن گئے ہو۔''

ندا نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی۔

''جی پاپا!'' زویا بولی۔

''پہلے ہمیں مما پڑھایا کرتی تھیں۔ اب وہ نہیں ہیں تو ہمیں ان کی جگہ ندا آپی مل گئی ہیں۔ ہم ان کے ساتھ بہت خوش ہیں۔'' زویا معصومیت سے بولی۔

''بابا! یہ ہمیں چھوڑ کر تو نہیں جائیں گی ناں؟'' صائم کی طرف سے غیر متوقع سوال تھا۔

''مم...... مجھے کیا پتا۔'' ہادی ہکلاتے ہوئے بولا۔

''چلو ہم کھانا کھاتے ہیں پھر آئس کریم کھانے کے لیے جائیں گے۔''

''واؤ! آئس کریم، آپی بھی ہمارے ساتھ جائیں گی۔'' زویا خوش ہو کر بولی۔

''نن...... نہیں میں نہیں جا سکتی۔'' ندا نے صاف انکار کر دیا۔

''ندا! اگر بچے ضد کر رہے ہیں تو چلی جاؤ ناں۔'' ہادی کے بولنے پر ثریا نے ہادی کو دیکھا جو کچھ شرمندہ ہونے لگا تھا۔

''ہاں ہاں۔ کیوں نہیں تمہیں ان کے ساتھ ضرور جانا چاہیے۔ اب تم ان کی دوست جو بن گئی ہو۔'' ثریا کے انداز میں شوخی تھی۔

☆......☆

وقت تھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ نزمین کی شادی کو ہوئے ڈھائی مہینے گزر چکے تھے۔ اور اس دوران اس کے گھر والوں نے نزمین کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ ان کا رابطہ بس راحیل سے ہی تھا جو کبھی میٹنگ کا بہانہ کر دیتا تو کبھی کسی اور جگہ مصروف ہونے کا کہہ دیتا۔

نزمین کے ابو کو اس کی فکر کھائے جا رہی تھی مگر اب تھوڑی تسلی ہو گئی تھی جب راحیل نے کہا ہم آج آ رہے ہیں، ہما نے خوب انتظام کر رکھا تھا۔ چکن بریانی، قورمہ، کھیر اور طرح طرح کے پکوان جو نزمین کو پسند تھے تیار کیے تھے اور خود بھی تیار ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''ٹھک...... ٹھک...... ٹھک۔'' دروازے پر دستک ہوتے ہی عاصم دوڑا دوڑا دروازے کی طرف گیا اور دروازہ کھولا تو راحیل اندر آیا اس کے چہرے پر کچھ افسردگی نظر آ رہی تھی۔ سب کی نظریں گیٹ کی طرف تھیں کہ اب نزمین بھی اندر آئے گی۔

''عاصم گیٹ بند کر دو اور کوئی نہیں ہے۔'' راحیل کے بولتے ہی سب حیران ہو گئے۔

''مگر نزمین......'' نزمین کے ابو بولے۔

''اس سے پہلے کہ آپ کچھ پوچھیں میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔'' راحیل کے چہرے کی افسردگی سب کو بے قرار کر رہی تھی۔

''دراصل بات کچھ ایسی ہے کہ......'' وہ بولتے بولتے رکا۔

''جلدی بولو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔'' نزمین کے ابو بولے۔

''ہماری شادی کے چند دن بعد ہی رات کو میرے گھر میں کچھ لوگ داخل ہوئے جن کے پاس بہت سارا اسلحہ تھا۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا اور کہنے لگے کہ ان پیپرز پر سائن کر دو، میں نے سوچا کہ چور ہوں گے اور یہ پیپرز کسی کمپنی کے ہوں گے۔ ان سب نے پسٹلز میرے ماتھے پر رکھے تھے۔ نزمین نے بھی مجھ سے بہت ضد کی کہ میں سائن کر دوں، میں نے جلدی جلدی سائن کر دیے مگر......'' وہ بولتے بولتے رکا۔

''مگر کیا؟'' اس بار پھپھو بولیں۔

''مگر وہ پیپرز میرے اور نزمین کے طلاق کے تھے، نزمین کسی اور سے پیار کرتی تھی اور وہ آدمی بھی اسی نے بلائے تھے۔''

راحیل کا یہ کہنا تھا کہ نزمین کے والد کی طرف سے ایک زوردار تھپڑ راحیل کے منہ پر نشان چھوڑ گیا۔

''تمہیں ذرا شرم نہیں آئی میری بیٹی کے بارے میں ایسی بکواس کرتے۔'' شکیل صاحب (نزمین کے والد) کا خون کھول رہا تھا۔

''میں جانتا تھا کہ آپ سب میرا یقین نہیں کریں گے اس لیے میں نے اب تک یہ بات آپ سب سے چھپائی۔ میں نے سوچا تھا کہ پہلے نزمین کو ڈھونڈوں گا اس کے بعد آپ کو بتاؤں گا لیکن وہ نہیں ملی۔ اب میں کیا کروں؟ میری بھی تو عزت خراب ہو گئی نا، میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا، میں نے تو سوچا تھا شادی کر کے خوشی کی زندگی بسر کروں گا مگر میں کیا جانتا تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔'' وہ سر پکڑ کر صوفے پر ڈھ گیا۔

''مجھے لگتا ہے کہ یہ سچ کہہ رہا ہے۔'' پھپھو نے بھی حصہ لیا۔

''نزمین تو پہلے ہی اس شادی کے حق میں نہیں تھی، بھائی صاحب آپ کی بیٹی نے آپ کی عزت خاک میں ملا دی اور راحیل بے چارہ بھی پھنس گیا۔''

''اگر ایسی ہی بات ہے تو آج سے میری ایک ہی بیٹی ہے اور وہ ہے ہما۔ نزمین میرے لیے مر چکی ہے۔'' شکیل صاحب کی آنکھیں غصے سے انگارے برسا رہی تھیں۔

''میں اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔'' شکیل صاحب دوبارہ بول پڑے۔ سب کی نظریں ان پر ٹھہر گئیں۔''

''بیٹے! میں تمہاری شادی اپنی بیٹی ہما سے کرانا چاہتا ہوں لیکن مجھے ایک مہینے کا وقت چاہیے کیونکہ میں اپنی بیٹی کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔'' ہما کا دل تو جل رہا تھا مگر ہونٹوں نے چپ سادھ لی تھی۔

☆......☆

وہ ٹیرس پر کھڑا چائے کا مگ ہونٹوں سے لگاتا اور ٹھنڈی ہوا کے مزے لوٹتا رہا۔

''شاید تمہاری ہی کمی تھی جو اب پوری ہو چکی ہے۔ ابھی تو ہمارے درمیان کچھ فاصلے ہیں جو جلدی ہی سمٹ جائیں گے اور ہماری ادھوری کہانی پوری ہو جائے گی۔'' سوچتے سوچتے اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

''لیکن میں اسے کیسے بتاؤں کہ میں اس سے پیار کرتا ہوں۔'' وہ خود سے سوال کرنے لگا۔

''ہوں...... سوچ ہادی...... کچھ تو سوچ، ہاں یہ آئیڈیا بیسٹ رہے گا۔ ویسے بھی کل ہی تو فرحان کی شادی ہے۔ آئی تو وہ میرا ساتھ ضرور دے گا، اسے ابھی ہی کال کر دیتا ہوں اور ساری تفصیل سے آگاہ کرتا ہوں۔'' اس نے اپنا فون اٹھایا اور اپنے فرینڈ فرحان کو کال کرنے لگا۔ صبح وہ ناشتہ کے لیے آیا تو بھی اس کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔ چہرے پر ہنسی بکھری ہوئی تھی اور کیوں نا ہوتا خوش فرحان نے ہاں جو کر دی تھی اور دونوں کی پلاننگ پہلے ہی سے تیار تھی۔

''اچھا بچوں ناشتہ کر لو پھر ہم سب شاپنگ کے لیے چلتے ہیں۔ تم لوگوں کو یاد ہے نا کہ آج شام ہمیں فرحان انکل کی شادی اٹینڈ کرنی ہے۔''

''یس پاپا!'' صائم اور زویا خوشی سے بولے۔

کچھ دیر بعد وہ چاروں شاپنگ مال میں موجود تھے۔ ندا تو نہیں آنا چاہتی تھی لیکن بچوں نے ضد کی تو وہ بھی آ گئی۔ بوتیک میں وہ لوگ گھوم ہی رہے تھے کہ ہادی کی نظر وائٹ کڑھائی والے پرپل سوٹ پر پڑی جو نہایت خوب صورت اور کافی مہنگا تھا۔ ہادی کو وہ اچھا لگا تو اس نے ندا کے لیے خرید لیا۔

خریداری کے بعد اب ٹائم آیا شادی اٹینڈ کرنے کا بچوں کو ندا نے پہلے ہی سے تیار کر دیا تھا۔ ہادی اور ندا اپنے اپنے روم میں تیار ہو رہے تھے۔ بچے ہال میں بیٹھے تھے جب ہادی تیار ہو کر نیچے آیا۔

''بچوں مما کہاں ہے؟'' یہ کہتے ہی اس نے اپنی زبان کو دانتوں تلے دبایا۔

''مم...... میرا مطلب ہے کہ ندا کہاں ہے؟''

تب ہی اس کی نظر سیڑھیوں پر پڑی جہاں سے وہ نمودار ہوئی۔ پرپل کلر کا لباس میچنگ آئی لینس اور لپ اسٹک گلے اور کانوں میں وائٹ سیٹ اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا۔ ہادی کی نظریں تھیں کہ

اس پر اٹک گئی تھیں۔
"اب نظریں تو ہٹالیں اسے برا لگ جائے گا۔" ثریا بولی تو وہ جھینپ گیا۔
"ہاں تو میں کسی سے کم تھوڑی نا ہوں، آئی ایم ویری گڈ لوکینگ۔" اس کی بات میں کوئی مبالغہ نہیں تھا بلیک سوٹ میں ملبوس ہادی نے ندا کے دل میں بھی ہلچل مچائی لیکن وہ نظر انداز کر گئی۔
کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ لان پہنچے تو فرحان ان کے استقبال کے لیے ان کے پاس پہنچا اور ان کے پلان کے مطابق شروع ہو گیا۔
"ارے واہ یار! تو نے شادی اور مجھے خبر تک نہیں کی۔"
"مم...... میری بات تو سن۔" ہادی نے بھی ایکٹنگ میں حصہ لیا۔
"تیری بات کیوں سنوں، مجھے بولنے دے، خیر مجھے نہیں بلایا تو کیا ہوا لیکن میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تجھے اتنی اچھی بیوی ملے گی۔ سچ میں یار تیری فیملی تو ابھی کمپلیٹ ہوئی ہے۔" وہ بولتا ہی گیا۔
"میں ان کی وائف نہیں ہوں۔" وہ بولتے ہی لان کے ایک کونے میں آنسو بہانے چلی گئی تو ہادی بھی اس کے پیچھے پہنچ گیا۔
"سوری...... میں جانتا ہوں تمہیں بہت برا لگا ہے۔" ہادی بولا۔
"تم نے یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے تو اب معافی مانگنے کی ایکٹنگ کیوں کر رہے ہو۔ جب وہ بول رہا تھا تو میں نے آپ کو اس کی طرف ہنستے ہوئے دیکھ لیا تھا اگر تمہارے دل میں میرے لیے کچھ فیلنگ تھیں تو تم مجھے بتاتے، یوں میرا تماشہ تو نہیں بناتے۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔
"سوری ندا! مجھ سے غلطی ہو گئی مگر میں تم سے واقعی میں بہت پیار کرتا ہوں۔" وہ اب بالکل سیریس تھا۔
"تو پھر انتظار کرو، جب میرے ماضی کے بارے میں کچھ پتا چلے گا تو پھر میں کوئی فیصلہ لے سکوں گی۔" وہ اپنا فیصلہ سنا چکی تھی۔

☆......☆

اس کے دل میں کافی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ آج وہ بھی مایوں بیٹھنے والی تھی۔ ہما کو بس اپنی بہن کی یاد آرہی تھی۔
"آخر آپا نے ایسا کیوں کیا؟ اگر وہ کسی اور سے پیار کرتی تھی تو اس نے پہلے کیوں نہیں بتایا سب کو۔" وہ سوچتے سوچتے رو پڑی۔
"اگر آپا ایسا نہ کرتی تو میں آج پڑھائی کر رہی ہوتی۔" وہ بیٹھی اپنے مایوں کے جوڑے کو دیکھ رہی تھی کہ پھپھو آگئیں۔
"ارے تو کیوں رو رہی ہے؟ تیری بہن نے بھی تو یہی کیا تھا۔ کیا ہوا پھر؟ نتیجہ تو تم نے خود ہی دیکھ لیا تا اب تیرے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں، خدارا تو اپنے باپ کی عزت کی لاج رکھنا۔" ہمیشہ کی طرح تلخ لہجہ تھا ان کا۔ ہما بس چلتا تو انہیں کھری کھری سناتی وہ صرف چپ رہی۔

☆......☆

"ٹرن...... ٹرن......" موبائل پر بیپ ہوتے ہی ہادی نے فون اٹھایا۔ اسکرین پر گھر کا نمبر تھا۔ ہادی نے فون کان سے لگایا۔
"ہیلو!" دوسری طرف ثریا تھی جو کافی گھبرائی ہوئی تھی۔
"ہادی صاحب! وہ ندا میڈم سیڑھیوں سے گر گئی ہیں۔ وہ کافی زخم ہو چکی ہیں انہیں بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے گئے ہیں آپ جلدی اسپتال پہنچیں۔" ہادی کے سر پر جیسے کسی نے بم پھینک دیا ہو لیکن اس نے خود کو سنبھالا اور گاڑی اسپتال کی طرف موڑ دی۔
پوری رات وہ بے ہوش رہی۔ پھر صبح جب اسے ہوش آیا تو ڈاکٹر نے آکے ہادی کو خوشخبری دی اور سب سے بڑی خبر یہ تھی کہ اس نے اپنی یادداشت پھر سے پالی تھی۔ ہادی تو خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ ہادی جب اس کے پاس گیا تو اس کی زبان پر ایک ہی لفظ تھا۔
"مجھے گھر جانا ہے۔ میرا گھر پہنچنا بہت ضروری ہے۔ پلیز ہادی۔"
ہادی کے پاس کوئی اور آپشن نہیں تھا سوائے اس کی بات ماننے کے۔

☆......☆

زخمی حالت میں وہ اپنے گھر پہنچی ہادی بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ یہ دیکھ کر تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے کہ اس کی بہن ہما کی شادی اور وہ بھی راحیل کے ساتھ، سبھی لوگ نرمین کو دیکھ کر حیران تھے اور سبھی اس کی طرف متوجہ تھے۔
"کمینے۔" نرمین نے راحیل کا گریبان پکڑ لیا۔
"تو نے پہلے میری زندگی برباد کی۔ اب میری بہن کی زندگی برباد کرنے چلا ہے۔"
اتنے میں شکیل صاحب آگئے اور راحیل کو چھڑا لیا۔
"چلی جا یہاں سے...... میری عزت تو تو نے اچھال دی، اب کیا لینے آئی ہے؟" شکیل صاحب نرمین پر برسے۔
"اچھا...... تو یہ کہانی سنائی ہے اس نے آپ سب کو۔ ابو یہ ایک فراڈیا انسان ہے، یہ ہما کے ساتھ بھی وہی کرنا چاہتا ہے جو اس نے میرے ساتھ کیا، آپ سب کو میری بات سننی ہوگی اور اس پر یقین بھی کرنا ہو گا۔ شادی کے تیسرے دن ہی اس نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ زور زبردستی سے میرے سائن لیے۔ مجھے طلاق اس نے اس لیے دی کہ یہ مجھے کسی کو بیچ چکا تھا اور صرف مجھے ہی نہیں مجھ جیسی کئی لڑکیوں کے ساتھ یہ ایسا کر چکا ہے۔ میں نے اس کی بہت منتیں کیں لیکن اس نے میری ایک نہ سنی، پہلے اس نے مجھے دلہن کی طرح تیار ہونے کو کہا اور پھر ایک گاڑی مجھے لینے آئی جس میں یہ اور اس کے ساتھی مجھے زبردستی لے گئے۔" نرمین کی آواز بھیگ چکی تھی۔
"وہ تو قسمت میرے ساتھ تھی جو راستے میں گاڑی کے پیچھے پولیس وین لگ گئی۔ انہوں نے گاڑی سنسان جگہ موڑ دی لیکن پولیس ان کے پیچھے ہی تھی۔ پھر انہوں نے مجھ سے جان چھڑانے کے لیے مجھے چلتی گاڑی سے پھینک دیا اور میرا سر ایک پتھر کے ساتھ ٹکرانے سے میری یادداشت چلی گئی اور یہ لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔"
ہادی کا خون کھول رہا تھا لیکن اس نے نرمین کی بات ختم ہونے کا انتظار کیا۔ نرمین کی باتوں میں بھی خوب غصہ تھا۔
"ہادی! جو وہاں اپنی فیکٹری کے لیے زمین دیکھنے کے لیے آئے تھے۔" نرمین نے ہادی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے اپنے گھر لے گئے میری یادداشت جا چکی تھی۔ وہاں بہت پیار کرنے والے لوگ تھے جو میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ کل میں سیڑھیوں سے گری جس کی وجہ سے میرے سر پر چوٹ آئی اور میری یادداشت آگئی۔ میں آپ سب سے کہتی ہوں کہ اپنی بہن، بیٹیوں کے رشتے کروانے سے پہلے لڑکے کا بیک گراؤنڈ ضرور چیک کریں، تاکہ آپ کی بچیاں بھی میری طرح دھوکہ نہ کھائیں۔"
باہر پولیس کی وین آگئی تھی جسے ہادی نے بلوایا تھا۔ پولیس کو بھی راحیل کی تلاش تھی پولیس راحیل کو لے گئی۔ نرمین کے گھر والے ہادی کے بہت شکر گزار تھے اور نرمین سے بہت شرمندہ ہما کی زندگی برباد ہونے سے بچ گئی اور ہادی نرمین کو رشتہ لے کر آنے کا کہہ کر گھر لوٹ گیا کہ اسے جلد سے جلد اپنے گھر واپس لانا تھا۔

......☆......

سعدیہ عابد

افسانہ

زندگی روٹھ جائے تو

''فارا، ایسے یہاں کیوں بیٹھی ہو؟''
سارا اس کے برابر دھم سے بیٹھی قدرے حیرت سے بولی تھی۔
''دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہی ہوں۔''



اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا، جبکہ سارا کے خاک بھی پلے نہ پڑا تھا اور اسی وقت ان دونوں کو ڈھونڈتی زارا وہیں چلی آئی تھی۔

''آپ دونوں یہاں اکیلے کیوں گھسی بیٹھی ہیں؟ یقیناً میرے خلاف کوئی سازش کر رہی ہوں گی۔''

زارا نے ان کے براڈ نکتے ہوئے قدر مشکوک نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا کہ جب سے اس کی منگنی فارا کے اکلوتے ہینڈسم بھائی سے ہوئی تھی، جب سے ہی وہ ان دونوں کو شک بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی کہ اسے لگتا تھا کہ یہ دونوں نندیں مل کر کوئی گند نہ کر دیں کہ علی شیر میں تو اس کی جان بند تھی، کتنی دعاؤں سے اسے پانے کی پہلی منزل طے کی تھی (منگنی جو ہو گئی تھی) کہ آخری منزل شادی تھی، مگر جس کے کوئی امکان نہ تھے کہ گھر کا سب سے بڑا پوتا دادا سے خفا ہو کر شہر بدر ہو گیا تھا اور سب سے پہلے شادی بھی اس کی ہونی تھی، پہلے جسے شادی کی جلدی تھی علی گل کی واپسی کی دعا صبح و شام اٹھتے بیٹھتے کر رہا تھا۔



''ہم تمہارے خلاف سازش کیوں کریں گے؟''
سارا نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ کھسکیا سی گی۔
''مجھے بلائے بنا یہاں جمع ہوگئیں تو......''
''بکواس نہ کرو میں جانتی ہوں یہ شک کا کیڑا کہاں تمہارے ذہن میں کلبلا رہا ہے، مگر اپنی سوچوں حرکتوں سے باز آجاؤ وگرنہ ہم کچی پچی والی ڈراؤنی نندیں بن جائیں گی۔''
اس نے دنیا کی بے ثباتی پر غور ترک کرتے ہوئے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا، جس کا منہ لٹک گیا تھا، سارا کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔
''فارا نے ٹھیک کہا، غضب خدا کا تمہارے ساتھ ساتھ نفلیں پڑھیں دعائیں مانگیں، دادا ابو کے کمرے کے باہر کھڑے ہوکر جاسوسی کی اور تو اور شیر بھیا کی کچھاڑ میں کود پڑے ان کے کمرے کی تلاشی لی کہ کسی حسینہ کی تصویر چھپائے تو نہیں پھر رہے وہ اتنا کچھ ہم نے تمہارے لئے کیا اور تم ہم پر ہی شک کر رہی ہو۔''
سارا جوش خطابت میں ادھر ادھر کا ہوش بھی بھول بیٹھی تھی اور جنہیں ہوش تھا وہ علی شیر کو دیکھ کر کھڑی ہوگئی تھیں، زارا کی رنگت لال ہوگئی تھی، وہ اس دشمن جاں سے نظر چرائے کھڑی تھی کہ منگنی کے بعد سے وہ اس کے سامنے پر یونہی لال پیلی ہوجاتی تھی، سارا کی نظر جیسے ہی کالے بوٹوں پر پڑی اس نے نگاہ اٹھائی اور علی شیر کو دیکھ کر اس کی سٹی گم ہوگئی۔
''تم کس کی اجازت سے میرے کمرے میں سو کالڈ کسی حسینہ کی تصویر ڈھونڈنے گھسی تھیں۔''
اس کے تیور دیکھ کر یک دم سارا کی ہنسی چھوٹ گئی ان دونوں نے اسے یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہوگئی ہو اور علی شیر کو بچی پچی کا غصہ آ گیا۔ مگر وہ ظاہر بھی نہ کر پایا تھا کہ وہ معصومیت سے بول اٹھی۔
''بھیا! زارا کی اجازت سے''۔
وہ اپنی ہی شرارت پر متبسم تھی اور اس کی آنکھیں باہر آنے لگی تھیں، جبکہ علی شیر نے بے ساختہ اٹدتی مسکراہٹ کو کمال ہوشیاری سے چھپالیا تھا۔
''زارا اجازت دینے والی کون ہوتی ہے؟''
اس نے بے یقین کھڑی زارا کو دیکھ کر مصنوعی غصہ کا اظہار کیا تھا۔
''آپ کی منگیتر اور مستقبل قریب میں اس نے ہی تو آپ کے کمرے کی مالکن بننا ہے۔''
فارا نے عقلمندی سے انٹری دی تھی۔
''شٹ اپ اور خبردار جو تم نے یا سارا نے آئندہ کسی بھی فضول لڑکی کے کہنے پر میری جاسوسی کی۔''
اس نے بہن کو ڈپٹا تھا، اس کو مسکراتے دیکھ کر وہ دونوں بھی مسکرادی تھیں۔
''وہ تو شکر تھا کہ ساری حسیناؤں کی تصویریں میں نے بریف کیس میں رکھی تھیں، ورنہ تو تم لوگوں نے تو دیکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''
اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور وہ ایک گھوری اس پر ڈالتا نکلتا چلا گیا تھا، وہ بھیگی پلکوں سے جب تک وہ نظر آتا رہا تھا اس کے ہاتھ میں موجود بریف کیس کو دیکھتی رہی تھی اور اس کا نظر آنا بند ہوتے ہی جو رونا شروع ہوئی، وہ دونوں اپنی شرارت بھول کر پریشان ہوگئی تھیں۔
''زارا، پلیز! ایسے نہ رو ہم سب تو مذاق کر رہے تھے۔''
فارا اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔
''نہیں فارا! اتنا سنگین مذاق نہیں ہوتا، علی شیر کو مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے انہوں نے صرف دادا ابو کے لئے مجھ سے منگنی کرلی، لیکن میں یہ منگنی ختم کردوں گی۔''
زارا ایک جذباتی لڑکی تھی اور اس کا جذباتیت میں لیا فیصلہ ان دونوں کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی تھی، جبکہ وہ دوڑتی ہوئی اندر پہنچی تھی شام کا وقت تھا لاؤنج میں سب ہی موجود تھے کہ ان کے ہاں شام

کی چائے شروع سے سب ساتھ پیتے تھے، اس کی دھواں دھار انٹری سب کو ہی پریشان کرگئی تھی اور جو اس نے کہا ان سب کے حیرت سے منہ کھل گئے تھے۔
''دادا ابو! میں نے علی شیر سے شادی نہیں کرنی ہے، آپ یہ منگنی ختم کردیں۔''
علی شیر نے ایک نظر روتی ہوئی زارا کو دیکھ کر ان دونوں کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کی جانب دیکھا تھا اور لب بھینچ لئے تھے۔
''یہ کیا بکواس ہے زارا؟''
زارا کی مما نہایت ناپسندیدگی سے کہہ اٹھی تھیں، مگر وہ اب کے کچھ نہ بولی اور دوڑ کر دادی تک گئی اور گھٹنوں پر سر رکھ کر ان کے قدموں کے پاس ہی کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ اچھا خاصا خوشگوار ماحول کشیدہ ہوگیا تھا وہ تو روئے جارہی تھی، علی خان نے ان دونوں سے کہا تھا کہ وہ سب کچھ بتادیں اور ان سے پہلے ہی علی شیر بول اٹھا اور ساری تفصیل بتاڈالی، تفصیل ایسی تھی کہ سب ہی سکون سے مسکرائے تھے۔
''کب عقل آئے گی اس لڑکی کو؟ مذاق تک نہیں سمجھتی''۔
دادی ماں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا تھا۔
''دادی امی! یہ مذاق نہیں ہے علی شیر نے خود کہا ہے آپ کو پھر بھی نہیں یقین تو آپ ان کا بریف کیس چیک کرلیں۔''
وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی تھی۔
''چلو برخوردار اپنا بریف کیس چیک کرواؤ۔''
علی شیر باپ کے مسکرا کر کہنے پر گڑبڑا گیا تھا۔
''بابا جانی! آپ سب بھی کس کی باتوں میں آرہے ہیں۔''
وہ رو رو کر گلابی ہوجانے والی زارا کو دیکھ کر جان چھڑانے والے انداز میں بولا تھا۔
''دیکھا دادی امی! اس میں لڑکیوں کی تصاویر ہیں جبھی تو یہ ایسے کہہ رہے ہیں۔''
وہ دادی کی طرف مڑ کر رونا شروع ہوچکی تھی دادا ابو نے بھی وہی بات دہرائی تو اسے نہ چار اپنا بریف کیس سائیڈ سے اٹھا کر دادا کی طرف بڑھانا پڑا اور علی خان نے فارا سے کہا کہ وہ زارا کو دے دے کہ بریف کیس کھول کر تلاشی وہی لے گی، پہلے تو وہ انکاری ہوئی مگر دادی کے کہنے پر کانپتے ہاتھوں سے کھولنے لگی، اس کے ہاتھوں کی لرزش دیکھ کر وہ سب ہی مسکرا رہے تھے، اس نے فائلز باہر نکالی تھیں اور دھک سے رہ گئی تھی کہ سارے پیپرز باہر آنے کے بعد اب اسے ایک تصویر صاف رکھی نظر آرہی تھی، اس کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو گرے تھے اس نے نظر اٹھا کر ان سب کو ہی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا، جیسے تصویر کے نکلنے میں ان سب کا ہاتھ ہو، آخری نگاہ سنجیدہ بیٹھے اس ہینڈسم سے شخص پر ڈالی تھی، جو اس کی پہلی محبت دل کا قرار تھا، اس کی نگاہوں میں اٹکے موتی اور شکوے ویسے ہی دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا، کہ وہ بے وقوف سی جذباتی لڑکی اسے بے حد عزیز تھی، اسی لئے تو اس نے دادا سے کہہ کر اسے اپنے نام کروالیا تھا۔ اس نے الٹی پڑی تصویر اٹھائی، مگر سیدھا کرکے دیکھنے کی اس کی ہمت نہ ہوئی تو پشت اپنی طرف رکھ کر فرنٹ سے سب کے سامنے لہرادی، جس پر نگاہ پڑتے ہی دبی دبی سی ہنسی کمرے میں ہلچل سی مچا گئی اور سب بڑوں کی معنی خیز نگاہیں خود پر جمی محسوس کرتے ہوئے علی شیر بری طرح جھینپ گیا تھا۔
''اب تو آپ سب کو یقین آیا ناں کہ میں غلط نہیں کہہ رہی تھی، علی شیر کے بریف کیس میں لڑکی کی تصویر ہے۔''
وہ اب اور شدتوں سے رو رہی تھی۔
''آ گیا یقین مگر تم بھی یقین کرلو، ایک نظر تصویر کو

دیکھ تو لو۔"

علی شیر کی مما شرارت سے بولی تھیں۔

"آپ تو علی شیر کا ہی ساتھ دیں گی ناں کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں، مگر آپ تو مجھے بھی بچپن سے کہتی ہیں کہ میں آپ کی بیٹی ہوں، میرے ساتھ آپ دشمنی کیوں نکال رہی ہیں؟ آپ سے چچی امی اب بات نہیں کروں گی اور یہ تصویر تو میں نے دیکھنی ہی نہیں ہے۔"

وہ تصویر دور اچھالتی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ سب کی نظریں محسوس کر کے وہ جانے کو کھڑا ہوا تھا کہ علی خان نے اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کر دیا اور مسکراتے ہوئے نیا فیصلہ صادر کر دیا کہ اگلے مہینے کی گیارہ کو علی شیر اور زارا کا نکاح ہوگا اور ساتھ ہی فارا اور علی گل کی شادی ہوگی۔ وہ مسرور سا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، اس کا سب نے ریکارڈ لگایا ہوا تھا، جبکہ اس نے رو رو کر حشر کیا ہوا تھا کہ سب جانتے ہوئے بھی وہ سب اس کی شادی علی شیر سے کیسے کر سکتے تھے۔ مگر اس کی تسلی کروائے بناء گھر میں شادی اور نکاح کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ علی خان کے دو بیٹے علی نواز اور علی وارث تھے اور ایک بیٹی نوریہ تھی، علی نور کے دو بچے علی گل اور زارا تھے، جبکہ علی وارث کے دو بچے علی شیر اور فارا تھے۔ جبکہ نوریہ کی ایک ہی بیٹی سارا تھی۔ علی گل نے ایم بی اے کیا تھا مزاج کا تیز تھا اس لئے اکثر گھر والوں سے ناراض ہو کر لاہور اپنی اکلوتی پھپھو کے ہاں چلا جاتا تھا۔ علی شیر بھی بی اے کرنے کے بعد باپ دادا کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹا رہا تھا، فارا اور سارا ہم عمر تھیں دونوں نے انگلش لٹریچر میں ماسٹر کیا تھا، جبکہ گھر بھر کی سب سے چھوٹی زارا نے محض انٹر ہی کیا تھا، ایکسٹرا ایموشنل اور بے وقوف سی زارا، علی شیر کے دل میں بستی تھی اور کب علی شیر اس کی محبت بنا وہ جان نہیں سکی تھی، مگر سب جان گئے تھے کہ سارا اور فارا اکثر اسے بے وقوف بنائی رہتی تھیں اور وہ ان کی باتوں میں آ کر کبھی علی شیر کے لئے چائنیز بنا رہی ہوتی اور کبھی کافی اور جوسز اور یوں ان دونوں کے بھی مزے ہو جاتے تھے کہ سارا شروع سے ہی نانا کے گھر زیادہ رہتی تھی اور ماسٹرز کے بعد سے تو اس کا مستقل قیام "علی ولاز" میں تھا۔ سارا کی منگنی اس کے تایا کے بیٹے سے ہو گئی تھی اور اسی سال شادی متوقع تھی، سب کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے بھائی کو کال ملائی تھی اور دادا سے خفا علی گل بہن کے رونے کی تاب نہ لاتے ہوئے اگلے سات گھنٹوں میں کراچی واپس آ گیا تھا، جبکہ اسے زارا کی کہی کسی بات پر یقین نہ تھا کہ وہ تو خود اپنے کزن اپنے یار علی شیر کے دل کے رازوں کا امین تھا اور اسی لئے سیدھا اس کے کمرے میں پہنچا تھا اور اس نے ہنستے ہوئے ساری تفصیل کیا بتائی علی گل بھی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

"خوش قسمت ہے تو کہ تجھے اتنی پیاری معصوم سی لڑکی جیون ساتھی کے روپ میں مل رہی ہے، جو من کی سچی ہے جس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں۔"

وہ نرمی سے بولا تھا کہ اسے اپنی بہن بہت عزیز تھی کہ وہ تھی ہی اتنی پیاری و سیدھی کہ کسی کو بھی اس پر پیار آ جائے، ایسے ہی تو اس میں آمنہ خان اور علی خان کی جان بند نہ تھی۔

"اوہو...... ٹھیک کہا تو نے مگر زارا بہت بے وقوف ہے یار! دادا ابو اور تایا ابو وغیرہ نے میرا کتنا مذاق بنایا ہے۔"

اس نے ہمدردیاں پا کر منہ بنا لیا تھا۔

"ہاں تجھے کیا ضرورت تھی کہ تو نے زارا سے وہ بکواس کی اور بریف کیس میں اس کی تصویر رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ اسے چھیڑ رہا تھا اور وہ کھسیاہٹ مٹانے کو ہنس دیا تھا۔

☆......☆......☆

"مریضہ خطرے سے باہر ہیں، آپ لوگ چاہیں تو مل سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر کے چند الفاظ ان سب میں خوشی و اطمینان کی لہر دوڑا گئے تھے اور وہ سب اسی خوشی و اطمینان کے ساتھ پرائیویٹ روم کی طرف بڑھ رہے تھے، مگر رک جانا پڑا تھا کہ سب سے آگے کھڑے علی شیر نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے اور وہ ہر بات کو ان سنا کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تھا۔

"وہ دکھ و غصہ کی سی کیفیت میں ہے، اس لئے اسے جانے دو۔"

علی خان نے باہر کی طرف بڑھتے بیٹے کو روکا تھا۔

"وہ زارا سے بہت محبت کرتا ہے، زارا کی بے وقوفی اور اتنے بڑے قدم نے اسے ڈسٹرب کر دیا ہے، اسے کچھ وقت دینا ہوگا۔"

دادا جان نہایت نرمی سے بولے تھے۔ آج علی گل کی فارا سے اور علی شیر کی زارا سے شادی تھی کہ بات تو نکاح کی ہوئی تھی، مگر علی شیر نے دادا ابو کو رخصتی کے لئے بھی منا لیا تھا، مگر ان سب کو ہی امید نہ تھی کہ زارا اپنی بات کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر ان سب سے اتنی بدگمان ہو جائے گی، کہ خودکشی جیسے فعل کو انجام دینے سے بھی نہ ڈرے گی، مگر وہ سب ڈر گئے تھے کہ ان سب کی اس میں جان بند تھی، سیج سے اٹھا کر ہاسپٹل لاتے اور بھاگ دوڑ کرنے تک سب سے زیادہ سولی پر جان اسی کی لٹکی ہوئی تھی اسے کھونے کا خوف قطرہ قطرہ اس کے وجود میں گرتا اس کا لہو پانی کرتا جا رہا تھا اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا، اور اس کی جانب سے تسلی پا کر مگر وہ ٹھہرا نہ تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ اگر زارا کے سامنے گیا تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ جائیں گے اس لئے وہ ایک جھلک اس کی دیکھنے کی آرزو لئے ہی ہاسپٹل سے نکل آیا تھا کہ اطمینان ملا تھا تو اس کی بے وقوفی کا خیال اس کے وجود میں اشتعال کی لہریں سی دوڑانے لگا تھا۔ ان سب نے زارا سے کچھ نہ کہا تھا، اس کی حالت محض سنبھلی تھی وہ مکمل صحت یاب نہ ہوئی تھی، اس لئے سب اس کی دل جوئی میں لگے تھے اور وہ تین دن بعد ہاسپٹل سے گھر آ گئی تھی اور ان تین دنوں میں علی شیر ایک دفعہ بھی ہاسپٹل نہیں گیا تھا وہ گھر آئی ہی کہ اپنے کمرے میں جاتی کہ آمنہ خان نے اسے یاد دلایا تھا کہ اس کا کمرہ بدل گیا ہے اس گھر میں اس کی حیثیت بدل گئی ہے۔

اس نے دادی کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"آنکھیں کھول کر حقیقت کو دیکھنا اور پرکھنا سیکھو زارا، کہ جو تم دیکھتی اور سمجھتی رہیں اس میں ذرا سچائی نہ تھی۔"

زارا کی مما نہایت ناراضی سے بولی تھیں۔

"حقیقت تو آپ سب کے سامنے تھی مما، لیکن آپ سب نے حقیقت سے بہت خوبصورتی سے نظر چرائی اور سب کچھ جانتے بوجھتے میری علی شیر سے شادی کر دی جبکہ شیر کو مجھ سے شادی ہی نہیں کرنی تھی، میں ان کی محبت نہیں ہوں۔ میں آپ سب کے لئے اتنی ہی ناقابل برداشت ہوں تو کیوں بچایا مجھے، مر جانے دیا ہوتا۔"

وہ سسکنے لگی تھی۔ "حد ہوتی ہے بدگمانی کی بھی زارا۔"

مما نے ناگواری سے اسے دیکھا اور اسی وقت ان کی نگاہ ضبط سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ کھڑے علی شیر پر پڑی تھی اس کے چہرے نے صاف بتا دیا تھا کہ وہ گفتگو سن چکا ہے اور ان سب کے کچھ بھی سمجھنے سے پہلے علی شیر آگے بڑھا اور عین زارا کے سامنے آن رکا۔

"ابھی بھی کچھ کب بگڑا ہے ایک کوشش ناکام گئی دوبارہ کر کے دیکھ لو شاید کہ کامیاب ہو جاؤ۔" اس کا لہجہ نہایت سرد تھا۔

"ہاں، آپ تو چاہتے ہی یہی ہیں ناں کہ میں مر جاؤں، تاکہ آپ اس بریف کیس والی لڑکی کو لے آئیں۔"

وہ سرخ آنکھوں میں نادانی وشکوے سمیٹے اس کو دیکھنے لگی تھی۔

"دادی ماں، سمجھالیں اسے، کہ اگر اب اس نے کوئی بکواس کی یا پھر کوئی احمقانہ حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں خود اسے جان سے ماردوں گا۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو اسے بے بس کر گئے تھے اور وہ جھنجھلا کر دادی کی طرف گھوما تھا اس کے بے بس سے انداز میں چھلکتی زارا کے لئے محبت اور پرواہ ان کے لبوں پر آسودہ سی مسکان کھلا گئی تھی۔

"تمہاری بیوی ہے چاہے جو سلوک کرو ہم کون ہوتے ہیں درمیان میں کچھ بولنے والے۔"

وہ صوفے سے اٹھ گئی تھیں سب ہی ان کا اشارہ سمجھ گئے تھے اور آگے پیچھے لاؤنج سے نکلنے لگے تھے وہ بھی آگے بڑھی ہی تھی کہ وہ اس کی کلائی تھام گیا تھا اور وہ اسے چھڑانے میں ناکام ہوتی اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی تھی اور اس نے کمرے میں لاکر اس کی کلائی آزاد کردی تھی۔

"دل میں تو آرہی ہے کہ مار مار کر تمہاری عقل ٹھکانے لگادوں مگر کیا کروں کہ اپنے دل سے مجبور ہوں ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکیوں میں سے دل جس پر آیا نہ صورت ڈھنگ کی اور نہ ہی عقل دماغ میں لگتا ہے بھوسا بھرا ہے۔"

وہ اس کو روتے دیکھ کر نان اسٹاپ شروع ہوا تھا اور الماری کی طرف بڑھ گیا تھا اس میں سے کچھ چیزیں نکالی تھیں۔

"رونا بند کرو اور آنکھیں کھول کر عقل سے سب دیکھو اور سمجھو لو۔" سارا سامان بیڈ پر ڈالتا اسے بیڈ تک لایا تھا۔

"یہ وہ گفٹ ہیں جو تم نے مجھے میری مختلف کامیابیوں اور خوشی کے موقع پر دیئے تھے۔"

وہ بیڈ پر بکھرے ٹیڈی بیئرز، شرٹس، ٹائی وغیرہ کو دیکھ کر پہچان گئی تھی اور اب اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ میری ڈائری ہے جس میں اس لڑکی کے بارے میں لکھا ہے جس سے میں نے بے پناہ محبت کی ہے اور یہ رہی وہ تصویر جس نے تمہیں مجھ سے بدگمان کردیا تھا۔"

اس نے تصویر کا رخ اس کے سامنے کیا تو اس کی حیرت سے پوری آنکھیں کھل گئیں۔

"یہ، یہ تو میری تصویر ہے۔"

وہ ہکلائی تھی وہ مسکرادیا تھا۔

"نہیں یہ اس لڑکی کی تصویر ہے جس سے میں نے بے تحاشہ محبت کی اور جسے میرے گھر والوں نے مل کر میرا بنادیا۔" وہ اس کی بے یقینی کو انجوائے کرتا کہہ رہا تھا۔

"یہ، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ شش وپنج میں گھرتی بے یقینی وناسمجھی سے بولی تھی۔

"اس دن تم نے میرے چھوٹے سے مذاق کو اتنا سیریس لیا کہ سب گھر والوں کو بھی رو رو کر بتادیا اور بریف کیس سے جب تصویر نکالی خود دیکھنے کی زحمت نہ کی اور باقی گھر والوں کو دکھادی جب تصویر تمہاری تھی تو گھر والے تمہارے واویلے پر کیسے کان دھرتے؟ میری خواہش وخوشی کے مطابق تم سے شادی کردی۔"

وہ اب اس کی بے وقوفی کا مذاق بنارہا تھا ذرا سا غور کرنے پر ہر بات اس پر منکشف ہوگئی تھی کہ اب سمجھ آیا تھا کہ گھر کا کوئی بھی فرد اس کی کیوں نہیں سن رہا تھا یہاں تک کہ علی گل نے بھی علی شیر کی ہی حمایت کی تھی۔

"آپ سب لوگوں نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا۔" وہ رو رہی تھی۔

"بے وقوف کو کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا۔"

اس کے سامنے رکا تھا آنسو پونچھنے کو ہاتھ بڑھایا تھا۔

"شٹ اپ آپ سب نے مل کر مجھے دھوکا دیا، میں کتنی تکلیف میں تھی مگر کسی نے بھی میری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہ کی، میری حالت سے آپ سب حظ اٹھاتے رہے۔" وہ بدک کر فاصلے پر ہوتی شدتوں سے رو رہی تھی۔

"ہر بات تمہارے سامنے تھی تم ہی دیکھنے، سمجھنے کو تیار نہ تھیں، عقل ہوتی تو سوچتیں ناں کہ کسی لڑکی کی تصویر دیکھ کر سب میری شادی تم سے کیسے کرسکتے تھے کہ تائی امی اور تایا ابو کی تم سوتیلی بیٹی تو تھیں نہیں کہ کسی بھی لڑکے سے تمہاری شادی کرکے اپنی جان چھڑاتے۔" مسکرا کر بولا تھا۔

"کچھ بھی ہے آپ کا ساتھ دے کر سب نے میرے ساتھ تو سوتیلوں والا ہی سلوک کیا ہے ناں، اگر اس رات مجھے کچھ ہوجاتا تو؟" وہ سوں سوں کرتی اپنے خودکشی کے اقدام کی جانب اشارہ کرگئی تھی۔ "او ہوں، تمہارے اس قدم نے ہم سب کو ہی ہلادیا تھا، تمہاری بے وقوفی سے واقف تھے مگر اندازہ نہ تھا تم اتنا انتہائی قدم اٹھالو گی کہ ہم سب تو محض تمہیں ستا رہے تھے، میں چاہتا تھا کہ تم سچ اور جھوٹ کو خود سے پہچانو، میرے مذاق کو سمجھو، میری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ لو، مگر تم مجھ سے ہی نہیں تمام گھر والوں سے اتنا بدگمان ہوئیں کہ خودکشی کی کوشش تک کرڈالی۔" وہ اداس ہوگیا تھا۔ "میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں علی شیر، مگر کبھی آپ نے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہی نہیں کہ آپ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں، آپ کی محبت میں جو بے وقوفیاں کیں اس پر آپ مجھے ڈانٹتے رہے آپ کی ہر ڈانٹ مجھے احساس دلاتی رہی کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں اور میں یہ آپ کا مذاق سمجھ نہ سکی مگر کسی نے بھی میری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہ کی۔" وہ اس کے کندھے سے لگی بری طرح سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"رئیلی سوری، ہم سب تو تمہیں ستا رہے تھے مگر جب تم نے انتہائی قدم اٹھایا تب ہمیں احساس ہوا کہ ہم سب کتنا غلط تھے ہم نے اچھی بھلی آسان خوشگوار زندگی کو مشکل بنا کر پریشانیوں کے حوالے کردیا تھا۔" وہ اس کو خود سے لگائے سنجیدگی سے اپنی غلطی کا اعتراف کرگیا تھا۔ "اسلام میں جھوٹ کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ مذاق میں بھی بولا جانے والا معمولی سا جھوٹ کس قدر شر انگیزیاں پھیلاتا ہے ہمیں خوب اندازہ ہوگیا ہے کہ تم ہمارے مذاق کے ہاتھوں بے وقوف بنتیں ایک حرام فعل تک جاپہنچی تھیں، تم مجھے، ہم سب کو معاف کردو کہ ہم نے تمہیں جانے انجانے میں تکلیف دی۔" وہ جاگ جانے والے احساس کے سبب احساس جرم کے ساتھ بول رہا تھا۔ "نہیں علی شیر، بڑی غلطی آپ کی نہیں ہے اس سے کئی گنا بڑی غلطی میری ہے کہ میں سچ اور جھوٹ کا امتیاز نہ کرپائی اور اتنا بڑا اقدام اٹھایا جبکہ جانتی ہوں کہ خودکشی حرام ہے اگر میری کوشش کامیاب ہوجاتی تو صرف جہنم ہی میرا ٹھکانہ ہوتا۔ اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے مجھے حرام فعل سے بچالیا۔" وہ احساس ندامت میں گھر چکی تھی۔ ان دونوں کو احساس ہوگیا تھا کہ وہ دونوں ہی غلط تھے کہ اس نے مذاق کرکے زندگی کو مذاق بنادیا تھا، اور وہ بدگمانی کے سایئے میں چلتی کھائی کے منہ تک جاپہنچی تھی مگر گری نہ تھی سنبھل گئی تھی۔ زندگی مذاق نہیں ہوتی اس لئے دوسروں کی اور اپنی زندگی سے کھیلنا چھوڑ دیں کہ زندگی ایک نعمت ہے اور نعمتوں کی دل سے قدر کرتے ہوئے حفاظت کرنی چاہئے کہ مذاق مذاق میں اپنے روٹھ جاتے ہیں مگر اسی مذاق کے چلتے زندگی روٹھ جائے تو کچھ نہیں بچتا کہ اپنے تو مان جاتے ہیں لیکن زندگی ایک دفعہ روٹھے تو پھر روٹھ ہی جاتی ہے اس لئے کبھی کچھ ایسا نہ کریں کہ آپ کے اپنے آپ سے روٹھ کر زندگی سے ہی روٹھ جائیں۔

......☆......



نائمہ غزل

افسانہ

دوہرا معیار

عجیب اجاڑ اور بیزار سے دن تھے گرمیوں کی دوپہر میں جلتے سورج کا آگ برسانا کچھ عجیب نہیں لائٹ جانے کے بعد ایسا لگنے لگتا جیسے قدرتی ہوا بھی بند ہوگئی ہو گھر کے اندر ایک حبس کا عالم تھا ایسے میں میرے دل میں جانے کیا سمائی کہ امی کے گھر کے لئے نکل کھڑی ہوئی شوہر نامدار آفس گئے ہوئے تھے اور بچے اسکول کی طرف سے پکنک پر گئے ہوئے تھے میں نے عامر (شوہر) کو فون پر امی کے گھر جانے کا بتایا اور کہا کہ واپسی پر مجھے وہاں سے پک کرلیں۔

''اف......آج کتنی گرمی ہے''۔ دروازہ کھلتے ہی میں نے امی سے کہا اور ان کے ساتھ چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی اے سی کی ٹھنڈک میں کچھ سکون ملا۔

''آپ لوگوں کی طرف لائٹ کی ٹائمنگ الگ ہے' ہماری طرف تو ٹائمنگ ایسی ہے کہ لگتا ہے دن بھر لائٹ ہی نہیں رہتی''۔ میں نے منہ بناتے ہوئے کہا تو امی مسکرادیں۔

''تم بیٹھو میں تمہارے لئے شربت بنا کر لاتی ہوں''۔ امی نے مجھ سے کہا تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''آپ بیٹھیں یہاں میں خود بنالیتی ہوں' میرا اپنا گھر ہے''۔ میں نے ان سے کہا اور شربت بنانے کے لئے کچن میں آ گئی چینی گھول کر روح افزا کی بوتل کی تلاش میں نظریں گھمائیں تو وہ ندارد تھی میں نے کیبنٹ کھول کھول کر دیکھے مگر کہیں نظر نہیں آئی۔

''امی! روح افزا کی بوتل کہاں ہے......؟'' میں نے کچن سے ہی پکار لگائی۔

''فریج میں ہوگی بیٹا دیکھو لو فریحہ وہیں رکھتی ہے''۔ امی نے بتاتے ہوئے بھابی کا نام لیا میں نے اچھا کہہ کر فریج کا دروازہ کھولا۔

''آہا آم!'' فریج کے اندر نظر ڈالتے ہی آموں پر نظر پڑی تو میں نے دو بڑے بڑے آم نکال لئے اتنے دنوں سے عامر سے کہہ رہی تھی کہ آم آ گئے ہیں کسی دن آفس سے واپسی پر لیتے ہوئے آئیں مگر انہیں یاد ہی نہیں رہتا تھا' انہیں آموں سے کچھ خاص شغف نہیں تھا' اگر کسی دن کھا بھی لیتے تو کھانے کے بعد اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر ٹالکم پاؤڈر کو اچھی طرح ہاتھوں' چہرے اور گردن پر لگاتے اس حرکت پر میں ان کا اچھا خاصا ریکارڈ لگایا کرتی تھی مگر وہ مجبور تھے انہیں شدید چپچپاہٹ کا احساس ہوتا تھا کم کھاتے تھے مگر میرے لئے ضرور لے آتے تھے' مگر اس بار ابھی تک نہیں لا پائے تھے سو ان آموں کو دیکھ کر میرا للچانا بالکل بجا تھا' شربت بنانے کے ساتھ ساتھ میں نے آموں کی قاشیں بھی کاٹ لیں دو آموں نے پوری پلیٹ کو بھر دیا تھا اچانک کھٹکے پر میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو فریحہ بھابی کچن کے دروازے پر کھڑی تھیں۔

''تم کب آئیں......؟'' انہوں نے آموں

سے بھری پلیٹ اور شربت سے بھرے جگ کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''بس ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی''۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی آئیں نا ہمارے ساتھ''۔ میں نے انہیں بھی اپنے ساتھ آنے کی پیشکش کی۔

''نہیں تم کھاؤ''۔ ان کا لہجہ کافی عجیب سا تھا' انہیں کیا ہوا میں یہ سوچتے ہوئے کچن سے باہر نکل آئی۔

''اوہ......گلاس تو رہ ہی گیا''۔ پلیٹ اور جگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے مجھے دھیان آیا۔

''میں لے کر آتی ہوں''۔ امی نے مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ بیٹھیں میں خود لے کر آتی ہوں''۔ میں نے انہیں کندھوں سے تھام کر دوبارہ بٹھاتے ہوئے کہا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

''ایسا لگتا ہے کبھی کچھ کھایا' پیا ہی نہ ہو' غضب خدا کا پلیٹ یوں بھری ہوئی تھی جیسے آج سے پہلے آم دیکھے ہی نہ ہوں اور یہ روح افزا کی بوتل اتنی ساری انڈیل دی' جیسے پتہ ہی نہ ہو شربت کیسے بنتا ہے' اپنے گھر تو ایسے بناتی ہے جیسے بوتل سال بھر چلانی ہو اور یہاں......'' میں کچن کے دروازے پر پہنچی تو بھابی کی آواز بڑبڑاہٹوں کی صورت میری سماعتوں میں زہر گھول گئی' میں سن سی ہو کر وہیں کھڑی رہ گئی۔ یہ وہی بھابی تھیں جو اس کی آمد پر پھولے نہیں سماتی تھیں اور کھانے پینے کے سامان سے میزیں بھر دیا کرتی تھیں' تصویر کا دوسرا رخ بہت بھیانک شکل میں سامنے تھا' مانا کہ روح افزا میں نے تھوڑا زیادہ ڈال دیا تھا اور آم بھی کچھ زیادہ تھے مگر یہ سب اگر بھابی کرتیں تو بھی کچھ مختلف نہ ہوتا' بلکہ شاید ان چیزوں میں ایک دو آئٹم کا اضافہ ہی ہوتا اور شربت وہ خود بھی اس کے لئے ایسا ہی بناتی تھیں یہ کہتے ہوئے کہ مجھے پتہ ہے تمہیں زیادہ روح افزا والا شربت پسند ہے' مگر اس وقت یہ سب اس انداز میں سننا میرے لئے خاصا غیر متوقع تھا میں وہیں سے واپس پلٹ گئی۔

''کیا ہوا......؟'' امی نے میرے خالی ہاتھوں کو دیکھا تو پوچھا۔

''وہ میں......'' مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا میں جلدی جلدی چہرا گھما کر پلکیں جھپکنے لگی۔ اپنے تئیں میں ان سے اپنی آنکھوں کی نمی چھپانے کی اپنی سی کوشش کر رہی تھی مگر وہ ماں تھیں فوراً بھانپ گئیں۔

''کچھ بتاؤ گی......؟'' امی کے پوچھنے پر میں سوچ میں پڑ گئی کہ آیا انہیں بتاؤں یا نہیں گو کہ وہ ایک سمجھدار اور معاملہ فہم خاتون تھیں مگر اولاد کے معاملے میں ماں کچھ جذباتی ہو جاتی ہے۔

''وریشہ بیٹا! جو بھی بات ہے مجھے بتاؤ''۔ امی نے مجھے سوچ میں گم دیکھ کر دوبارہ سے پوچھا تو میں نے روتے ہوئے سارا قصہ ان کے گوش گزار کر دیا۔

''امی! بھابی ایسی تو نہیں تھیں' پھر آج انہیں کیا ہو گیا''۔ میں نے رنجیدہ لہجے میں کہا امی میری بات سن کر تھوڑی دیر میرے چہرے کو دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں' مجھے بہت افسوس ہوا کہ شاید آج میری وجہ سے بھابی اور امی کے حالات کشیدہ ہونے والے تھے' مجھے بہت عجیب لگ رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی اب امی اور بھابی کے چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں کہ تب لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھوڑی دیر بعد جب امی دوبارہ ڈرائنگ روم میں آئیں تو ان کے ہاتھ میں کانچ کا گلاس تھا۔ وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور شربت کا گلاس بھر کر میری جانب بڑھایا۔

''پیو......'' میں گلاس کو پرے کرنے لگی تو انہوں نے زبردستی میرے ہاتھوں میں تھما دیا۔

میں شاکی نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی تو انہوں نے میرا گلاس والا ہاتھ پکڑ کر زبردستی میرے لبوں سے لگایا' میں نے چند گھونٹ بھر کر گلاس واپس میز پر رکھ دیا۔

''ایک بات بتاؤ وریشہ بیٹے''۔ امی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہنا شروع کیا۔

''جب تمہاری نندیں آتی ہیں تب تم کیا کرتی ہو''۔ میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی کہ آخر میری نندوں کا یہاں کیا ذکر مگر امی کی سوال کرتی نگاہوں پر نظر پڑی تو کہا۔

''میں اچھی طرح سے ان کی خاطر تواضع کرتی ہوں تا کہ انہیں یا عامر کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو''۔ میں نے نا سمجھی کے انداز میں ان کے چہرے کو دیکھا۔

''ہم''۔ امی نے ہنکارا بھرا اور کہنے لگیں۔

''اور جب وہ لوگ واپس جاتی ہیں تو تم اپنی خوشی سے تحفے تحائف بھی دیتی دلاتی ہو جبکہ میں نے دیکھا ہے کہ عامران سب کو فضولیات میں شمار کرتا ہے''۔

''جی امی! لیکن آپ تو جانتی ہیں ان مردوں کو کیا پتہ دنیا داری کا' یہ سب تو کاروبار زندگی ہے' اب انہیں خالی ہاتھ تو نہیں بھیجا جا سکتا نا' انہیں بھی اپنے سسرال میں منہ دکھانا ہوتا ہے اور ظاہر ہے عامران کے اکلوتے بھائی ہیں تو ہمیں ہی سب کرنا ہے آخر کو بھائی بہنوں کا مان ہوتے ہیں''۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اس لمحے مجھے اپنے اندر کافی فخر و غرور کا احساس ہو رہا تھا کہ میں اپنی نندوں کا کتنا مان رکھتی ہوں۔

''ہم......'' امی نے پرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا اور کچھ توقف کے بعد کہنے لگیں۔

''لیکن یاد ہے پچھلی بار جب تمہاری نند آ کر گئی تھی تو تم نے میرے پاس آ کر کیا کہا تھا......؟'' امی نے میرے چہرے کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تو میں سوچ میں گم ہو گئی مجھے سب اچھی طرح سے یاد تھا' پچھلی بار جب صالحہ آپی آئیں تو انہوں نے ساری شاپنگ عامر کے ساتھ جا کر اکیلے اپنی پسند سے کی تھی اور میں نے اس بات پر کافی ناک بھوں بھی چڑھائی تھی اور امی کے پاس آ کر بھی شکایت کی تھی۔

''عامر کی بہنیں تو سمجھتی ہیں کہ پیسے پیڑ پر لگتے ہیں''۔ جبکہ انہوں نے کوئی خاص خریداری نہیں کی تھی وہ خود سے لیتی تو کچھ چیزیں زیادہ اور مہنگی ہی خریدتی آخر کو اپنے نام کی فکر جو رہتی تھی میں بری طرح شرمندہ ہو گئی امی نے میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''تو وریشہ بیٹا! بات یہ ہے کہ انسان اپنی راجدھانی میں کسی کی ذرا سی بھی دخل اندازی برداشت نہیں کرتا''۔ امی کہہ رہی تھیں اور میں شرمندگی سے سوچ رہی تھی کہ واقعی ہم انسانوں کے قول و فعل میں کتنا تضاد ہوتا ہے' کیا تھا جو صالحہ آپی نے اپنی مرضی و خوشی سے شاپنگ کر لی تھی کتنا مان تھا انہیں مجھ پر کہ مجھے ذرا بھی برا نہیں لگے گا اور جو کام میں اپنی خوشی سے کرتی تھی اگر وہی کام انہوں نے اپنی مرضی سے کر لیا تو اس میں بھی کیا برائی تھی' آخر کو وہ چیزیں استعمال بھی تو انہیں ہی کرنی تھیں امی کی بات نے میرے اندر سوچ کا ایک نیا در وا کر دیا تھا اور اب بھابی بھی مجھے اپنی جگہ غلط نہیں لگ رہی تھیں اور امی کے پیچھے آئی فریحہ بھابی دروازے کی اوٹ میں شرمندہ سی کھڑی تھیں امی کی باتوں سے انہیں بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا وہ ندامت میں گھری دروازے سے ہی واپس پلٹ گئی تھیں انہیں اپنی نند کی خاطر تواضع کا اہتمام بھی تو کرنا تھا۔

☆......☆☆......☆

ردا کی ڈائری

اسماء جمشید کی ڈائری سے

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی نظم

عید حیران ہے
عید مہندی کا' خوشیوں کا
رنگوں کا' خوشبوں کا
اور کانچ کی چوڑیوں کی کھنک
میں بسی آرزوؤں کا اک نام ہے
عید انعام ہے
عید امید ہے
عید تجدید ہے
عید جیسے کوئی روشنی کی کرن
ایک وعدے' کہانی' فسانے کی
ہجر موسم میں لپٹے ہوئے وصل کے دکھ کی تمہید ہے
عید امید ہے
ایک گھر میں تو خوشیوں کا سامان ہے
ایک گھر میں مگر دکھ کا طوفان ہے
عید حیران ہے
عید ہیرا نہیں' عید موتی نہیں
عید ہنستی نہیں' عید روتی نہیں
ایک آنگن کہیں کوئی ایسا بھی ہے
جس میں شہزادی صدیوں سے سوتی نہیں
شہزادے کی جب دید ہوتی نہیں
عید کے دن بھی پھر عید ہوتی نہیں

عائشہ سجاد کی ڈائری سے

نقاش کاظمی کا کلام

یہ خبر سن کے فلک پر ہے عیاں عید کا چاند
دل کی شاخ پر کئی درد کے تارے چمکے
ہم نے دیکھا تو اُفق پر تھا سمندر کا سکوت
ہاں تیرے ساتھ جو گزرے وہ نظارے چمکے
پھر نئی صبح کی آمد کا خیال آتے ہی
ہر رگ و پے میں امنگوں کے شرارے چمکے
دھڑکنوں نے یہ خبر دی ہے کہ دونوں جانب
دور ہی دور سے آنکھوں کے کنارے چمکے
وہ جو شاعر تیرا بیمار بھی دلگیر بھی ہے
عید کے دن تیری قسمت کے سہارے چمکے

سیما ناصر کی ڈائری سے

وصی شاہ کی نظم

میں ہوں تیرا خیال ہے اور چاند رات ہے
دل درد سے نڈھال ہے اور چاند رات ہے
آنکھوں میں چبھ گئی ہیں تیری یادوں کی کرچیاں
کاندھوں پہ غم کی شال ہے اور چاند رات ہے
دل توڑ کے خموش نظاروں کا کیا ملا
شبنم کا یہ سوال ہے اور چاند رات ہے
پھر تتلیاں سی اُڑنے لگیں دشتِ خواب میں
پھر خواہش وصال ہے اور چاند رات ہے
چھلکا سا پڑ رہا ہے وصی وحشتوں کا رنگ
ہر چیز پہ زوال ہے اور چاند رات ہے

کرن ناز کی ڈائری سے

زبیر جمال کی نظم

سوچتی ہوں میں آج بھی اکثر
آؤں کیسے میں تیرے پاس اُڑ کر
تیری یادیں رلاتی رہتی ہیں
شور مجھ میں مچاتی رہتی ہیں
دل بھی زخمی ہے آنکھ جل تھل ہے
جسم کیا روح میری گھائل ہے
چاند بھی ماں اداس لگتا ہے
پہلے جیسا کہاں چمکتا ہے
سارا منظر بدل گیا ہے ماں
دل پہ خنجر سا چل گیا ہے ماں
بعد تیرے نہ پھر خوشی آئی
کب لبوں پہ میرے ہنسی آئی
دل میرا اب یہاں نہیں لگتا
کوئی موسم ہو اب نہیں جچتا
ماں تجھے ڈھونڈوں کہاں......؟

شبانہ زبیر کی ڈائری سے

پروین شاکر کی نظم

مجھے مت بتانا

مجھے مت بتانا
کہ تم نے مجھے چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا
تو کیوں
اور کس وجہ سے
ابھی تو تمہارے بچھڑنے کا دکھ بھی نہیں کم ہوا
ابھی تو میں
باتوں کے وعدوں کے شہر طلسمات میں
آنکھ پر خوش گمانی کی پٹی لئے
تم کو پیڑوں کے پیچھے
درختوں کے جھنڈ
اور دیواروں کی پشت پر ڈھونڈنے میں
مگن ہوں
کہیں پر تمہاری صدا اور کہیں پر
تمہاری مہک
مجھ پر ہنسنے میں مصروف ہے
ابھی تک تمہاری ہنسی پہ نبرد آزما ہوں
اور اس جنگ میں
میرا ہتھیار
اپنی وفا پر بھروسہ ہے اور کچھ نہیں
اسے کند کرنے کی کوشش نہ کرنا
مجھے مت بتانا

رابعہ افضال خان کی ڈائری سے

اعتبار ساجد کی غزل

کبھی جب زندگی میں ہو تمہیں احساس تنہائی
تو کچھ اچھی کتابوں اچھے لوگوں کی
رفاقت میں
کسی جلوت کی خلوت میں
بس اپنے دل کو بہلانا
اور اس کو اتنا سمجھانا
کہ اب ان فاصلوں کو پاٹنا مشکل ہے
جاناں
اگر یہ فاصلے مٹ بھی گئے تو
اجنبی بن کر کہیں ملنے سے کیا فائدہ
تمہیں شام جدائی اس لئے سمجھا رہا ہوں
میں
کہ جان من!
دکھی ہو کر کبھی فریاد مت کرنا
مجھے تم بھی یاد مت کرنا

اشعار

درخشاں ضیاء..................کراچی

ہر شخص اپنے چاند سے تھا محوِ گفتگو
میں چاند ڈھونڈتا رہا اور عید ہوگئی

فرزانہ شوکت..................کراچی

کیا کسی ڈوبتی کشتی کو بچایا ہم نے
یا فقط شور مچایا لب دریا ہم نے
آیئے آج گریباں میں جھانکیں اپنے
کتنا پایا ہے گلستان سے، دیا کیا ہم نے

ماورابشارت چیمہ..................وزیرآباد

لگتا ہے فسانہ محبت کا یوں اختتام ہوگا ماورا
تشنہ لب، بے چین روح، بے قرار دل، اُداس آنکھیں

سحر مبین..................فیصل آباد

وہ مجسم سحر ہیں
ہم گھائل نہ ہوتے تو کیا کرتے

مصباح مسکان رؤف..................جہلم

کوئی کسی سے دور کوئی کسی کے قریب ہوتا ہے
کوئی پاس رہ کر بھی دور کوئی دور رہ کے بھی قریب ہوتا ہے
چاہے کرو ہزار جتن کسی کو اپنا بنانے کے لیے
ملتا ہے ہر کسی کو وہ جو اس کا نصیب ہوتا ہے

فرزانہ داؤد..................کراچی

بس اک شخص ضد ہے میرے دل کی
نہ اس جیسا چاہئے نہ اس کے سوا

مدیحہ عرفان..................لاہور

زبان کا وورد ہوئے مگر دلوں میں گھر نہ ہوا
ہتھیلیوں پہ لکھے نام ہم سفر نہ ہوئے
عجب طریقہ ہے تجھ کو بھولنے کا
ہم تیری یاد سے اک پل بھی بے خبر نہ ہوئے

ارشد صدیقی..................راولپنڈی

کوئی ملا ہی نہیں جس کو وفا دیتے
ہر اک نے دھوکہ دیا کس کس کو سزا دیتے
یہ ہمارا صبر تھا کہ خاموش رہے
ورنہ داستاں سناتے تو محفل کو رلا دیتے

ارشد..................فیصل آباد

بے حس ہیں یہاں لوگ بھلا سوچ کے کرنا
اس دور میں لوگوں سے وفا سوچ کے کرنا
اک بار جو روٹھے تو منا تم نہ سکو گے
ہم جیسے وفا داروں کو خفا سوچ کے کرنا

سیما نسیم..................راولپنڈی

مکتب عشق کے آداب سے تم واقف نہیں وصی
صرف پالینا عشق نہیں فنا ہونا بھی عشق ہے

زہرہ جبیں..................کراچی

ارے سنو! اتنے بھی پیارے نہیں ہو تم
بس میری چاہت نے تمہیں سر چڑھا رکھا ہے

عارفہ..................لاہور

میری طلب تھا ایک شخص وہ جو ملا نہیں تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا کہ بھول گیا سوال بھی

نسیم..................اسلام آباد

بہت اداس ہے کوئی شخص تیرے جانے سے
ہو سکے تو لوٹ آ کسی بہانے سے
تو لاکھ خفا سہی مگر ایک بار تو دیکھ
کوئی ٹوٹ گیا ہے کس قدر تیرے جانے سے

ثاقب..................فیصل آباد

ہم ہی تھے تباہ ہونے کے لئے
اس کا ملنا تو ایک بہانہ تھا

نورینہ..................کراچی

تیز بارش میں کبھی سرد ہواؤں میں رہا
اک تیرا ذکر تھا جو میری صداؤں میں رہا
کتنے لوگوں سے میرے گہرے مراسم ہیں مگر
تیرا چہرہ ہی فقط میری دعاؤں میں رہا

عاصمہ..................اوکاڑہ

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

شازیہ..................کراچی

وجہ بتانے کی ضرورت ہی نہ رہی
ہم لہجہ بدلتے گئے وہ اجنبی ہوگئے

افشاں..................لاہور

وہ میری ہر بات سے اختلاف رکھتا تھا
چھپ چھپ کے وہ میرا طواف کرتا تھا
کہیں کوئی اور میرے قریب نہ ہو جائے
اس لئے وہ سب کو میرے خلاف رکھتا تھا

ثوبیہ یاسر..................لاڑکانہ

جو ہم سے بخت ہمارے بدل نہیں سکتے
مدار خود تو ستارے بدل نہیں سکتے
ذرا ذرا بھی جو بدلیں بہت غنیمت ہے
جو آپ سارے کے سارے بدل نہیں سکتے

عظمت..................فیصل آباد

اس بے حسی کی دنیا میں دو سوال میرے بھی
کس طرح سے جیا جائے کس کے لئے جیا جائے

رافعہ جبیں..................راولپنڈی

خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں لیکن
بچھڑیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ

ماہین..................کراچی

دشمنی تو خیر ہر صورت ہوتی ہے گناہ
اک متعین حد سے آگے دشمنی بھی جرم ہے
ہم وفائیں کر کے رکھتے ہیں وفاؤں کی امید
دوستی میں اس قدر سوداگری بھی جرم ہے

نور بانو..................کوئٹہ

کیسی کچے رنگ کی طرح شاید
اترنے لگے ہیں سب کے دلوں سے ہم

صبا سحر..................ہارون آباد

تیرے جانے کے بعد کون روکتا ہمیں
جی بھر کے خود کو برباد کیا ہم نے

☆☆......☆☆

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

ماں

نسل انسانی کا سب سے شیریں سب سے حسین اور سب سے حسین لفظ ''ماں'' ہے اور سب سے لطیف اور شیریں ترین کلمہ ''مادر من'' یا امی'' یا ''میری ماں'' ہے۔

ماں کا لفظ امید اور محبت کا مرکب ہے دل کی گہرائیوں سے پھوٹنے والا شیریں و شفیق لفظ ''ماں'' سبھی کچھ ہے۔

غم کے اندھیروں میں امید کی کرن
درد بھرے لمحوں میں تسکین کا مرہم
شب افلاس میں شعاع امید

ماں' محبت' رحم اور شفقت اور عفو کا منبع ہے' جو ماں سے محروم ہے وہ ہر مسرت سے محروم ہے یہ ایک مقدس روح ہے جو ہمیشہ شفقت و محبت کا پھول برساتی رہتی ہے' فطرت کی ہر شے ماں کی ہستی کا اظہار کرتی ہے' ماں کا لفظ ہمارے قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے اور غم ونشاط کے لمحوں میں یہ اس طرح ہمارے ہونٹوں سے پھوٹ نکلتا ہے جس طرح پھول کے سینے سے مہک پھوٹ کے شفاف اور سحابی فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

الہام وافکار۔خلیل جبران
شمائلہ ملک۔کراچی

اس ماہ کی خوبصورت بات

کوشش کیجئے' جن کے ساتھ عمر گزارنے کا سودا طے کرنا ہو ان سے دل ملیں نہ ملیں ذہن ضرور ملتے ہوں۔

دھنک ناز۔کراچی

الوداع ماہ رمضان اور میٹھی عید

چلا جاتا ہے ہر پل' تو غم نہ کر' یہی اصول قدرت ہے مسکان
دوبارہ خوشیاں یہ نصیب ہوں' چلو مل کے ہاتھ اٹھائیں دعا کے لئے

امینہ رؤف۔جہلم

اس ماہ ملکوں کی کہاوتیں

☆اجنبی خواہ کتنی بڑی آنکھیں کیوں نہ رکھتا ہو اسے وہ کچھ نظر نہیں آتا' جسے گاؤں والے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

(چینی کہاوت)

☆اپنی جھونپڑی میں کبھی اتنا اندھیرا نہیں ہوتا جتنا غیر جگہوں پر۔

(برطانوی کہاوت)

☆ کپڑے کو کاٹنے سے پہلے سات بار ناپو کیونکہ اسے کاٹنے کا موقع صرف ایک بار ہی ملتا ہے۔

(روسی کہاوت)

☆شیر کی وحشت اور بربریت دور سے نظر آتی ہے مگر انسان کی وحشت دکھائی نہیں دیتی۔

(امریکی کہاوت)

☆لکڑی کا ٹکڑا دس برس تک بھی پانی میں رہے مگر مچھ نہیں بن سکتا۔

(افریقی کہاوت)

فرزانہ شوکت۔کراچی

اس ماہ عاشق کی روداد......!

جنوری میں سرسری ملاقات ہم نے کی
فروری میں اس سے کچھ بات ہم نے کی
مارچ میں اشارے سے پیغام دیا اس نے
اپریل میں آنکھوں سے سلام کیا اس نے
مئی میں وہ آ کر آنکھوں میں بس گئی
جون میں آ کر وہ دل میں اُتر گئی
جولائی میں کھائی ہم نے جینے مرنے کی قسمیں
اگست میں توڑ دیں ہم نے زمانے کی رسمیں
ستمبر میں اچانک اس نے ملاقاتیں کم کر دیں
اکتوبر میں اس نے باتیں بند کر دیں
نومبر میں اس کی شادی کا کارڈ آیا
دسمبر میں اسے بہن کہہ کر دل کو بہلایا

ایس امتیاز احمد۔کراچی

اس ماہ کا قطعہ

بڑھ کے اوروں کی جنگ میں یارو!
اپنا حلیہ بگاڑ بیٹھے ہیں
کل جہاں کھیلتی تھیں سب خوشیاں
ہم وہ گھر ہی اُجاڑ بیٹھے ہیں

راؤ تہذیب حسین تہذیب۔رحیم یار خان

اس ماہ کے اقوال

☆عمر بھی ضمیر اور جوتے کی مانند ہے ان کی موجودگی کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ تکلیف نہ دینے لگیں۔

☆محبت اعتبار کے بغیر کچھ بھی نہیں جبکہ اعتبار محبت کے بغیر بھی بہت قیمتی ہوتا ہے۔

☆انسان جس کیفیت اور عقیدے میں جان دے گا اسی میں اٹھایا جائے گا' دعا کریں کہ وقت رخصت کلمہ نصیب ہو۔

☆شاخ پر بیٹھا پرندہ شاخ کی کمزوری یا اس کے جھولنے سے نہیں ڈرتا کیونکہ اس کو شاخ پر نہیں اپنے پروں پر اعتماد ہوتا ہے۔

☆ جب ناخن بڑے ہو جاتے ہیں تو ناخن ہی کاٹے جاتے ہیں انگلیاں نہیں بالکل اسی طرح جب رشتے داروں میں رنجش پیدا ہوتی ہے تو رنجش ختم کرنی چاہئے نہ کہ رشتے۔

صدف منیر۔سرگودھا

اس ماہ کی نظم

سارا شہر بلکتا ہے
پھر بھی کیسا سکتہ ہے
ہر کوئی تصویر نما
دور خلاء میں تکتا ہے
گلیوں میں بارود کی بو
یا پھر خون مہکتا ہے
سب کے بازو بیچ بستہ
سب کا جسم دہکتا ہے
ایک سفر وہ ہے جس میں
پاؤں نہیں دل تھکتا ہے
تیرا بچھڑنا جان غزل
شعر غزل کا مقطع ہے

شاعر۔فراز احمد
انتخاب۔عانیہ نیازی۔ربوہ

نورین ملک

خوشبو

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''صدقے نے کبھی مال نہیں گھٹایا اور عفوو درگزر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی فرماتا ہے اور جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے ضرور اونچا کرتا ہے''

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا۔

''ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے''۔

''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو (بہترین) بدلہ عطا فرما''۔

دوسرا کہتا ہے۔''اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے حصے میں ہلاکت کر''۔

(بخاری مسلم)

قابل غور

☆ ہلکی پھلکی بات ہلکے پھلکے کھانے کی طرح جلدی ہضم ہو جاتی ہے۔

☆ جھنجلاہٹ کا سب سے موثر علاج ایک دوست ہوتا ہے جس پر چیخنے چلانے کے بعد آپ اس کی گود میں سر رکھ کر ڈھیر سارا رو سکیں۔

☆ خاموشی ایک ایسا پردہ ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے اور حماقت بھی۔

☆ دنیا کے کام ختم نہیں ہوتے مگر انسان ختم ہو جاتا ہے۔

☆ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنی کتابوں سے ہے کیونکہ انہوں نے اس وقت میرا ساتھ دیا جب میرے اپنوں نے مجھے ٹھکرا دیا۔

☆ تعجب ہے اس پر جو یہ جانتا ہے کہ دنیا فنا کی جگہ ہے پھر بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

☆ زندگی گزارنا مشکل ضرور ہے لیکن اپنے رب سے تعلق جوڑنے والے ناکام نہیں ہوتے ہیں۔

☆ اگر نیک نامی کا خیال ہے تو اچھے لوگوں سے مراسم رکھو۔

☆ لوگ دوست کو چھوڑ دیتے ہیں بحث کو نہیں چھوڑتے۔

☆ زبان وہ بات کہہ ہی نہیں سکتی جو سلوک سے بیان ہوتا ہے۔

☆ بے بس کی آنکھ سے ٹپکنے والا آنسو کتنی ہی عبادتوں پر فوقیت لے جاتا ہے۔

صبا سحر۔ ہارون آباد

باتوں سے خوشبو آئے

☆ زندگی اک سراب ہے جس کے پیچھے ہم بھاگتے ہیں

اور موت حقیقت ہے جسے ہم فراموش کیے ہوئے ہیں

☆ یادیں ہمارے دماغ کی ہارڈ ڈسک پر محفوظ ہوتی ہیں، جو ہمارے کلک کرنے پر ذہن کی اسکرین پر نمودار ہو جاتی ہیں۔

☆ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو طاقت خود بخود آ جاتی ہے۔

☆ بے انصافی کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہو جانا ہی بہادری ہے۔

☆ جو محبتوں کی قدر نہیں کرتے وہ ہمیشہ نفرتوں کا نشانہ بنتے ہیں۔

☆ انسان کا راز جب تک اس کے دل میں رہتا ہے وہ سلامت رہتا ہے۔

☆ یقین کرنے کے بعد کسی بھی ثبوت کی گنجائش نہیں رہتی۔

☆ دیوار کا پتھر کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو وہ اپنی قیمت رکھتا ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

زندگی کیا ہے......؟

کنول یا پھر آگ بادل یا پھر برسات چاند یا پھر رات۔ خواب یا پھر برباد یہ زندگی کچھ بھی نہ ہو کر سب کچھ ہے تیری ہنسی زندگی ہے تیری خوشی زندگی ہے۔ تیری نیند زندگی ہے تیرے خواب زندگی ہیں مگر تب تک۔

جب تک تیرا دل زندہ ہے۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

کرن کرن روشنی

❀ کسی نے برف سے پوچھا کہ تم اتنی ٹھنڈی کیوں ہو

برف نے کہا میرا ماضی بھی پانی اور مستقبل بھی پانی تو گرمی کس بات کی۔

☆ ویسے ہی انسان کا ماضی بھی مٹی اور مستقبل بھی مٹی تو غرور کس بات پر کرتا ہے، سوچنا ضرور۔

☆ انسان کی گفتگو سے اس کا وزن کیا جاتا ہے اور اس کے کردار سے اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔

❀ خوبصورت ہونا اہم نہیں بلکہ اہم ہونا خوبصورتی ہے۔

☆ انسان کی خوبصورتی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ جس سے محبت ہو جائے وہ خوبصورت لگنے لگتا ہے۔

ایم جے قریشی۔ ڈی جی خان

میاں بیوی

شوہر میں تنگ آ گیا ہوں!

تم ہمیشہ میرا گھر، میری کار، میرا میرا کرتی رہتی ہو کبھی ہمارا بھی کہا کرو!

اب الماری میں کیا ڈھونڈ رہی ہو......؟

بیوی چہک کر بولی۔

''ہمارا دوپٹہ''۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

دکھ!

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز

ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

بعض اوقات دکھ بھی کتنے بے رحم ثابت

ہوتے ہیں۔ نہ چاہنے کے باوجود ہنستے کھیلتے انسان کے من میں بڑی شان سے براجمان ہوکر اسے اندر سے بالکل کھوکھلا کر جاتے ہیں۔ پتا نہیں یہ دکھ انسانوں کا پیچھا کب چھوڑیں گے؟ اس کے باوجود ہم ان خوشیوں کے پیچھے زیادہ بھاگتے ہیں جو کبھی ہمارے ہاتھ نہیں آتیں اور صرف چند لمحوں پر محیط ہوتی ہیں۔ آخر کار جب ہم تھک کر چور چور ہوجاتے ہیں' تب یہ دکھ ہی آگے بڑھ کر انسان کو تھام لیتے ہیں' باوجود اس کہ کہ ہم انسان چاہے جتنے بھی بیزار کیوں نہ ہوں مگر یہ دکھ ہمیں کبھی اکیلا نہیں ہونے دیتے' زندگی کی آخری سانس تک ساتھ نبھاتے ہیں۔

ایس۔ امتیاز۔ کراچی

بے مثال

ایک بار ہشام بن الکلبی نے جو مشہور قاضی گزرے ہیں کہا۔

''میں نے حفظ بھی ایسا کیا کہ کسی نے نہ کیا ہوگا اور مجھ سے بھول بھی ایسی ہوئی کہ کسی سے نہ ہوئی ہوگی۔ میرے چچا ایسے تھے کہ وہ مجھے حفظ قرآن کی اجازت نہ دیتے تھے بلکہ مصر تھے مروجہ علوم میں قابلیت بہم پہنچاؤں' پس میں کچھ دنوں کے لئے اپنی خالہ کے ہاں گیا اور وہاں ایک مکان میں یہ قسم کھا کر داخل ہوا کہ جب تک پورا قرآن حفظ نہ کرلوں گا باہر نہیں آؤں گا تو میں نے تیں دن میں پورا قرآن حفظ کرلیا۔

اور بھول کا واقعہ یہ ہے کہ پچھلے سال میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی داڑھی بڑھ گئی تھی' اس لئے میں نے اسے مٹھی میں لے لیا تا کہ مٹھی سے باہر بڑھے ہوئے بالوں کو نیچے سے کاٹ دوں لیکن مٹھی سے اوپر کا حصہ کاٹ دیا۔

دھنک ناز۔ کراچی

کمرہ امتحان

امتحان دے کر آنے والے طالب علم سے اس کے دوست نے پوچھا۔

''بہت اداس لگ رہے ہو کیا پرچا اچھا نہیں ہوا۔

''پیپر مشکل آنے کا اتنا دکھ نہیں ہوتا میرے دوست ! جتنا کمرہ امتحان میں سب سے آگے بیٹھنے پر ہوتا ہے۔

شمائلہ ملک۔ کراچی

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک شخص پہاڑی راستے پر جارہا تھا راستے میں اس کی ملاقات ایک چرواہے سے ہوگئی' اس نے چرواہے سے کہا۔

''اگر میں تمہاری بھیڑوں کی صحیح تعداد بتادوں تو کیا دوگے؟''

''ایک بھیڑ''۔ چرواہے نے کہا۔

''ٹھیک ہے''۔ اس شخص نے جواب دیا۔

''تمہاری بھیڑوں کی تعداد دوسوستاسی ہے''۔

تعداد درست تھی چرواہا حیران ہوگیا۔ اس شخص نے ایک بھیڑ اٹھا کر اپنے کندھوں پر لادلی' جب وہ جانے لگا تو چرواہے نے کہا۔

''اگر میں یہ بتادوں کہ تم کون ہو تو کیا تم میری چیز مجھے واپس کردوگے''۔

''ٹھیک ہے''۔ اس شخص نے رضامندی ظاہر کردی۔

''تم ایک بیوروکریٹ ہو''۔ چرواہے نے کہا۔

جواب درست تھا۔ بیوروکریٹ نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''بتاتا ہوں'' چرواہے نے کہا۔

''پہلے میرا کتا اپنے کندھوں سے نیچے اتارو''۔

رابعہ منیر۔ سرگودھا

ذرا پھر سے کہنا

مدینے

ہے کب سے یہ آرزو میری
کہ شام وسحر مدینے میں گزرے
ہوجائیں سنت کی کھجور میرا رزاق
ہے آبِ زم زم کا پانی ہی میری پیاس'
ہے کب سے یہ خواب میرا
کہ شام وسحر مدینے میں گزرے
ہوجائے رسول ﷺ کی زیارت میرا مقدر
ہے مدینے کی مٹی ہی میری درودیوار'
ہے کب سے یہ عبادت میری
کہ شام وسحر مدینے میں گزرے
ہوجائے مجھ سے راضی میرا رب
ہے ماں کی گود سے لحد تک میری روح
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ --

مدیحہ اعجاز

نظم

اے چاند اب کسی اور اُفق پر چمکا کر
اے چاند اب کسی اور اُفق پر چمکا کر
وہ تو ہمیں چھوڑ کر ہمیشہ واپس چلے
بن گئے وہ تو کسی اور کے
ہم بھی کسی اور راہوں پر چلے
جس طوطے میں اپنی جان تھی
وہ تو کسی اور دیس کو اُڑ چلے
ہم نے بھی اپنے گھر کی راہ لی
وہ بھی کسی اور کا مقدر بن چلے
تقدیر سے تو کوئی لڑ نہیں سکتا
ہم بھی قسمت سے سمجھوتہ کر چلے
میں تو تجھے چاہ کر بھی نہ بھلا سکی
اس طرح وہ میرے دل میں بس چلے
ہم تو خدا سے تجھے ہی مانگا کرتے
یہ دعا بھی ہم ایک کم کر چلے
کسی موڑ پر اگر کبھی وہ ٹکرائے مجھے
تو دعا کر ہم تجھے بھلا چلے

صغریٰ کوثر۔ اوکاڑہ

اچھا لگتا ہے

پہروں تمہارے بارے میں
سوچنا اچھا لگتا ہے
درودیوار سے تیرے چہرے کو
کھوجنا اچھا لگتا ہے
ہونٹوں پہ مسکان چھپائے
پلکوں کو جھپکنا اچھا لگتا ہے
تیرے بالوں کو
سہلانا اچھا لگتا ہے
پلکوں کی گھنی باڑھ کو
ہونٹوں سے چھونا اچھا لگتا ہے
انتظار کی گھڑیاں شمار کرنا

پاگلوں کی طرح تجھے پیار کرنا
اچھا لگتا ہے
تیرا مسکرانا میرا روٹھنا
تیرا منانا
تیری سانسوں سے میری سانسوں کو
مہکانا اچھا لگتا ہے
تیرا میری آنکھوں پہ
ہاتھ رکھنا
میرے نخرے اٹھانا
اور تیری بانہوں میں
اپنا چہرہ چھپانا
اچھا لگتا ہے

شہلا گل سحر صالح

نظم

بھلانے کا ارادہ
ہر بار کی طرح
اس بار بھی مکمل تھا!
مگر
اس بار
دل کے ہمیشہ کے
واویلوں کے ساتھ
یہ دھڑکا بھی آن لگا کہ
بھلا کر
جی تو لیں گے......؟

سحر مبین

نظم

تم سے جو نسبت جڑی
چاہت تم سے
اتنی ہی بڑھی
کہ!
تنہا نہیں تنہائی میں بھی
اس شے میں آئے عکس
تیرا نظر
جس چیز پہ نظر پڑی

عصمت آراء

نظم

سورج کی گرمی
چاند کی چاندنی
تاروں کی چمک
فضاؤں میں نمی
تیرے بغیر بھی ہے
ہر موسم
نہیں ہے کسی
چیز کی کمی

زروہ وصمان

غزل

اب خود سے مقابلہ کرنے کا سوچا ہے
یہاں اپنے آپ کو آئینہ دکھانے کا سوچا ہے
اب محبت محتاج ہے دھن کی صورت کی
سیرت کا جنازہ اٹھانے کا سوچا ہے
کئی دل ٹوٹ گئے اس درد میں
اس درد کو اب آزمانے کا سوچا ہے
ماتم کناں ہیں غم کی ماری آنکھیں
جب سے ہر خواب جلانے کا سوچا ہے
کیا فائدہ ان بدلتی لکیروں کا زبیر
میں نے اپنے ہاتھ کٹانے کا سوچا ہے
یہ ہنستا ہے مجھ پے رقیب کی طرح
چاند کو نشانہ بنانے کا سوچا ہے

یہ میری دیوانگی کا پاگل پن ہے ساتھی
اس کی تکلیفوں کو نظر لگانے کا سوچا ہے

زبیر پنہار

غزل

آنکھ سے آنسو نمایاں نہیں ہوتے
تیری بے وفائی سے پریشاں نہیں ہوتے
تم سلامت رہو پھولوں کی طرح
گزرے ہوئے لمحے مہرباں نہیں ہوتے
تیری دید میں کئی زخم ملے ہیں
کسی کی طرح ہم حیراں نہیں ہوتے
بدلی ہے آسماں نے نگاہ ہم سے
اپنی سوچوں میں ہم جواں نہیں ہوتے
سحر ہوئی تو ہمیں نیند آنے لگی
فاصلے وفا کے درمیاں نہیں ہوتے
کسی کا سایہ بھی ہمیں فریب دے گیا جاوید
تیری ذات سے ہم بدگماں نہیں ہوتے

محمد اسلم جاوید

نظم

مانا وہ ستم گر ہے خاموش رہو تم
غیروں سے اسے پیار ہے خاموش رہو تم
یہ وقت کچھ ایسا ہے کہ بہتر ہے خموشی
پابندئ گفتار ہے خاموش رہو تم
بدلا سا نظر آتا ہے کچھ نظم گلستاں
ہر پھول یہاں خار ہے خاموش رہو تم
ساز دل پر درد کو چھیڑو نہ خدارا!!!
ٹوٹا ہوا ہر تار ہے خاموش رہو تم
ان سے نہ کرو ان کے ستم کی بھی شکایت
ان کا بھی یہی اصرار ہے خاموش رہو تم
سنتے تھے کبھی شوق سے جو غم کے فسانے
اب اف بھی انہیں بار ہے خاموش رہو تم
اک روز عیاں راز یہ ہو جائے گا امتیاز
وہ کتنا وفادار ہے خاموش رہو تم

ایس امتیاز احمد

غزل

یہ نہ کہنا کہ رات کالی تھی
بس یہ کہنا کہ ڈھلنے والی تھی
کون تھا ساتھ میرے ماضی میں
میں تھا اور میری خستہ حالی تھی
وہ بھی سو نہ سکا تھا ساری شب
اس کی آنکھوں میں شب کی لالی تھی
نیم مردہ تھا کوئی کمرے میں
ایک شیشی دوا سے خالی تھی
درد کی شاخ غم زدہ میں نے
اپنے دل کے لہو سے پالی تھی
لوگ سیراب تھے بظاہر تو
دل کے موسم میں خشک سالی تھی
ٹال دی ہے سروں کے بدلے میں
وہ قیامت جو آنے والی تھی
جانے اس کو پتہ چلا کیسے
شمع تو دور سے بجھا لی تھی
جس نے دیکھا تھا اک نظر مجھ کو
میری تصویر تک بنالی تھی
غم نہیں جان سے گیا ساجد
اسے اک آبرو بچانی تھی

سید ساجد

دعا

چھوٹے چھوٹے سپنے ہیں
چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں
پلکوں کے سائے تلے
لاکھوں ہیں ارماں پلے
ہر پل چاہتا ہے دل یہی
مل جائیں روز کچھ خوشیاں نئی
غموں کی فصیل کا ہوا اختتام
خوشیوں کی سبیل کا ہوا اہتمام
کھلیں چمن دل میں محبت کے پھول
گلے شکوے اور ناراضیاں سب جائیں بھول
ہر سو بکھرے مسکراہٹ کی ایسی ہر مسکان
مٹ جائیں دلوں کی کدورتوں کے سبھی نشان

مصباح مسکان رؤف

غزل

کسے اپنا سمجھوں کسے میں پرایا
یہ دنیا ہے بھائی یہاں سب ہے مایا
یہ اپنے ہی ڈسنے کو بیٹھے ہیں زاہی
جن اپنوں کی خاطر ہے سب کچھ گنوایا
دعاؤں میں مانگی تھی جن کی بھلائیاں
ان ہی نے دیئے دکھ انہی نے رُلایا
یوں دیکھوں تو سارے ہی محسن ہیں میرے
انہی کے احسانوں نے مجھ کو دبایا
زمانے کی سختی کے کرکے حوالے
پلٹ کر نہ لی خبر بہت ہی ستایا

زاہدہ زاہی

غزل

بچھڑنے کا اس سے کوئی ملال نہیں رہا
وہ گزرا وقت تھا اب کوئی خیال نہیں رہا
لبیک کہہ اُٹھیں سب رب کی بارگاہ میں
ایسی اذان دے وہ بلال ؓ نہیں رہا
بدلتے لہجے اور ٹوٹتے رشتے دیکھ کر
ان آنکھوں میں کوئی سوال نہیں رہا
آنکھیں جھک جائیں عزت و تکریم میں
حجاب و حیا کا اب وہ جمال نہیں رہا
اکٹھے ہوکر ڈھول چٹاتے تھے دشمن کو
یک جہتی کا وہ انداز فی الحال نہیں رہا

درخشاں ضیاء

غزل

لب پر مسکان لاتے کیوں ہو؟
ہم کو روز ستاتے کیوں ہو
ہنس ہنس کے غیروں سے مل کر
دل پر تیر چلاتے کیوں ہو؟
ہم سے کرتے بات ہو کم کم
پھر بھی ہم کو بھاتے کیوں ہو؟
کہہ دو صاف نہیں آؤں گا!
وعدوں سے بہلاتے کیوں ہو؟
کردو نا اظہارِ محبت
شاہین سے کتراتے کیوں ہو؟

سدرہ شاہین

سندیسے

درخشاں ضیاء.............. کراچی

السلام علیکم صالحہ آپی امید کرتی ہوں آپ اور ردا کا تمام اسٹاف خیریت سے ہوں گے اور سب کی عید بہت اچھی گزری ہوگی' اللہ کے کرم سے میری عید بھی خوشیوں سے بھری تھی' سوچا تھا عید سے پہلے خط لکھ کر آپ کو ارسال کروں گی مگر ہائے رے قسمت مجھے ردا آج یعنی 14 جولائی کو ملا ہے' ملتے ہی پڑھنے بیٹھ گئی' مکمل تبصرہ تو نہیں کر پاؤں گی مگر کافی حد تک کوشش کروں گی' اپنی نظمیں دیکھ کر دلی خوشی ہوئی' سندیسے اور دوستوں کے نام پیغام میں جس طرح تمام سہیلیوں نے مجھے یاد رکھا' ان کی محبتوں کی ہمیشہ مشکور رہوں گی' افشاں اتنا منفرد انداز عید مبارک کہنے کا دل ہی جیت لیا تم نے تو۔ واقعی تمہاری کمی بہت محسوس ہوئی' صالحہ آپی آپ کی لکھی نظم ''نسرین کے دکھ پر'' آنکھیں نم کر گئی' اللہ پاک مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین۔ فریدہ فرید آپی آپ کا افسانہ میرا چاند بہت ہی لاجواب رہا' عورت گھر کا نظام سنبھالتی اور مرد باہر کا کام سنبھالتے ہی اچھے لگتے ہیں' قرۃ العین سکندر کا افسانہ ''مونا کی عیدی'' مختصر مگر پر اثر افسانہ تھا' آج کل لڑکیوں کو نہ جانے کیا ہوگیا ہے' اپنی بڑائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں اور تو اور سہیلیاں بھی اب آپس میں ایک دوسرے سے موازنہ کرنے لگی ہیں' اللہ ہدایت دے سب کو' سعدیہ اقبال کا افسانہ ''میٹھی عید کا عہد'' بہت اچھا لگا' اگر شوہر برا ہو تو سسرال میں زندگی اجیرن ہو جاتی ہے' شوہر اچھا ہو تو عورت سسرال میں ہونے والی تمام خانہ جنگی جیت لیتی ہے' عید سروے پڑھ کر بہت مزہ آیا' ردا کی ڈائری کی سب سے بہترین تحریر روشنی فیصل کی ڈائری سے امجد اسلام امجد کی غزل لگی' اشعار سبھی کے اچھے تھے مگر بہترین شعر رابعہ منیر کا لگا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سبھی نے بہت اچھا لکھا مگر بہترین تحریر سید ساجد صاحب کی لگی۔ ''سندیسے'' کی تو کیا بات ہے' یہ ہم تمام دوستوں کی آدھی ملاقات ہے۔ صبا ڈیئر میرا سندیسہ پسند کرنے کے لئے شکریہ' محبت ہے تمہاری ہمیشہ خوش رہو۔ ابھی ڈائجسٹ مکمل نہیں پڑھا اس لئے مکمل تبصرے سے قاصر ہوں' انشاء اللہ اگلے مہینے مکمل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی' نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت دیجئے۔ اللہ حافظ۔

افشاں علی.............. کراچی

ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے دوش پر محبتوں و چاہتوں اور دعاؤں کی خوشبو لئے افشاں علی ردا کی محفل میں حاضر خدمت ہے' ہماری پیاری دل عزیز و محترم ہستی صالحہ اپیا پیاری سی آواز کی مالک نورین ملک اور ردا کے خوبصورت گلدستے کو سجانے والی تمام رائٹرز و قارئین کو دل کی اتھاہ گہرائیوں اور دعاؤں کی خوشبو کے سنگ افشاں علی کا سلام قبول ہو' اس سال جتنی افراتفری کے سنگ چاندرات و عید آئی اتنی ہی افراتفری کے سنگ ردا پڑھا گیا وجہ رہی مصروفیات کبھی میزبانی اور کبھی مہمان نوازی اسی میں دو ہفتے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



گزر گئے انہی مصروفیات کے پیش نظر ردا بھی مکمل نا پڑھ پائی یہی وجہ ہے تاخیر سے سندیسہ لکھنے کا بھی۔ سب سے پہلے تو ردا اسٹاف صالحہ اپیا اور عید نمبر میں شامل تمام رائٹرز کو بہت بہت تھینکس کہ انہوں نے اتنا خوبصورت سجا سجایا عید نمبر ہمیں بطور عیدی تحفتاً دیا' عید کی مناسبت سے سجا خوب صورت سا سرورق بہت پسند آیا اس ماہ سبھی تحاریر ایک سے بڑھ کر ایک رہیں۔ مکمل ناول و ناولٹ اور سبھی افسانوں نے چار چاند لگا دیئے پھر چاہے ''خوشبوؤں جیسا پیار'' سے تاباں ہے چاندرات یا ''عید کی خوشیاں اور سجن'' ہو یا پھر زرد موسم سے نکلتی پتیاں' بہت ہی عمدہ تحاریر رہیں ثناء کنول کے قلم میں بھی بہت خوبصورت نکھار آ گیا ہے' چھپ گیا چاند دھند کے میں صالحہ اپیا کے قلم سے لکھے الفاظ تو ہوتے ہی ہیں خاص ہر لفظ میں پیغام درد کو چھپاتی ہر پل مسکراتی غم میں بھی عید کی خوشیاں سناتی اس لڑکی کی کہانی ہمیں پھر سے آبدیدہ کر گئی ''میرا چاند'' فریدہ فرید نے بھرپور تحریر لکھی مختلف و انوکھی گیتی آراء نے بھی اچھا لکھا واقعی ہمارا آج جو ہے جیسا ہے اسے بھرپور انجوائے کریں بجائے اس کے کہ وہ گزرا کل بن جائے' باقی تمام افسانے بھی اچھے تھے' قمروش شہک کی آمد اور سباس گل کی شرکت پسند آئی عید سروے میں سب کے جوابات پڑھ کر بہت اچھا لگا' مستقل سلسلے سبھی اچھے تھے' صالحہ محمود کی نظم نسرین کے دکھ پر اف!! درد بیان کرتی آنسو چھلکا گئی' سندیسے کی رونق سب قارئین کی شرکت سے دوبالا سی ہو جاتی ہے' یونہی سندیسے کی محفل میں رونق لگائے رکھنا' دوستوں کے نام پیغام کا تو اب شدت سے انتظار رہتا ہے' آخر اتنی پیاری پیاری سکھیاں ہمیں یاد جو رکھتی ہیں' فریدہ فرید تو بازی لے گئیں بہت خوبصورت و انوکھا انداز' درخشاں ضیاء یاد آوری کے لئے شکریہ' ثناء کنول میری پیاری سی سکھی دعاؤں کے لئے بہت شکریہ۔ میری بھی دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہو' اداسی کا زرد موسم کبھی آپ کے آنگن میں نا ٹھہرے آمین' فرح ناز ہم سمجھتے ہیں یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس کرنے کو کوئی اور کام نہیں ہوتا جو خود کام نہیں کرتے وہ دوسروں کے کام کو کیسے سمجھ پائیں گے بس ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت دے' سوری میری پیاری سی دوست صباء عبدالغنی کچھ ماہ سے گھریلو مصروفیات کے باعث میں نا لکھ پائی نا ہی ردا کو وقت دے پائی سوری دوست میری دعاؤں میں آپ ہمیشہ شامل ہیں' بہت خوبصورت و پیار بھرا پیغام لکھا' اب اجازت بہت ساری دعاؤں کے ہمراہ پھر حاضر ہوں گی۔

رابعہ افضال خان..........کراچی

ڈھیر ساری محبت خلوص اور دعاؤں کی بارش میں بھیگا رابعہ افضال خان کا سلام محبت و معزز پیاری سی صالحہ آپی! کیوٹ سی نورین ملک سویٹ سی رائٹرز و قارئین کو قبول ہو ساتھ ہی ردا سے جڑے ہر فرد کو عید الفطر کی مبارک قبول ہو' اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی خاص رحمت رکھیں اور ہم سب کا دامن ڈھیروں خوشیوں سے بھر دے۔ آمین' گزرے ماہ میں ناساز طبیعت کے باعث ردا میں شرکت نہیں کر سکی تھی جس کا مجھے بہت افسوس ہے' جولائی کا ردا سامنے آیا تو دانیا خان اینڈ فارینا کو پھولوں سے ویلکم کہتے پایا تو دل خوش ہو گیا اس بار گوشہ آگہی پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں' ردائے جنت ہمیشہ کی طرح خوبصورت لفظوں کے پیراہن میں لپٹا دل کی سرزمین کو معطر کر گیا اب آتے ہیں ناولٹ کی طرف' عید ہو تیرے سنگ' ماریہ عمران کا ناولٹ اپنے نام کی طرح خوبصورت تھا' عید اور زرد موسم کے پتے ثناء کنول کا ناولٹ دل میں اترتا محسوس ہوا' مکمل ناول میں خوشبوؤں جیسا پیار' قمروش شہک کا ناول قمروش جی آپ کا تو بس نام ہی کافی ہے عید نے دیں خوشیاں

اور سجن شازیہ مصطفیٰ کا ناول بھی بہت اچھا لگا' تاباں ہے چاندرات' جیا قریشی نے بھی کیا خوب لفظوں کا جادو بکھیرا' اب آتے ہیں افسانوں کی طرف سب سے پہلے محترم صالحہ آپی کا افسانہ چھپ گیا' چاند دھند کے میں پڑھ کر ایک مرتبہ پھر سے آنکھیں نم کر گیا انوکھی عید' سباس گل کی تحریر سچ میں انوکھی تھی' میرا چاند فریدہ فرید تحریر کمال تھی' عید نام ہے خوشی کا نظیر فاطمہ نے بھی بہت خوب لکھا' مونا کی عیدی قرۃ العین سکندر کا افسانہ بھی اچھا لگا' جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو' گیتی آراء جی کے قلم نے بھی اپنا خوب جادو بکھیرا' عید اب ملن کو آئی ہے' ماریہ یاسر کی تحریر بھی دل کو خوب بھائی لائف بوائے شیمپو حورینہ سعد کی تحریر بھی اچھی تھی' عید محبت کے سائے تلے شہلا گل سحر کی تحریر اپنے نام کی طرح زبردست لگی' عید سنگ ساون مہرین کنول نے بھی خوب لکھا' میٹھی عید کا عہد' سعدیہ اقبال کی تحریر بھی اچھی رہی' عید ملن رابعہ کی تحریر بھی اچھی تھی' دریچہ' محبت زینب نے بھی بہت اچھا لکھا' عید سروے میں تمام رائٹرز کے کھٹے میٹھے سوال و جواب پڑھ کر بہت مزہ آیا' عید سروے بہت ہی دلچسپ رہا' ردا کی ڈائری سے روشنی فیصل کی ڈائری سے امجد اسلام امجد کی غزل بہت پسند آئی' اشعار سب ہی اچھے تھے' اس ماہ میں اس ماہ زندگی کیسی لگتی ہے ایس امتیاز احمد نے بہت اچھا لکھا' خوشبو کا ہر لفظ ہی اپنی خوشبو آپ ہے' ذرا پھر سے کہنا میں سب ہی کا کلام بہت اچھا لگا سب ہی نے بہت خوب لکھا' سندیسے کی محفل میں سب ہی نے خوب رونق لگائی ہوئی تھی' پھر وہ درخشاں ضیاء ہو یا پھر افشاں سیدہ مون بخاری' صبا عبدالغنی' گیتی آراء' مصباح مسکان' سب ہی نے بہت خوب تبصرے کئے' فریدہ فرید کی کمی سندیسے کی محفل میں شدت سے محسوس ہوئی سویٹ سی درخشاں یہ آپ کا پیار ہے محبت ہے جو مجھے بہت عزیز ہے آپ کو میرا افسانہ اینڈ سندیسہ پسند آیا اس کے لئے شکریہ' کیوٹ سی افشاں علی میری تحریر کی پسندیدگی کے لئے جزاک اللہ' پیاری سی سکھی فریدہ فرید آپ نے جس منفرد و پیارے انداز میں عید وش کی پڑھ کر ہمارا دل خوش ہو گیا' آپ کا عید وش کرنے کا انداز دل چھو لینے والا تھا' ڈیئر صبا عبدالغنی میری تحریر آپ کو پسند آئی ہے مجھے بہت اچھا لگا ہے اینڈ تمہاری ٹریٹ نے دل کو باغ باغ کر دیا بہت یونیک ٹریٹ دی تم نے مجھے اور ایسی ٹریٹ مجھے دیتی رہنا کیونکہ مجھے بہت پسند آئی ہے تمہاری ٹریٹ شہلا گل سحر 8 جون آپ کا برتھ ڈے تھا تاخیر سے صحیح بٹ ہیپی برتھ ڈے' افشاں علی حروف تہجی سے عید وش کرنے کا انداز ہمیں بہت پسند آیا آپ کا آخر میں میری جانب سے میری پیاری سی صالحہ آپی نورین ملک اینڈ تمام ردا فرینڈ کو بہت عید مبارک اللہ تعالیٰ ردا کو بہت ترقی دے اس کے ساتھ ہی اپنی بہن رابعہ افضال خان کو اجازت دیں' فی امان اللہ۔

گیتی آراء..........کراچی

پیاری آپی اور ڈیئر نورین اسلام علیکم! سب سے پہلے تو آپ کو اور ردا کے تمام قارئین کو عید کی مبارکباد کے ساتھ ساتھ عید نمبر کی کامیابی کی دلی مبارکباد' اللہ کرے ہمارا ردا اسی طرح کامیابی کی منزل طے کرتا آگے بڑھتا رہے آمین' سب سے پہلے تو دو نازک اندام حسینائیں اپنی دلکش مسکراہٹ لئے دل میں اتر گئیں آگے چل کر عید نمبر کی فہرست پر نظر ڈالی تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا فہرست میں اپنا نام اور افسانہ دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھی' آگے بڑھی تو آپی کی گوشہ آگہی کی باتیں دل میں اتر گئیں' ردائے جنت ہمیشہ کی طرح ایمان کی شمع روشن کر گیا' آگے بڑھی تو ایک بار پھر خوبصورت افسانے کی یاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی اور عید نمبر کا لطف دوبالا ہو گیا' آگے بڑھے تو سباس گل صاحبہ ''انوکھی عید'' کے ساتھ براجمان تھیں' مفلسی اور غربت کی منہ بولتی تصویر کھینچ کر ہمیں دکھی کر

گئیں لیکن آگے چل کر فریدہ فرید "میرا چاند" الغنی نے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی' طنز و مزاح کا رنگ لئے "میرا چاند" نے عید نمبر کا لطف دوبالا کر دیا' نظیر فاطمہ "عید نام ہے خوشی کا" مفلس اور نادار لوگوں کا درد اور احساس جگا گئی واقعی میں اصل خوشی اور سکون تو دوسروں میں خوشیاں بانٹنے میں ہے "مونا کی عیدی" ایک سبق آموز تحریر تھی' ماریہ یاسر کی "عید اب ملن کو آئی" نے آئیڈیل بنانے اور اس پر مرنے والی لڑکیوں کی آنکھیں ضرور کھول دی ہوں گی' لائف بوائے شیمپو کی کہانی بھی اچھی رہی' شہلا گل سحر کی "عید محبت کے سائے تلے" روحان کا شوخ و چنچل کردار اچھا لگا' مہرین کنول کی "عید سنگ ساجن" بھی اچھی رہی' سعدیہ اقبال کی "میٹھی عید کا عہد" مختصر مگر دلچسپی تحریر تھی' رابعہ کی "عید ملن" ایک منفرد اور دلچسپ تحریر تھی' دریچہ محبت' زینب ملک ندیم خوبصورت انداز تحریر لئے منفرد تحریر اچھی لگی' اب باری تھی "عید سروے" یعنی کہ عید نمبر کی جان عید سروے کی جس میں سب سے پہلے تو ہمیں اپنی شوخ چنچل گڑیا افشاں علی کی کمی بہت محسوس ہوئی بہر حال اب آتے ہیں "عید سروے کی طرف' شازیہ مصطفیٰ کا عیدی دینے کا انداز پسند آیا' نظیر فاطمہ کا چاند رات گھومنے کا واقعہ بڑا دلچسپ تھا' پڑھ کر مزہ آیا اور خوشی بھی ہوئی کہ شکر آج کے دور میں ایسے باپردہ باحجاب لوگ موجود ہیں' عیدی سے متعلق ان کے خیالات جان کر خوشی ہوئی' فریدہ فرید پردیس یعنی مدینہ منورہ اور مسجد نبوی ﷺ میں عید گزارنے کا پورا منظر آنکھوں میں کھینچ کر رکھ دیا تو ہمیں تو فریدہ کی قسمت پر رشک سا آنے لگا۔ میاں سے عیدی وصولنے کا شوخ انداز پسند آیا' ماریہ یاسر کی سچی اور کھری باتیں اچھی لگیں' ماریہ عمران کی عیدی کے بارے میں کھری اور سچی باتیں اچھی لگیں' سحر کی والدہ والا قصہ پڑھ کر تو ان کی والدہ سے ملنے کا اشتیاق ہونے لگا' قرۃ العین سکندر کی عیدی والی بات پر کہ یہاں سسرال میں تو ہم عیدی کو ترس گئے اس بھولپن پر پیار بھی آیا اور ہنسی بھی' سباس گل آپ نے کیا خوب کہی کہ ہمارے لئے تو ہر وہ عید اچھی ہوتی ہے یادگار ہوتی ہے جس میں ہم سب گھر والے ایک ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں۔ ماورا بشارت تم نے یہ بات بہت اچھی کہی کہ اگر ہم اپنی عید میں سفید پوش لوگوں کو بھی شامل کر لیں یا یاد رکھیں تو ہماری عید کا مزہ دوبالا ہو جائے' ایقان علی کی شوخی حسب دستور اپنے عروج پر رہی شہلا گل سحر کی بھی چٹ پٹی باتیں اچھی لگیں' ردا کی ڈائری کے سبھی انتخاب اچھے تھے۔ "خوشبو" اور "اس ماہ میں" ہمیشہ کی طرح لاجواب رہا۔ "ذرا پھر سے کہنا" میں سبھی نے خوب لکھا خاص کر صغریٰ کوثر' ثناء کنول' فرزانہ شوکت' سید ساجد اور خاص کر صالحہ آپی کی نسرین کے دکھ پر اداس کر گئی' سندیسے ہمیشہ کی طرح چٹ پٹے اور لاجواب رہے ساتھ صبا عبدالغنی' مصباح اور افشاں اتنا ڈھیر سارا پیار اور عزت افزائی کا بے حد شکریہ۔ دوستوں کے نام میں افشاں علی کا پیغام واہ مزہ آ گیا اور ساتھ ہی درخشاں ضیاء اتنے ڈھیر سارے پیار اور عزت افزائی کے لئے شکریہ۔ صدا خوش رہو۔ مہندی کے ڈیزائن اور کچن سبھی لاجواب تھے اب اجازت دعا گو۔

عانیہ نیازی .... ربوہ

پیاری آپی سویٹ نورین اور ردا کی خوبصورت سی سب شہزادیوں کو میرا پیار بھرا اسلام الفت قبول ہو اور اب آتے ہیں ردا کی خوبصورت محفل کی جانب سب سے پہلے آپ سب کو عید کی ڈھیروں مبارکباد خدا کرے کہ ہم یونہی ردا کے سنگ اپنی عیدیں خوشیوں کے سنگ مناتے رہیں' آمین' اس بار عید کا ٹائٹل بہت خوبصورت اور عید کی مناسبت سے تھا جو کہ بے حد اچھا لگا' گوشہ آگہی میں آپی کی باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئیں اور ردائے جنت رمضان کی برکتیں لئے ہوئے خوبصورتی سے سجا تھا' مکمل ناولز میں جیا قریشی' شازیہ مصطفیٰ نے کمال لکھا اور افسانوں میں تو میں حیران پریشان تھی کہ کس افسانے کو بیسٹ لکھوں کس کو نہ لکھوں ہر افسانہ انگوٹھی میں جڑے نگینے کی طرح خوبصورت منفرد اور عید کا حقیقی پیغام لئے تھا کہ عید صرف اپنے لئے خوشی کا نام نہیں بلکہ عید نام ہے دوسروں کے ساتھ خوشی منانے کا پھر وہ بات ہوا تو کھی عید کی یا میرا چاند یا جو بجے ہیں سنگ سمیٹ لو' ہر افسانہ اپنی جگہ کمال اور خوبصورت تھا سب رائٹرز کو میری طرف سے اتنی خوبصورت تحاریر کے لئے ڈھیروں مبارکباد' اب بات ہو جائے ردا کے مستقل سلسلوں کی تو عید سروے ہمیشہ کی طرح سوپر اور کمال تھا' اور سب کے جوابات بھی مزے کے تھے' ردا کی ڈائری' اشعار' خوشبو' اس ماہ میں' زبردست اور سچ کہوں تو اب سندیسے کی محفل کی رونقیں دیکھ کر تو دل اتنا خوش ہوتا ہے یوں لگتا ہے سب سے بالمشافہ ملاقات ہو رہی ہو اور سندیسے کی خوبصورت بات ایک دوسرے کو مان دینا یاد رکھنا اور سراہنا ہے' جو کسی بھی رائٹر اور قاری کے لئے آکسیجن کا کام کرتا ہے اور پھر پیغام تو کیا کہنے پچھلے ماہ اگر فریدہ فرید نے سب کو عید پیغام بھیج کر ڈھیروں خون بڑھایا تھا تو اس ماہ افشاں علی نے سب کو یاد رکھ کر اور پیغام بھیج کر کمال کر دیا ہر ایک کا انداز اتنا خوبصورت اور بے مثال تھا خدا آپ سب کو یونہی ہنستا مسکراتا اور شاد و آباد رکھے اور یہ پیار و محبتوں کے سلسلے یونہی قائم دائم رہیں' آمین۔

دھنک ناز .... کراچی

ڈیئر آپی سلام محبت اور تمام قاری اور رائٹرز بہنوں کو سلام و دعا' اس ماہ پورے کا پورا شمارہ بہترین تھا' ردائے جنت دل کو منور کر گیا' تاباں سے چاند رات کزنز کی نوک جھونک لئے ایک مزے کی تحریر تھی' خوشبوؤں جیسا پیار' قمر وش آپی کی تحریر ہو اور پیاری اور رومانٹک نہ ہو بھلا ممکن ہے سو بہت اچھی لگی' عید نے دیں خوشیاں اور سجن شازیہ آپی کا اپنا منفرد انداز ہے جو ہمیں اپنا بنائے ہوئے ہے عید ہو تیرے سنگ عید اور زرد موسم کے پتے دونوں ناولٹ کمال تھے اب بات ہو جائے افسانوں کی تو چھپ گیا چاند دھند لکے میں' انوکھی عید' میرا چاند' عید نام ہے خوشی کا' مونا کی عیدی' جو بجے ہیں سنگ سمیٹ لو' عید اب ملن کو آئی ہے' عید محبت کے سائے تلے' سبھی افسانے بہت اچھے مختصر و پر اثر تھے' ردا کے مستقل سلسلے تو ردا کی جان ہیں جو اس بار بھی عید کے تمام رنگ لئے دل میں اتر گئے اور ہماری عید کو یادگار بنا گئے' آخر میں ردا کی کامیابی و ترقی کی دعا کے ساتھ اجازت اللہ حافظ۔

حنا علی .... ملتان

سلام محبت اور زور قلم اور زیادہ ہو۔ ایمان' صحت' عافیت اور آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے اوپر سلامت رہے' آمین' کیا بتاؤں ردا تو ہمیں کہیں ملتا ہی نہیں تبصرہ کی حسرت دل میں دبائے بیٹھی ہوں' بہت شوق ہے کہ آپ سے ایک بار آمنا سامنا ہو' شکریہ ردا کے ذریعے ایک نئی پہچان دینے کے لئے اور اتنی پیاری بہنوں سے ملوانے کے لئے' ورنہ کچھ نہ لکھوں تو خوشی کے باوجود روح بے چین رہتی ہے۔ میرے اندرونی سکون کے لئے بہت بہت شکریہ۔ ٹائٹل اچھا تھا' اس کے بعد جب میں نے گوشہ آگہی پڑھا تو دل کو ٹھنڈک پہنچی' مکمل ناول بہت پسند آئے' ناولٹ بھی سارے بہت اچھے تھے' ردا کی ڈائری' اشعار' اس ماہ میں' خوشبو' ذرا پھر سے کہنا' سندیسے' کچن سب پڑھ کر بہت اچھا لگا سب کچھ بہت اچھا اور یونیک تھا اگرچہ میں لفظوں کا حق ادا کرنے میں طفل مکتب ہوں مگر آپ کی رہنمائی یا حوصلہ افزائی شاید مجھے ایک اچھا رائٹر بننے میں مدد کرے۔ اپنا خیال رکھئے گا۔ خدا حافظ

عائشہ حمد

دوستوں کے نام پیغام

کیوٹ اینڈ سوئیٹ سی صالحہ آپی کے لئے
ان کی سالگرہ کے موقع پر
یہ پل یہ ساعت سعید مبارک
اے دوست تمہیں سالگرہ مبارک
ہر رات گزرے مسکراتی گنگناتی
ہر روشن دن کی امید مبارک
جہاں میں بکھری خوشبو مہکے آپ کے گھر
سب لوگ کہیں ہنس کر سالگرہ مبارک

رابعہ افضال خان۔ کراچی

عزیز لوگوں کے نام

ممی ڈارلنگ اینڈ پاپا ماہ اگست آپ کی شادی اینیورسری ہے' بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ آپ کے پیارے کپل کو ہمیشہ قائم رکھے اور آپ دونوں میں محبت بڑھائے۔ آپ کو اپنی اولاد کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے اور آپ کو لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

اور ...... چھوٹے بنٹی' کیوٹ سے نو روز' 2 اگست تمہاری برتھ ڈے ہے' ہیپی ہیپی برتھ ڈے مائی سوئیٹ ہارٹ اللہ تمہیں لمبی' کامیاب زندگی نصیب فرمائے۔ آمین ہم سب کی طرف سے سوئیٹ ممی' پاپا کو ہیپی اینی ورسری

اپنا خیال رکھیں۔ بائے بائے

سحر مبین۔ فیصل آباد

ثوبیہ کے نام

یہ خبر سن کر فلک پر ہے عیاں عید کا چاند
دل کی شاخ پر کئی درد کے تارے چمکے
ہم نے دیکھا تو افق پر تھا سمندر کا سکوت
ہاں تیرے ساتھ جو گزرے وہ نظارے چمکے
پھر نئی صبح کی آمد کا خیال آتے ہی
ہر رگ و پے میں امنگوں کے شرارے چمکے
دھڑکنوں نے یہ خبر دی ہے کہ دونوں جانب
دور ہی دور سے آنکھوں کے کنارے چمکے
وہ جو شاعر تیرا بیمار بھی دلگیر بھی ہے
عید کے دن تیری قسمت کے سہارے چمکے

ایم جے قریشی۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔

ہسبینڈ کے نام

میری زندگی میری جان' رضوان جی کے نام
ہم بے جان چیزوں سے بھی وفا کرتے ہیں
رضوان تجھ میں تو پھر ہماری جان ہے

ریما نور رضوان۔ کراچی

ردا کی دوستوں کے نام

افشاں علی کی دوستی تو صبا عبدالغنی کی محبت تھینک یو سوچ میرے لئے خوشیاں لانے کے لئے مجھے مسکرانے پر مجبور کرنے کے لئے آئی لو یو ایوری ون۔ میرے لئے اپنی محبت کا اظہار کرنا مشکل ہے اسی لئے ہر نام کے نیچے لکھے شعر میں آج اپنے دل کی بات کہتی ہوں شاید کہ آپ سب سمجھ جائیں۔

افشاں علی کے لئے۔
تم کو دیکھوں یا پھر چاند دیکھوں
بات تو ایک ہی ہے اگر تم سمجھو

صبا عبدالغنی کے لئے۔
لفظوں کے ہیر پھیر مجھے نہیں آتے لیکن
دل سے تیرے دیدار کی چاہت نہ گئی

مہرین کنول کے لئے۔
کل رات میں نے اپنے دل سے تیرا رشتہ پوچھا
کم بخت کہتا ہے جتنا میں اس کا ہوں اتنا تیرا بھی نہیں۔

حافظ مون شاہ بخاری کے لئے۔
دن یوں بدلے کہ سب کچھ بدلتا چلا گیا ہم
جو ان کی گفتگو کے رسیا تھے آواز تک کو ترس گئے

یہ شعر ان سب کے لئے۔ فریدہ فرید' زاہدہ ہاشمی' رابعہ افضال خان' ملالہ اسلم' حورینہ سعد' نائلہ طارق' قمر وش' گیتی آراء' ایقان علی' روشنی فاطمہ' عائشہ انصاری' تبسم فیاض' عانیہ نیازی'

"میری آرزو میری خواہش طلب تجھ سے ہے
میری روح زندگی بھی فقط تجھ سے ہے
تیرے سنگ رہنے کی آرزو شدید
میری خوشیوں کا نام فقط تم سے ہے"

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھرا

السلام علیکم عید بہت خوبصورت اور اپنائیت بھرا تہوار ہے اور یہ خوبصورت و اپنائیت سے بھرا تہوار اپنوں کے بناء ادھورا لگتا ہے اس لئے ان خوشیوں بھرے لمحوں میں ہم آپ سب کو دل کی تمام تر محبت خلوص و چاہتوں کے گلدستے سے سجی عید کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو' سب سے پہلے صالحہ آپی اینڈ نورین ملک کو عید مبارک سوئیٹ فریدہ فرید' ہمیشہ خوش رہو آباد رہو' عید بہت بہت مبارک ہو' پیاری افشاں علی یوں ہی صدا ہنستی مسکراتی رہو' عید بہت مبارک ہو' ڈیئر صبا عبدالغنی' خدا تمہارا دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرا رہے' عید مبارک' کیوٹ ثناء کنول اللہ دتہ' میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے دامن میں اتنی خوشیوں بھر دے کہ ان خوشیوں کو سمیٹتے تمہارا دامن تنگ پڑ جائے' عید بہت بہت مبارک ہو۔ پیاری شہلا گل سحر' اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے عید مبارک کیوٹ درخشاں ضیاء یونہی ہنستی کھلکھلاتی رہیں اللہ آپ پر اپنی خاص رحمت رکھے' عید مبارک' سوئیٹ حافظ مون شاہ یو آر سو سوئیٹ عید مبارک' ڈیئر سحر مبین ہمیشہ خوش رہو' عید مبارک' ڈیئر سپاس گل' سیدہ امبر ہاشمی' سعدیہ عابد' ایقان علی' ایمان علی' دھنک ناز' ثمینہ فیاض' حمیرا عروش' زاہدہ ہاشمی' ریمل آرزو' شازیہ مصطفیٰ' نائلہ طارق' فرح ناز' ملالہ اسلم' مصباح مسکان اور باقی جو نام رہ گئے معذرت کے ساتھ سب کو دلی عید مبارک قبول ہو اس کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

رابعہ افضال خان۔ کراچی

ثریا اقبال

کچن

مکس سپراؤٹس

اجزاء

مکس دالیں : دو کپ
پیاز (کٹا ہوا) : دو عدد
لہسن (کٹا ہوا) : پانچ جوے
ٹماٹر (کٹے ہوئے) : دو عدد
املی کا پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
ناریل (پسا ہوا) : تین کھانے کے چمچ
گڑ : دو کھانے کے چمچ
تیل : دو کھانے کے چمچ
نمک : حسب ذائقہ
سرخ مرچ : چھ عدد
خشک دھنیا : ایک کھانے کا چمچ

ترکیب: پریشر ککر میں تمام دالیں تھوڑا سا پانی ڈال کر چار منٹ تک پکائیں۔ پین میں تیل گرم کرکے لہسن اور پیاز فرائی کریں پھر اس میں دالیں بھون لیں اور ناریل، ٹماٹر، گڑ، املی کا پیسٹ اور نمک شامل کرکے پانچ منٹ تک پکائیں۔ دھنیا چھڑک کر پیش کریں۔

کھٹی بریانی

اجزاء

پیاز : ایک پاؤ
چاول : ایک کلو
دہی : آدھا کلو
ہرا دھنیا (پسا ہوا) : ایک کپ
املی کا پیسٹ : آدھا کپ
سرخ مرچ (پسی ہوئی) : ایک چائے کا چمچ
زیرہ (ثابت) : ایک چائے کا چمچ
سوکھا دھنیا : ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ (ثابت) : ایک کھانے کا چمچ
ادرک لہسن پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
گوشت : ڈیڑھ کلو
لیموں (رس) : دو عدد
ٹماٹر (کٹے ہوئے) : آدھا کلو
ہری مرچ : چار عدد
آلو بخارا : آٹھ عدد
نمک : حسب ذائقہ
ہلدی : ایک چائے کا چمچ
گھی : ایک کپ
زردہ رنگ : پون چائے کا چمچ

ترکیب: گوشت میں دہی، ٹماٹر، ادرک لہسن پیسٹ، پسا ہوا دھنیا، ہری مرچ، پسی ہوئی لال مرچ، نمک، سفید زیرہ، ہلدی اور دھنیا ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ املی کا گودا، آلو بخارا اور لیموں کا رس ملا کر ایک طرف رکھ دیں۔ دیگچی میں گھی گرم کرکے پیاز فرائی کریں اور پھر گوشت ڈال کر پکائیں۔ گوشت بھن جائے تو املی والا آمیزہ اور ہری مرچ ڈال کر پکائیں

ایک بڑی دیگچی میں ہلکا سا گھی لگا کر چاول اور گوشت تہہ در تہہ بچھائیں اوپر زردے کا رنگ، ہرا دھنیا اور پیاز چھڑک دیں۔ پین میں ایک کھانے کا چمچ گھی گرم کرکے اس میں ثابت مصالحے بھون کر چاولوں پر ڈالیں اور بیس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

پولسو

اجزاء

ڈرم اسٹکس : چار عدد
ٹماٹر : ایک پاؤ
بھنڈی : ایک پاؤ
گھیا : ایک پاؤ
بینگن : ایک پاؤ
املی کا پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
نمک : حسب ذائقہ
سوکھا دھنیا : ایک چائے کا چمچ
چنے کی دال : دو کھانے کے چمچ
ہینگ : ایک چائے کا چمچ
چاول : دو کھانے کے چمچ
ثابت سرخ مرچیں : دو عدد
رائی : ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ : ایک چائے کا چمچ
ارد کی دال : ایک چائے کا چمچ
کڑی پتے : ایک ٹہنی
انڈا : ایک عدد
ہلدی : ایک چائے کا چمچ
سرخ مرچ پاؤڈر : ڈیڑھ چائے کا چمچ

ترکیب: سبزیاں درمیانے سائز کے ٹکڑوں میں کاٹ کر ان میں 3 کپ پانی، نمک اور ہلدی ڈال کر پکائیں۔ سبزیاں گل جائیں تو انہیں چمچ سے پیس کر گاڑھی سی گریوی بنالیں۔ ان میں املی کا پیسٹ، سوکھا دھنیا، چنے کی دال، ہینگ، چاول اور سرخ مرچ پاؤڈر شامل کرکے مزید پکائیں۔ ایک پین میں تیل گرم کرکے اس میں میتھی دانہ، رائی، ارد دال، ثابت سرخ مرچیں اور کڑی پتے ڈال کر کچھ دیر پکائیں اور سبزیوں میں شامل کرکے 2 منٹ تک پکائیں۔ اس آمیزے کو ڈرم اسٹک پر لگائیں اور پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کرکے تیل میں تل لیں۔

گوبھی منچورین

اجزاء

پھول گوبھی : ایک پھول
میدہ : پون کپ
لہسن پیسٹ : ایک چائے کا چمچ
تیل : دو کپ
کارن فلور : ایک کھانے کا چمچ
ادرک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
پیاز (کٹا ہوا) : ایک کپ
اجینوموتو : پون چائے کا چمچ
ٹماٹو ساس : تین کھانے کے چمچ
ہری مرچ (کٹی ہوئی) : ایک عدد
سویا ساس : دو کھانے کے چمچ
دھنیا (کٹا ہوا) : سجاوٹ کے لیے
نمک : حسب ذائقہ
پانی : حسب ضرورت

ترکیب: گوبھی دھو کر بڑے پھولوں میں کاٹ لیں۔ ایک باؤل میں میدہ، کارن فلور، نمک، ایک چمچ لہسن و ادرک اور پانی ڈال کر پیسٹ تیار کر لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور اب گوبھی کے کٹے ہوئے پھول اس آمیزے میں ڈپ کرکے تل لیں۔ دوسرے پین میں لہسن و ادرک پیسٹ، پیاز اور ہری مرچ شامل کرکے کچھ دیر بھونیں پھر اس میں سویا ساس اور ٹماٹو ساس بھی شامل کردیں۔ فرائی گوبھی اس آمیزے میں ڈال کر مکس کریں اور ڈش میں نکال کر پیش کریں۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ویجی ٹیبل چاؤمن

اجزاء

نوڈلز (ابلے ہوئے)	:	آدھا کپ
پیاز (کٹا ہوا)	:	ایک عدد
ہری پیاز (کٹی ہوئی)	:	ایک پاؤ
نمک	:	حسبِ ذائقہ
کالی مرچ	:	آدھا چائے کا چمچ
اویسٹر ساس	:	دو کھانے کے چمچ
ووسٹر ساس	:	حسبِ ضرورت
شملہ مرچ (کٹی ہوئی)	:	ایک عدد
بند گوبھی (کٹی ہوئی)	:	آدھا کپ
گاجر (کٹا ہوا)	:	ایک عدد
سیاہ زیتون	:	سات عدد
تیل	:	تین کھانے کے چمچ

ترکیب: گرم تیل میں ابلے ہوئے نوڈلز ڈال کر کچھ دیر پکائیں پھر اس میں پیاز، شملہ مرچ، گاجر، ہری پیاز، ٹماٹر، سیاہ زیتون اور بند گوبھی شامل کر کے چند منٹ پکائیں۔ سبزیاں نرم ہو جائیں تو نمک، کالی مرچ، ووسٹر ساس اور اویسٹر ساس شامل کر دیں۔ سبزیاں گل جائیں تو ڈش میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

چنکی کیرٹ کیک

اجزاء

گاجریں (کش کی ہوئی)	:	تین کپ
براؤن شوگر	:	آدھا کپ
چینی	:	پون کپ
انڈے	:	دو عدد
ویجی ٹیبل آئل	:	آدھا کپ
ونیلا ایکسٹریکٹ	:	ایک چائے کا چمچ
ادرک پاؤڈر	:	آدھا چائے کا چمچ
میدہ	:	ڈیڑھ کپ
بیکنگ سوڈا	:	آدھا چائے کا چمچ
نمک	:	آدھا چائے کا چمچ
دار چینی (پسی ہوئی)	:	ایک چائے کا چمچ
اخروٹ (باریک کٹے ہوئے)	:	پون کپ
کریم چیز	:	ایک پاؤ
آئسنگ شوگر	:	پون کپ

ترکیب: باؤل میں گاجریں اور براؤن شوگر ڈال کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دوسرے باؤل میں انڈے پھینٹ لیں اس دوران آئل اور ونیلا ایکسٹریکٹ بھی آہستہ آہستہ شامل کرتے جائیں۔ پھر اس میں میدہ، بیکنگ سوڈا، نمک اور دار چینی اور آخر میں آدھے اخروٹ اور گاجریں بھی شامل کر دیں۔ یہ آمیزہ بیکنگ ڈش میں ڈالیں اور 350 ڈگری فارن ہائیٹ پر پہلے سے گرم کردہ اوون میں 50 منٹ تک بیک کریں اور ٹھنڈا کرلیں۔ ایک پین میں چینی ڈال کر پکائیں۔ جب چینی پگھلنے لگے تو اس میں بقیہ اخروٹ ڈال کر مکس کریں۔ اس آمیزے کو بیکنگ پیپر میں رول کر کے کچھ دیر تک فریزر میں رکھ دیں۔ باؤل میں کریم چیز، آئسنگ شوگر اور ادرک پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور کیک کے اوپر پھیلا دیں۔ اس کے اوپر جما ہوا چینی اور اخروٹ والا آمیزہ لگائیں اور پیش کریں۔

گوآوا ڈیلائٹ

اجزاء

امرود	:	چار عدد (کاٹ لیں)
سیب	:	دو عدد (کاٹ لیں)
چینی	:	چار کھانے کے چمچ
کالا نمک	:	آدھا چائے کا چمچ
برف	:	حسبِ ضرورت
پانی	:	حسبِ ضرورت

ترکیب: برف کے علاوہ تمام اجزاء بلینڈ کر لیں۔ برف ڈال کر مزید بلینڈ کریں۔ سرونگ گلاس میں ڈال کر پیش کریں۔

......☆......

شہلا مشائق

سنگھار

جلد

خوب صورتی اور جاذبیت کے لیے میک اپ کے ساتھ ساتھ آپ کی جلد کا تروتازہ اور صحت مند ہونا بھی ضروری ہے اور جلد کی حفاظت اسی طرح کی جانی چاہیے جس طرح کہ ہم اپنی خوب صورتی کے لیے چہرے کی حفاظت کرتے ہیں۔ کیوں کہ خوب صورت جلد اس وقت تک اپنی خوب صورتی برقرار رکھ سکتی ہے جب تک اس کی حفاظت نہ کی جائے کیوں کہ وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ جلد کا رنگ روپ بھی بدلتا رہتا ہے۔ موسم صحت اور ڈائٹنگ ایسے عوامل ہیں جو جلد پر نمایاں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ ڈائٹنگ سے جلد کا کھنچاؤ اور تازگی متاثر ہوتی ہے۔ اگر نوجوانی کے دور میں ہی جلد کی حفاظت کے لیے تدابیر اختیار کرلی جائیں تو بڑی عمر میں چہرے پر جھائیاں وغیرہ پڑنے سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ ہماری جلد تین تہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلی تہہ وہ ہے جو ہمیں نظر آتی ہے۔ یعنی سب سے اوپر والی تہہ اور دوسری تیسری تہیں پہلی تہہ کے نیچے ہوتی ہیں۔ جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔ پہلی تہہ بدلتی رہتی ہے اور اس کے مردہ خلیات کی جگہ نئے خلیات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جب کہ دوسری اور تیسری تہہ کا تعلق خون کی رگوں بالوں کی جڑوں اور غدود سے ہوتا ہے۔ پیدائش کے وقت انسان کی جلد کو مکمل جلد کہا جاتا ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ جلد نشوونما پاتی رہتی ہے۔ جلد کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

1۔ خشک جلد۔ 2۔ نارمل جلد۔ 3۔ چکنی جلد۔ 4۔ ملی جلی جلد۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ کسی بھی انسان کی جلد مکمل طور پر خشک، نارمل یا چکنی نہیں ہوتی بلکہ نوے فیصد افراد کی جلد ملی جلی کیفیات کی حامل ہوتی ہے۔ جلد کی اقسام پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

خشک جلد:

یہ جلد با آسانی پہچانی جاتی ہے۔ اس جلد کا اوپری حصہ باریک اور عموماً گلابی رنگت کا ہوتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں اکثر خشکی کی تہہ صاف نظر آتی ہے۔ اس قسم کی جلد پر جھریاں جلد پڑ جاتی ہیں۔

حفاظت:

خشک جلد کی حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں۔

رات کو سونے سے پہلے کسی ہلکے صابن اور پانی سے منہ دھوئیں۔ Deep Porecleancng کریم سے جلد کی صفائی کریں۔ چہرے اور گردن پر اچھی کریم Skin لگائیں اور بیس منٹ تک رہنے دیں۔ پھر ٹشو پیپر یا روئی سے صاف کریں۔ رات کو بھی ہلکا سا اسکن ٹانک لگائیں۔ زیادہ سے زیادہ پانی استعمال کر کے جسم کو موسچرائزر مہیا کریں۔

نارمل جلد:

نارمل جلد بہت صاف ستھری اور ملائم ہوتی ہے اور یہ جلد صنعتی ملکوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس پر جھریاں دیر تک نہیں پڑتیں۔ اس کا رنگ گلابی کے بجائے Creamy ہوتا ہے۔ ماہرین کے مطابق

نارمل جلد صرف بچوں کی ہوتی ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کی جلد یا تو خشک یا پھر چکنی ہوتی ہے۔ بہر حال بڑی عمر کے لوگوں میں نارمل جلد پائی جاتی ہے۔

حفاظت:

نارمل جلد رکھنے والے سوچتے ہیں کہ ان کی جلد بغیر حفاظت اور احتیاط کے بھی خوب صورت اور دلکش رہے گی۔ ایسا سوچنا غلط فہمی ہے۔ ایسے اشخاص کو چاہیے کہ وہ مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں۔

اپنا چہرہ عمدہ صابن اور تازہ پانی سے دھوئیں۔ کسی Clean کریم سے جلد صاف کریں۔ کوئی ہلکا سا اسکن ٹانک روئی کی مدد سے لگائیں۔ چہرے کو موسم کے اثرات سے بچانے کے لیے ممکنہ حد تک ڈھانپ کر رکھیں۔ خاص طور پر دھوپ سے بچائیں تاکہ جلد پر دھوپ کے اثرات نہ پڑ سکیں۔

چکنی جلد:

چکنی جلد بہت جلد میلی ہو جاتی ہے اور چہرے پر چکناہٹ صاف نظر آتی ہے۔ ناک سے نتھنے، گردن، آنکھوں کے نیچے اور ٹھوڑی پر چکناہٹ نظر آتی ہے۔ جن خواتین کی جلد چکنی ہوتی ہے اس پر چمک نمودار ہو جاتی ہے۔ ایسی جلد کے مسامات نارمل اور خشک جلد کی نسبت زیادہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ عام طور پر سیاہ تل اور مہاسے نکلتے رہتے ہیں۔ چکنی جلد والی خواتین اپنی جلد کو خشک جلد میں بھی تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ تاکہ جلدی بیماریوں سے نجات مل سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چکنی جلد دوسری جلدوں کے مقابلے میں زیادہ توانا اور زیادہ عرصہ تک تروتازہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حفاظت:

چکنی جلد رکھنے والی خواتین کو درج ذیل باتوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ پورے چہرے پر Skin Deepore Tonic لگائیں۔ cleansing کریم کی مدد سے چہرہ صاف کریں اور ٹھوڑی پر خاص توجہ دیں۔ گردن اور چہرے پر کوئی اچھا سا لوشن لگائیں۔ سبزیاں اور سلاد روکھا گوشت اور مچھلی کھائیں اور پانی زیادہ پئیں اور مرغن غذاؤں سے اجتناب کریں۔ خشک میک اپ استعمال کریں۔ اپنی چکنی جلد کو بدلنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ یا غذا مت استعمال کریں جس سے جلد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ چکنی جلد ہی سب سے بہتر جلد سمجھی جاتی ہے۔

ملی جلی جلد:

ملی جلی جلد، چکنی اور خشک جلد کا مرکب ہوتی ہے۔ اس میں پیشانی اور ٹھوڑی تک چکناہٹ پھیلی ہوتی ہے۔ جب کہ باقی جگہ خشک ہوتی ہے۔

حفاظت:

سونے سے پہلے روزانہ ہلکے صابن اور پانی سے منہ دھوئیں۔ Cleansing cream سے صفائی کریں۔ خشک حصے اور گردن پر اسکن فول لگائیں۔ آنکھوں کے اردگرد کے حصے پر زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بیس منٹ کے بعد ٹشو پیپر یا روئی سے صاف کریں۔ پورے چہرے پر اسکن ٹانک لگائیں۔

انسانی جلد پچیس برس کی عمر تک صحت مند اور تازہ رہتی ہے اور عموماً اس عمر کے بعد تنزلی کا شکار ہونے لگتی ہے۔ انسان کو جلد کے متعلق کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً جلد میں نمی کے تناسب کا کم ہونا جس سے جلد پر لکیریں وغیرہ ابھرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ جلد کی ساخت کو تبدیل کرنے سے بھی یہ کئی طرح کے مسائل کا شکار ہو سکتی ہے۔ جلد کو کسی بھی لوشن یا موسچرائزر سے تبدیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ واحد غذا ایسی چیز ہے جو ہماری جلد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ متوازن غذا کا اثر جلد پر بھی بہت اچھا پڑتا ہے۔ جب کہ ڈائٹنگ کرنے سے جلد مرجھا جاتی ہے اور پژمردہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

......☆......